#

Dave

Cut by

سلسلۂ نصاباتِ تعلیم جامعۂ عثمانیہ

رولرز اوف انڈیا

(ہندوستان کے حکمراں)

مارکوئس اوف ڈلہوزی

اور حکومتِ کمپنی کا انتہائی نشوونما

مُصنّفۂ

سر ولیم ولسن ہنٹر۔ کے سی ایس آئی ۔ سی آئی ای ۔ ایم اے ۔ ایل ایل ڈی

مترجمۂ

سید محمد احمد صاحب دہلوی

(ذریعۂ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد)

مطبوعۂ دار الطبع سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

سنہ ۱۳۴۰ھ ـ سنہ ۱۳۳۱ف ـ سنہ ۱۹۲۲ع

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

بحث

ان کتابوں کا خاص مقصد بجائے شخصی سوانح عمریوں کے تاریخی تبصروں کو پیش کرنا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کے لحاظ سے اس سلسلے کی ہر چھوٹی سی کتاب میں کسی نہ کسی ایسے نہایت مشہور زمانے پر بحث کی گئی ہے جس میں کہ ہندوستان نے خاص ترقی کی ہے۔ اور اُس زمانے کے کسی نامور شخص کے نام کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو مسائل اُس کو حل کرنا پڑے۔ یا جو کام اُس سے ظہور میں آے اور جو اثرات وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ مثلاً سلطنت مغلیہ کی ابتدا اور انتہائے عروج کا مختصر خاکہ کتاب موسومۂ "اکبر" میں کھینچا گیا ہے۔ اور اُس کا زوال "اورنگ زیب" میں دکھایا گیا ہے۔ کتاب موسومۂ "ڈوپلے" میں اس جد وجہد کا ذکر ہے جو یورپین اقوام نے اہلِ برطانیہ کے غلبہ حاصل کرنے سے پیشتر ہندوستان کے لئے کی تھی۔ اس جلد میں جو ڈلہاؤزی کے نام سے موسوم ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا انتہائی کمال دکھایا گیا ہے۔

مارکوئس آف ویلزلی نے جو طبیعت شناسی میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا صدی کے آغاز میں برطانوی ہند کے نظامِ حکومت کو جن بنیادوں پر قائم کیا تھا وہ ۱۷۹۸ء سے ۱۸۴۸ء تک قائم رہیں۔ لیکن آیندہ سطور میں ہم کو معلوم ہوگا کہ رفتہ رفتہ اس ۵۰ سال کے عرصے میں پرانا نظام درہم برہم ہوتا گیا۔ اور اس کی اڑواڑیں اپنی جگہ سے سرکنے لگیں ۱۸۴۸ء میں ایک اور زبردست حکمراں انگلستان سے ہندوستان میں آیا۔ اور اُس نے از سرِ نو سلطنت برطانیہ کی جو بنیادیں قائم کیں وہ ایسی بنیادیں تھیں جو سلطنت اور ملکی انتظام میں اہم تبدیلیوں کے باوجود اب تک قائم ہیں۔ موجودہ صفحات میں حکومت برطانیہ کی عمارت کے اُس دوسرے معمار کی بابت تذکرہ کیا گیا ہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کے انتظامات حکومت کو اس قدر کافی زمانہ گزر چکا ہے کہ اب ہم اُس پر اطمینان کے ساتھ مورخانہ نظر ڈال سکتے ہیں۔ لیکن اُس کے عہدِ حکومت سے

نتائج ہندوستان کو موجودہ حالت تک پہنچانے میں اس درجہ موثر ہوئے ہیں کہ اس کے کارناموں کو موجودہ زمانے کا تقریباً ہمعصر بنا دیتے ہیں۔ جب اُس کا زبردست ہاتھ یہاں سے اُٹھ گیا تو اس کی کارروائیوں کا ردِ عمل غدر کی صورت میں نمودار ہوا۔ لیکن ۱۸۵۷ء کا غدر بھی اپنے وقت پر ختم ہو گیا۔ اور لارڈ ڈلہاﺅزی کے انتظامات کے مستقل نتائج نشو و نما پانے کے لئے باقی رہ گئے ہندوستان کی موجودہ خارجہ پالیسی یہاں کے اندرونی معاملات۔ اور صنعت و حرفت کا نیا دور سب کے سب اسی کے عہدِ حکومت کا ورثہ ہیں ؎

لارڈ ڈلہاﺅزی نے ہندوستان میں تین کام کئے ہیں۔ اُس نے اس کی حدود کو اس قدر وسعت دی کہ ایک طرف تو وہ یورپ کی ایک عظیم الشان قوم (روس) کی حدود سے جا ملیں۔ اور دوسری طرف ایک قدیم ایشیائی سلطنت سے مل گیا۔ ساتھ کے ساتھ اُس نے ویسٹ انڈیا کمپنی کے اندرونی مقبوضات اور درمیانی باجگزار ریاستوں کو استحکام دے کر سلطنت ہند کی حقیقی بنیاد ڈالی۔ لیکن اپنے اہلِ ملک پر شاید اُس کا سب سے زیادہ پائدار احسان یہ ہے کہ ریلوں سڑکوں نہروں اور امور عامہ کے دوررس تجاویز کے ذریعے اُس نے وہ انقلابِ عظیم پیدا کر کے دکھا دیا جس کے باعث ہندوستان کا قدیم زراعت پیشہ ملک ہمارے زمانے کا صنعتی اور تجارتی ملک بن گیا۔ سلطنت کی توسیع اور مقبوضات کا باہمی ائتلاف اور ترقی ذرائع یہی تین کام تھے جو ہندوستان میں لارڈ ڈلہاﺅزی کو تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ فتوحات واستحکام اور ترقی صرف یہی تین لفظ ہیں جن میں اس کے کل کارناموں کو جمع کیا جاسکتا ہے ؎

لارڈ ڈلہاﺅزی نے ملک ہند کو ٹکڑوں میں منقسم پایا تھا۔ شمال مغرب میں ایک زبردست جنگجو قوم یعنی سکھ ہمارے اور وسط ایشیا کے درمیان حائل تھے۔ پنجاب پر تسلط کر کے لارڈ ڈلہاﺅزی نے اس دیوار کو توڑا۔ اس نے برطانوی حدود کو پہاڑوں کے دامن تک وسعت دیکر برطانوی افسروں کو دروں کا نگہبان بنایا۔ اسی کے زمانے سے ہندوستان کی شمال مغرب سرحد پر وسط ایشیا کی مسلمان اقوام اور روسیوں کی مدافعت کیلئے انگریزی افواج کا قیام ہے۔ سلطنت روس کے ساتھ ہمارے ایشیائی تعلقات جو پیشتر انقلاب پذیر رہتے تھے پنجاب کی فتح کے باعث رفتہ رفتہ مگر لازمی طور پر یورپ کی بساط سیاست پر متمکن ہوئے۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے بڑے اہم امور کلکتے اور لاہور سے لنڈن اور سینٹ پیٹرز برگ کو منتقل ہو گئے ہیں اور بحر اسود کی بجائے افغانستان رقبہ غیر جانبدار بنا دیا گیا ہے ؎

ہندوستان کی مسلح افواج کے نظام میں نہ صرف ملک کی اندرونی ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے بلکہ وہ ضرورتیں بھی مدنظر رہتی ہیں جو یورپین اقوام کے مسلح کیمپ کے متصل ہونے کے باعث ہندوستان پہ لاحق ہیں ؛

سب سے آخری وائسرائے لارڈ ڈفرن کی فوجی پالیسی اور فوجی اخراجات کی لازمی وجہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کو روسیوں سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری تھی اور یہ وہ سرحد ہے جس کے وجود کا اصلی باعث لارڈ ڈلہاؤزی تھا ؛

ہندوستان کی دوسری جانب شمال مشرق اور جنوب مشرق میں خود مختار ریاستوں نے لارڈ ڈلہاؤزی کے زمانے تک ہم کو ہماری دوسری بڑی ایشیائی ہمسایہ سلطنت چین سے جدا رکھا۔ لارڈ ڈلہاؤزی کے ۱۸۵۰ء میں سکم کے درمیانی اضلاع کے الحاق نے ہم کو تبت اور سلطنت چین سے جا ملایا۔ ۱۸۸۸ء میں برطانوی نمائندہ پیکین میں ان مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو خاص اسی الحاق کی وجہ سے (اگرچہ بعد عرصۂ دراز کے) پیدا ہو گئی تھیں اور ۱۸۸۹-۱۸۹۰ء میں سلطنتِ چین کا ایک نمائندہ اسی مقصد کے لئے ہندوستان میں آیا ؛

جنوب مشرق کی دور دراز راس تک بھی لارڈ ڈلہاؤزی نے برطانوی حدود کو وسعت دی۔ دریائے اراودی کے زیرین اضلاع کے الحاق کے باعث معاملات آہستہ آہستہ مگر اٹل طور پر ایسی صورت اختیار کرتے گئے جن کا نتیجہ برطانیہ کی جانب سے اپر برما کو فتح کر لینے کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا تھا۔ ۱۸۸۶ء میں بمقام مانڈلے لارڈ ڈفرن کا وہ اعلان جس کی رو سے اپر برما وکٹوریہ کی حکومت میں شامل ہو گیا ۱۸۵۲ء میں لارڈ ڈلہاؤزی کے زیریں برما کو ملحق کر لینے کا لازمی نتیجہ تھا۔ سلطنت برما کے معدوم ہو جانے کے باعث چین کے ساتھ ہمارے نہ صرف سفارتی تعلقات قائم ہو گئے بلکہ ہم کو شہنشاہ چین کے بعض نیم شاہانہ حقوق بھی غیر معین طور پر تسلیم کرنے پڑے ؛

اگرچہ لارڈ ڈلہاؤزی کی سرحدی فتوحات کے نتائج نہایت دور رس تھے۔ لیکن اسکا عمل استقامت واتحادِ مقبوضات اس سے بھی زیادہ اہم نتائج پیدا کرنے والا ثابت ہوا۔ اس وقت تو استحکام کا منشا صرف ہندوستانی ممالک کو باہم متحد کر دینا معلوم ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہی اتحاد ہندوستانی اقوام کو بھی ایک کرنے والا ثابت ہو رہا ہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کو بوجوہات معقول

یقینِ کامل تھا کہ ہندوستان پر نام نہاد بادشاہوں اور درمیان کے مصنوعی وسائل سے حکومت کرنے کا پرانا طریقہ لوگوں کے حق میں مصائب و آلام کا باعث ہے اور اس لئے ہر مناسب موقع سے فائدہ اُٹھا کر اس کے بجائے انگلستان کی دیانت دارانہ طرزِ حکومت کے رواج دینے کو اس نے اپنا نصب العین بنا لیا تھا۔ اور اسی پالیسی کے باعث دیسی ریاستیں یکے بعد دیگرے برطانوی حکومت کے ماتحت ہو گئیں۔

۱۸۴۷ء میں اپنے دوران سفر میں لارڈ ڈلہاؤزی نے ہندوستان کا جو نقشہ اپنے ذہن میں جمایا تھا سیاسی لحاظ سے وہ اُس نقشے سے زیادہ سہل تھا جو وہ اپنے جانشین کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ اس کی فتوحات اور ملک گیری کے شاندار دائرے میں پنجاب۔ سکم۔ کچار کا کچھ حصہ۔ لوئر برما۔ ستارا اور سندھ کا کچھ حصہ شامل تھا۔ اودھ۔ ممالک متوسط بگھات۔ سمبلپور۔ جیت پور۔ اودیپور۔ جھانسی۔ ممالک برار۔ اور خاندیس کا حصہ وہ وسیع اضلاع ہیں جو اُس نے نقشہ حکومت کے وسط میں اکٹھا کئے تھے۔ اگر میں اس ابتدائی باب میں ڈلہاؤزی کی اس پالیسی کے متعلق تعریف یا الزام کا کوئی لفظ کہوں جو انگلستان کی مشرقی سلطنت میں توسیع حدود اور تنوع فرائض کا موجب ہو رہی تھی تو گویا میں اس امر کو ثبوت سے پہلے مسلم مان لوں جس پر دیانت داری سے بحث کرنا اس کتاب کا مقصد ہے۔ آغاز میں ہمارا صرف اس قدر مان لینا کافی ہوگا کہ ہندوستان کے موجودہ نقشے کا بانی لارڈ ڈلہاؤزی تھا۔

ان ابتدائی سطور میں صرف توسیع سلطنت کے سوال پر زور دینا لارڈ ڈلہاؤزی کی حکومت کے عیب و صواب کا قبل از وقت فیصلہ کرنا ہوتا کیونکہ محض توسیع مملکت سیاسی قزاقی۔ عوام الناس کی طویل مخالفت اور مالی مشکلات کی ایک غیر مفید وراثت ہو سکتی ہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کی خود بھی یہی خواہش ہوتی کہ ہر الحاق یا فتح کی تعریف کا مستحق بننے سے پیشتر اس کے صحیح اسباب کو بیان کر دیا جاوے۔ اس کو کامل یقین تھا کہ اگر اس کا کوئی استحقاق اپنے اہل ملک کے احساس شکر گزاری پر تھا تو وہ اس کے ملک گیری کے فعل کے حق بجانب ہونے کی وجہ سے تھا نہ کہ محض اس کی ملکی توسیع کے باعث۔ اب رہا یہ امر کہ وہ اپنے اس یقین میں غلطی پر تھا یا سچائی پر اوسے میں واقعات کو دیانت داری کے ساتھ بیان کر کے بعد پڑھنے والوں کے انصاف پر چھوڑوں گا۔

جن ممالک کو لارڈ ڈلہاؤزی نے فتح کیا یا جن کا اس نے الحاق کیا تھا اُن کو نہایت مستحکم طور پر باہم ملا دیا تھا۔ سڑکوں ۔ نہروں ۔ جہازوں کے راستوں اور رفاہ عام کے ہر قسم کے کاموں میں اس کی وسیع ترقیات کے باعث تجارت میں آسانیاں پیدا ہوگئیں۔ اور تجارتی اجناس کی ایسی زیادتی ہوئی کہ ہندوستان میں اس سے پیشتر کبھی نہیں ہوئی تھی لیکن اسکے عہدِ حکومت میں استحکام کے لئے چار نئے ذرائع سے بھی کام لیا جانے لگا تھا۔ ریلوے۔ تار۔ نصف پینی محصول ڈاک کا انتظام اور مغربی اصول پر تعلیم کا ایک مرکزی نظام جاری ہوا میں ان میں سے ہر ایک کا ذکر بعد میں کرونگا۔ فی الحال میں لارڈ ڈلہاؤزی کے سب سے پہلے سوانح نویس کے الفاظ ان معاملوں میں سے ایک کے متعلق نقل کرنا چاہتا ہوں۔ ۱۸۶۵ء میں جب ریلیں ہندوستان میں نئی چیز تھیں اس وقت سر ایڈون آرنلڈ نے تحریر کیا کہ "ہندوستان کے لئے جو کچھ ریلیں کر سکتی ہیں وہ شاہی خاندانوں نے کبھی نہیں کیا تھا یعنی اکبر اعظم جو کچھ سلطنت کے ذریعے سے نہ کرسکا یا ٹیپو سلطان کا ظلم جس کام کو زبردستی نہ کرا سکا وہ ریلوں کے ذریعے ممکن ہے۔ اور وہ ہندوستان میں ایک واحد قوم بنا سکتی ہیں"[۱]

ہندوستان کی موجودہ حالت ۔ یہاں کی تجارت کا نیا دور ۔ نئی علمی سرگرمی اور جدید سیاسی بیداری کے لئے ہم ان مستحکم کرنے والے اثرات کے ممنون ہیں جو لارڈ ڈلہاؤزی نے متحرک کئے تھے۔ جغرافی لحاظ سے اس کا ہندوستانی ممالک کو ایک کر دینا ہندوستان کے لوگوں میں آہستہ آہستہ مگر یقینی طور پر استواری کا پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ جس وقت لارڈ ڈلہاؤزی ہندوستان اور بیرونی اقوام قدیم کی درمیانی حدود کو عبور کر رہا تھا اسی وقت اس نے ہندوستانی اقوام کے قدیمی باہمی اختلاف کو دور کرنے کی تدابیر بھی شروع کر دی تھیں اور اگرچہ اس نے ہندوستان کے بیرونی خطرات اور ذمہ داریوں کو ان کی پرانی حدود سے بہت آگے بڑھا دیا تھا لیکن ساتھ ہی اس نے ہندوستان کو اس کی حدود متحدہ کے اندر ایک ملک بنانے کی بھی بنیادیں ڈال دی تھیں ؎

---

(۱) کتاب موسومہ "برطانوی ممالک ہند میں لارڈ ڈلہاؤزی کا عہدِ حکومت" مصنفہ سر ایڈون آرنلڈ جلد دوم صفحات ۲۴۱ تا ۲۴۲۔ ۱۸۶۵ء

اس کے عہدِ حکومت کے ان دیگر واقعات کو فی الحال چھوڑ کر جو ۱۸۴۹ء میں پنجاب کی فتح اور ۱۸۵۲ء میں لوئر برما کی فتوحات کے درمیان پیش آئے میرا ارادہ ہے کہ اس مختصر کتاب میں لارڈ ڈلہاؤزی کی فتوحات پر واضح اور مسلسل تذکرہ تحریر کروں۔ اس کے بعد اس طرح میں لارڈ ڈلہاؤزی کی ملک گیری کی پالیسی پر یعنی دیسی ریاستوں کی نسبت اس کی ان بالترتیب کار روائیوں پر نظر ڈالنے کی کوشش کرونگا جن کے باعث بہت سی جاگیریں اور ریاستیں حکومت برطانیہ کے ماتحت ہو گئیں۔ لیکن اندرونی انتظامات کے متعلق جو واقعات اس دوران میں پیش آتے رہے ہیں اُن کے ذکر سے بیان میں کھانچہ پیدا کرنے کی بجائے اس حصے میں ملک گیری کے طویل سلسلے کے وہ مسلسل واقعات بھی بیان کر دونگا جو ۱۸۴۸ء میں ستارا کے الحاق سے ۱۸۵۶ء میں اودھ کے الحاق تک پیش آئے ؛!

اس طرح یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ لارڈ ڈلہاؤزی نے فتوحات اور الحاق کے ذریعے کس طرح ہندوستان کو ایک نیا ملک بنا دیا میں اُن وسائل کو حوالۂ قلم کرونگا جن سے اس نے مقبوضات کو استحکام دیا۔ کیونکہ تدابیر استحکام ملکی توسیعات کے قدم بہ قدم جاری تھیں۔ میرا فرض یہ ہے کہ ان مفید کاموں کے سلسلے کو بھی ظاہر کر دوں جنکو زمانۂ امن میں اس کے اعلیٰ دماغ نے مقبوضات جنگی کی تکمیل کیلئے بطور ضمیمہ اختیار کیا کرتا تھا۔ یعنی یہ کہ اس نے ریل اور تار کی آہنی زنجیروں سے کس طرح ایک صوبہ دوسرے صوبے سے جکڑ دیا تھا اور کس ترکیب سے ایک مشترک طریقہ تعلیم اور تجارتی اور سیاسی امور میں ہمہ گیر دلچسپی کے ذریعے جو ہندوستان قدیم میں تقریباً معدوم تھی اور جو موجودہ ہندوستان کی نہایت اہم خصوصیت ہے اس نے ہندوستانی اقوام کو باہمدگر پیوستہ کرنے کی تدابیر شروع کر دی تھیں ؛

ابھی وہ موقع نہیں آیا ہے کہ لارڈ ڈلہاؤزی کے کارناموں پر آخری فیصلہ معطوف کیا جائے۔ اس نے خود اپنے وصیت نامے کے تتمے میں ہدایت کی ہے کہ میرے مرنے کے پچاس برس سے پہلے میرے کاغذات شائع نہ کئے جائیں۔ میں اس کی چاہیتی اور دائمی انیس بیٹی لیڈی کو نمار کی خدمت میں مودبانہ شکریہ پیش کرتا ہوں جس نے اس کتاب کے اس حصے کو ملاحظہ کیا ہے جس کا تعلق اس کے حالات زندگی سے ہے۔ زمانۂ قیام ہند اور زمانۂ مابعد میں لارڈ ڈلہاؤزی کے معالج اور دوست ڈاکٹر گرانٹ کا میں خاص طور پر نہ صرف اس کتاب کی یادداشتوں اور واقعات کی تصدیق کے واسطے ممنون ہوں بلکہ اسلئے

بھی کہ انہوں نے اس کی تمام کاپیوں کی نظرِ ثانی کی ہے۔
بہر حال اس کتاب کے ذریعے ان غلط فہمیوں اور اس نیم واقفیت کا ازالہ ہو جائیگا جس نے لارڈ ڈلہاؤزی کی موت کے وقت اس کے عہدِ حکومت کے واقعات تاریکی میں چھپا رکھے تھے۔ میں نے اُس زمانے کی تمام تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا ہے ایک طرف تو سر جون ولیم کے زٹلیات اور مخالفانہ نوشتوں سے لیکر اور سر ایڈون آرنلڈ کی فصاحت آمیز تحریروں تک اور دوسری طرف سر چارلس جیکسن اور ڈیوک آف آرگائل کی سنجیدہ بیانیوں کو نہایت غور سے مطالعہ کیا ہے۔ خود لارڈ ڈلہاؤزی کی یادداشتوں اور چٹھیوں سے ضخیم سرکاری کاغذات اور پارلیمنٹ کی بلو بک۔ کی خط و کتابت سے اور دیگر مختلف مواد سے جو ہندوستان میں لارڈ ڈلہاؤزی کے ہمعصروں کی سوانح عمریوں سے ملتا ہے خاص کر بوسورتھ اسمتھ کی کتاب "لائف آف لارڈ لارنس" اور سر ہربرٹ ایڈورڈز۔ سر ہنری لارنس سر جیمز اوٹرام اور سر چارلس نیپیر کی سوانح عمریوں سے میں نے اُن کے بیانات اور نتائج کا موازنہ کیا ہے اور اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ اگرچہ ہمیں لارڈ ڈلہاؤزی کی حکومت کے دوررس اثرات پر قطعی رائے زنی کا حق عطا نہیں کرتا لیکن اس سے ہم اس قابل ضرور ہو جاتے ہیں کہ نہ صرف اس کی کارروائیوں بلکہ ان امور پر بھی جن پر اسکی پالیسی مرتب ہوئی تھی یا جو مقاصد اس کی رہنمائی کرتے تھے واضح اور منصفانہ نظر ڈال سکیں۔

باب دوم

شخصیت

سب سے اول اس امر کی ضرورت ہے کہ ڈلہاؤزی کی شخصیت سے اچھی طرح واقفیت حاصل کریں۔ اس کی زبردست شخصیت ہندوستان میں، اس کی حکومت کیلئے ایسا اہم عنصر تھی کہ اس کی طبیعت و فضائل کو نمایاں کئے بغیر اس کی پبلک زندگی کو دکھانے کی کوشش ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اصل یہ ہے کہ اس کی عادتیں اور خصلتیں حقیقتاً ایسی ٹھوس بنیادوں پر قائم تھیں اور ان کی جلوہ گری اسکے ہم جنسوں کو اس درجے مرعوب کردیتی تھی کہ میری اس تمام تصویر کے لئے جس قدر جگہ ممکن ہے اسکا زیادہ تر حصہ اسی پہلو کے دکھانے میں صرف کرنے کی مجھ کو بے محابا خواہش ہوتی ہے۔

مگر خوش قسمتی سے لارڈ ڈلہاؤزی کے واقعات زندگی پیشتر ہی نہایت قابل لوگوں کے قلم سے نکل چکے ہیں۔ اگرچہ ان کے ذرائع واقفیت ناقص تھے۔ سنہ ۱۸۶۱ء کے ڈاکٹر جارج اسمتھ کے مضامین جو "دی فرینڈ آف انڈیا" (ہندوستان کا دوست) اور اس کے بعد انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مضمون پر مشتمل ہیں اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ کیپٹن ایل جے ٹروٹر نے حال میں جو تذکرہ لکھا ہے وہ دیانت دارانہ جانفشانی اور خوبی بیان کے لحاظ سے سب سے زیادہ تعریف کا مستحق ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ کتاب ہذا بحیثیت ایک تاریخی تبصرہ کے ایسی ہی سزاوار تحسین ہوگی جیسی کہ کیپٹن ٹروٹر کی کتاب بحیثیت ایک سوانح عمری کے پاکیزہ کتاب ہے۔ اس کے متعلق یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ اگرچہ میری کتاب کا بڑا حصہ اُس کی کتاب ملنے سے پیشتر ہی لکھا جاچکا تھا لیکن یہ صرف کیپٹن ٹروٹر ہی کا باعث ہے کہ مجھے اس باب کو دوبارہ لکھکر نئی معلومات اور خاصکر اس ذخیرے سے جو کیپٹن ٹروٹر کی کتاب کے لئے ڈاکٹر گرانٹ نے فراہم کیا ہے اس کو اور زیادہ مالامال بنانا ضروری معلوم ہوا۔ باقی ماندہ گیارہ باب صرف اسی ذخیرے پر محدود کردیئے گئے ہیں جسے میں پہلے ہی فراہم کرچکا تھا۔

جیمز اینڈریو بروں ریمزے ارل دہم اور اول و آخر مارکوئس آف ڈلہاؤزی ۲۲ ر اپریل ۱۸۱۲ء کو بمقام ڈلہاوزی کیسل (قلعہ) پیدا ہوا۔ ملکہ نے اس جگہ کی سیر کرنے کے سلسلے میں لکھا تھا کہ "یہ مکان سرخی مائل پتھروں کا بنا ہوا ہے اور خاص اسکاٹلینڈ کی طرز کا ایک پرانا قلعہ ہے"۔ یہ بارھویں صدی میں تعمیر ہوا تھا اور موجودہ صدی میں علاوہ مرمت کے اس میں اور عمارات بھی بڑھائی گئی تھیں۔ خاندانِ ڈلہاؤزی کا یہ قلعہ دریائے ایسک کے دلکش جنوبی کنارے پر اس جگہ واقع ہے جہاں سے ریلیں کاکپن کی بستی میں سے گزرتی ہوئی ایڈنبرا میں داخل ہونے کے لئے اپنی رفتار ہلکی کرنے سے بیشتر ایک قریبی ڈھلوان مقام پر سے نیچے کی طرف کو جاتی ہیں۔ گوری کی سازش میں اس خاندان کے ایک رکن نے اسکاٹلینڈ کے بادشاہ جیمز ششم کی جان بچائی تھی اور خاندانِ ڈلہاؤزی کے اعلیٰ افضائل لارڈوں کے طویل سلسلے (یعنے جیسے ناز ڈلہاؤزی ہے جو "دی جنٹل شیپرڈ" میں مذکور ہے "لیرڈ او کاک پین"، کے مجرد بڈھے تک) سے اسکاٹلینڈ کی تاریخ اور نظمیں دونوں متاثر ہیں؛

ہندوستان کا آئندہ گورنر جنرل جیمز نویں ارل کا تیسرا لڑکا تھا۔ اس کا باپ شاندار وضع کا سپاہی آدمی تھا جو جنگ جزیرہ نما (پین انشلر وار) میں لڑچکا تھا اور جیمز کی پیدائش کے تین سال بعد واٹرلو کے میدان میں ایک جمعیت کا کمانڈر ہونے والا تھا۔ اس کی والدہ کول سٹون واقع ہیڈنگٹن شایر کے خاندان بردن کی وارثہ تھی۔ یہ ایک قدیمی خاندان تھا جس کے رکن اپنی نسل کے سلسلے کو بہت سے پرشوکت خاندانوں کے توسط سے پوئٹو کے کونٹوں (نوابوں) تک پہنچاتے تھے۔ جیمز کے بھائیوں میں سے ایک یعنی دوسرا لڑکا بہت کم عمری میں گزر گیا تھا اور ابھی جیمز بچہ ہی تھا کہ اسکے والدین اسے اور اسکے بڑے بھائی کو کینڈا لے گئے جہاں اس کے والد کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا تھا۔ جیمز کو کینڈا کا خیال بچپن کی نہایت دل خوش کن سرزمین کی حیثیت سے اس وقت بھی آیا کرتا تھا جبکہ شاندار مردانہ محنتوں کامیابیوں اور غموں کی آئندہ زندگی کے زمانے میں وہ اپنے گزشتہ زمانے کی بابت غور کرتا تھا[۱]۔

---

[۱] لارڈ ڈلہاؤزی کی خوردسالی کے زمانے کے اصلی کاغذات اول اول اسی سال جنوری ۱۸۶۱ء میں کتاب موسومہ "دی فرینڈ آف انڈیا"، میں بمقام سرام پور شائع ہوئے۔

جب وہ دس برس کا ہوا تو اس کو ایک چھوٹے جہاز میں انگلستان بھیجا گیا۔ آئندہ سات سال کا زمانہ اس نے ہیرو میں کاٹا۔ اور اس زمانے کا زیادہ تر وقت اس کے بڑے بھائی کے ساتھ جو اس کے ہمراہ تعلیم حاصل کر رہا تھا اور ڈاکٹر جارج بٹلر کے ساتھ گزرا جو ان کا اتالیق اور اسکول کا ہیڈ ماسٹر تھا۔

کیپٹن ٹروٹر نے لکھا ہے کہ اس کی اسکول کی زندگی میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا جس نے اس کی اولوالعزمی کو نوعمری ہی میں مشتعل کر دیا ہوگا۔ ۱۸۲۳ء میں جب مارکوئس آف ہیسٹنگز ہندوستان سے جہاں اس نے سپاہیانہ اور مدبرانہ ہر دو حیثیت سے بے عدیل قابلیت کے ساتھ حکومت کی تھی وطن کو واپس گیا تو دوسرے سال وہ اپنے پرانے اسکول کو دیکھنے گیا اور درسگاہ ہیرو کے تمام لڑکوں کو دو اشرفیاں فی لڑکا بطور تحفے کے دیں۔ اس نے سب کے دلوں کو موہ لیا اس پیر مرد خلیق و ستودہ اطوار اور صاحب رعب و داب شخص کے ایسے شاہانہ تحفے نے بہت سے لڑکوں کے دل علاوہ شکر گزاری کے دیگر جذبات سے بھی ضرور بھر دیئے ہونگے۔ مرہٹوں کا یہ فاتح وہاں پورے جاہ و جلال کے ساتھ کھڑا تھا اور کم از کم نوعمر ریمزے ہیرو کے اس باشوکت پرانے طالب علم میں ایسی مجسم عظمت کا مشاہدہ کر رہا تھا جس کے حصول و ہمسری کی خود اس کو بھی کسی آئندہ زمانے میں امید ہوگی۔ ۱۸۲۹ء میں جیمز کا باپ بجائے لارڈ کومبرمیر کے ہندوستان کا کمانڈر ان چیف مقرر ہوا اس کا بڑا لڑکا لارڈ ریمزے باپ کے ساتھ مشرق کو چلا آیا اور جیمز کرائسٹ چرچ آکسفورڈ میں داخل ہو گیا۔

یہ قدیم علمی سوسائٹی ان دنوں نہایت ذہین نوعمروں کا مرکز بنی ہوئی تھی جن کی قسمت میں نہ صرف اپنے ملک بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں بھی نمایاں حصہ لینا لکھا تھا۔ مسٹر گلیڈ اسٹون انڈر گریجوایٹ تعلیم کے لحاظ سے تقریباً دو سال آگے تھا۔ لارڈ کیننگ جو لارڈ ڈلہاؤزی کے بعد ہندوستان کا گورنر جنرل ہوا اور لارڈ الگن جو بحیثیت وائسرائے ہند کیننگ کا جانشین ہوا یہ سب اس زمانے میں کرائسٹ چرچ میں نوعمر ریمزے کے دوستوں میں شامل تھے۔ وہ ابتدا ہی سے نہایت ذہین اور ہوشیار سمجھا جاتا تھا اور تعطیلوں کے دوران میں اٹلی کے

شمالی حصے میں سفر کے وقت اس کا محققانہ مذاق اور آداب کا ذوق اور زیادہ ہو گیا۔ لیکن ۱۸۳۲ء میں امتحان ڈگری کے سال اس کے بڑے بھائی لارڈ ریمزے کی موت اس کی تعلیم پر ایک بلا کی طرح ٹوٹ پڑی۔ جیمز کو اب سب سے بڑا لڑکا ہونے کی حیثیت سے اعزازی خطاب ملا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آپ کو بہت سے خاندانی فرائض میں گھرا ہوا پایا۔ آکسفورڈ میں واپس آکر اس نے ۱۸۳۳ء میں معمولی سند حاصل کی لیکن اس کے ممتحنوں نے اس کو معمولی پاس سے زیادہ بہتر درجے کا مستحق دیکھکر اور نیز اس کے مخصوص واقعات پر نظر رکھ کر اس کو آنریری فورتھ کی سند عطا کر دی جس کو اُس زمانے میں درجۂ دوم کے مساوی سمجھا جاتا تھا۔

۱۸۳۳ء میں لارڈ ریمزے بالغ ہوا اور ۱۸۳۵ء میں اس نے ایڈنبرا کے عام انتخاب میں پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے مقابلہ کیا۔ کیمپبل۔ آئندہ لارڈ چینسلر اور ایبرکرو جیسے آئندہ مقرر (جو بعد ازاں بیرن ڈنفرلین بنایا گیا تھا) جیسے دو کار آزمودہ لوگوں کے مقابلے میں ایک ایسے امیر زادے کی کامیابی کی بابت جس کے ابھی پوری طرح پر پرواز بھی نہ نکلے ہوں شروع ہی سے نا امیدی تھی۔ یہ مقابلہ انتخاب اس سبب سے ذکر کے لائق ہے کہ اس نے عجیب و غریب قوت ارادہ کا ثبوت دیا خود انتہی پرزور تقریریں کیں اور اپنے خیالات کو نہایت شد و مد سے اپنی کمیٹی کے ذہن نشین کرا کے اور تشنہ کامی کے بعد اپنے حامیوں کا شکریہ ایسے الفاظ میں ادا کیا جو اعتماد اور پیش گوئیوں سے لبریز تھے۔

اس نے کہا تھا کہ "میں اب اپنے مشاغل میں مصروف ہونے کے لئے واپس جاتے وقت جو کچھ احساسات اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں وہ وہی ہیں جو ہر ایسے شخص کے ہونے چاہئیں جو یہ سمجھ رہا ہو کہ میری محنت رائگاں نہیں جا سکتی جہاں تک اس کا اختیار تھا اس نے اپنے ملک کا اپنے ہم جنسوں کا اور خود اپنا فرض ادا کر دیا اور جو یہ سمجھ رہا ہو کہ اس نے بھلائی کا بیج بو دیا ہے اور اب صرف یقین اور صبر کے ساتھ اس میں پھل آنے کا انتظار کرنا ہے[1]" پھر اپنے کامیاب مخالفوں کے مجمع پر

[1] دیکھو ڈلہاؤزی کے انتقال پر ٹائمز کا مضمون۔

وہ یہ پاکیزہ فقرہ چست کرتا ہوا رخصت ہوا کہ "تم لوگ بیوقوف ہو کہ تم نے کوکبن کے لیرڈ (سردار) کی مخالفت کی"

حقیقت بھی یہی ہے کہ اس روشن دماغ نوجوان کو اپنی یہ ناکامی زیادہ محسوس نہیں ہوئی کیونکہ ان دنوں سیاسیات کے علاوہ وہ محبت کے پھندوں میں بھی الجھا ہوا تھا۔ اس کے چند دن بعد جنوری ۱۸۳۶ء میں اس نے لیڈی سوسن ہی کے ساتھ شادی کی جو اس خاندانی دوست اور ہمسائے یعنی آٹھویں مارکوئس ٹویڈڈیل کی سب سے بڑی لڑکی تھی۔ لیڈی سوسن ہی کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت خوبصورت طویل القامت لڑکی تھی فرانسیسی زبان کی ماہر اور موسیقی میں کمال رکھتی تھی اس کا کتّوں اور گھوڑوں کا شوق ہندوستان میں ضرب المثل تھا جہاں وہ اپنے خاوند کے ساتھ اس کے دوروں کو گھوڑے پر سوار ہو کر منزل بہ منزل طے کرتی تھی۔ کلکتے کی گھوڑدوڑ کے میدان میں ہر شخص اس کو پہچانتا تھا جہاں وہ نہایت سرکش گھوڑوں کی ایک جوڑی کو بڑے ٹھاٹھ سے ہانکتی ہوئی لے جاتی تھی۔ سوسائٹی میں اگرچہ وہ قدرے خاموش رہتی تھی لیکن اپنے وطن اسکاٹلینڈ کی حقیقی نرم دلی۔ اپنی فہم و فراست اور اخلاقی دلکشی کے باعث وہ اپنی خانگی زندگی میں قابل پرستش تھی ۱۸۵۳ء میں اس کی وفات کے باعث اس کے خاوند کو زندگی کے باقی ماندہ ایام کاٹنے مشکل ہو گئے تھے ان کی ۱۷ سالہ کتخدائی کی خوش باش زندگی میں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں چھوٹی لڑکی لیڈی ایڈتھ نے ۱۸۶۹ء میں رائٹ آنریبل سر جیمز فرگوسن سے شادی کی جو نو آبادیات اور ہندوستان کی گورنریوں کی وجہ سے ممتاز تھا ۱۸۷۱ء میں مرگئی۔ بڑی لڑکی لیڈی سوسن نے نہایت نیک مزاجی سے اپنے باپ کے ایام ضعیفی میں آخری وقت تک خدمت گزاری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اس نے ۱۸۶۳ء میں آنریبل رابرٹ برک سے جو اس وقت لارڈ کونمارا اور ہندوستان کے آئندہ وائسرائے لارڈ میو کا بھائی تھا شادی کی۔

شادی کے دوسرے سال ۱۸۳۷ء میں لارڈ ریمزے ہیڈنگٹن شاعر کے لئے جہاں کول اسٹون کی وارثہ ہونے کے باعث اس کی ماں کا بہت بڑا اثر تھا پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا۔ مگر ۱۸۳۸ء میں اپنے باپ کی وفات کے بعد وہ ارل ہو گیا اور اس طرح

دارالعوام میں اس کے زمانے کا خاتمہ ہو گیا۔ اس وقت کی سیاسیات کا لحاظ کرتے ہوئے کسی نوعمر قدامت پسند امیر کے لئے دارالامرا میں امتیاز حاصل کرنے کا مشکل موقع مل سکتا تھا اس لئے نئے ارل آف ڈلہاؤزی نے اُس بہر مقامی کام کی طرف جو اس کے ہاتھ لگا اپنی پوری توجہ مبذول رکھی ۱۸۳۹ء میں اسکاٹلینڈ کے کلیسا میں (مجلس عام) وہ ڈلکیتھ کی پریس بی ٹیڑی نفرتی کی طرف سے جہاں اس کا کوکین کا علاقہ بھی واقع تھا بحیثیت ایک ایلڈر (سرپرست) نمائندہ بنکر گیا۔

وہ مسائل جنھوں نے چار سال بعد اسکاٹلینڈ کے کلیسا کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اسی وقت لوگوں کے دماغوں میں چکر لگا رہے تھے۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے بحیثیت ایک وشنو باغ غیر جانبدار قدامت پسند کے کئی ضروری امور میں اصلاح پسندوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی تھی اور کہا جاتا ہے کہ جوامر مقتدایان دین کیلئے سخت مضر سمجھا جاتا ہے اس کے متعلق اس نے اصلاح پسندوں کے حق میں رائے دی تھی اگرچہ وہ تحقیقات اور تدارک ظلم کا موید تھا لیکن اس نے نہایت استقلال کے ساتھ ان کارروائیوں میں شمولیت سے انکار کر دیا جو بالکل نئی بدعات کا باعث تھیں اور جن کا نتیجہ اس کے نزدیک نفاق کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ چنانچہ حقیقت بھی یہی ہے کہ ۱۸۴۳ء میں اس کا نتیجہ اسکاٹلینڈ کے کلیسا کے انحلال و انقراض کی مہلک صورت میں ظاہر ہوا۔ ایسے نوعمر شخص میں اس قدر استقلال حیرت انگیز معلوم ہوتا تھا اور اسی وجہ سے ڈاکٹر چامرس کو اس کی جانب سے سخت ملال ہوا کیونکہ اس مذہبی مقتدا نے ارل موصوف کی صریح ہمدردی اور بعض خاص خاص امور میں موافقت کی وجہ سے اس کو ہر ایک معاملے میں اپنا ہمداستان سمجھنے میں غلطی کی تھی۔

ڈاکٹر چامرس کے دوستوں نے لارڈ ڈلہاؤزی کا نام اس کی کمیٹی میں درج کر لیا لیکن کیپٹن ٹروٹر لکھتا ہے کہ لارڈ ڈلہاؤزی نے نہ صرف اس میں شامل ہونے سے انکار کیا بلکہ اس پالیسی کی بابت بھی جس کا اسے موید سمجھا جاتا تھا سخت اور سنجیدہ مخالفت کی۔ اس نے بیان کیا کہ ڈاکٹر چامرس کی تجویز کو منظور کر کے گویا حکومتِ مذہب نے اسکاٹلینڈ کے قائم شدہ کلیسا کی ہلاکت کا طبل بجا لیا ہے اور اس لئے اسکے بعد خود وہ مجلس عام کا ممبر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اپنے قول کی تائید میں اس نے

اپنی ٹوپی اُٹھائی اور کمرے سے باہر چلا آیا[1]؎

اپنے دوستوں سے جن کی قابلیت کا وہ مدّاح اور جن کے مقاصد کی وہ عزت کرتا تھا مفارقت کا صدمہ اس وقت اس وجہ سے اور بھی زیادہ گہرا ہوا کہ اس کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ بیوہ کونٹس ۱۸۳۹ء میں مرگئی اور ۲۷ سالہ نوجوان ارل کو ان تمام قریبی متعلقین سے جن کے درمیان وہ پلا اور بڑھا تھا علحدہ ہوکر آئندہ مصائبِ زندگی کا تنہا مقابلہ کرنا پڑا۔ ۱۸۴۲ء میں ملکۂ وکٹوریہ ڈلہاؤزی کیسل (قلعہ) میں آئی اور اس کے روزنامے کی تحریر کے مطابق ڈرائنگ روم (کمرہ ملاقات) کی کھڑکی کے پاس کھڑے ہوکر اُس نے "خوبصورت جنگل کی وادی اور دور دور افتادہ پہاڑیوں کے نظارے" کی تعریف کی۔ اس مخصوص متکبرانہ خُلق کے ساتھ جو بعد ازاں اُس میں زیادہ بڑھ گیا تھا اس نے "ملکہ کو یاد دلایا کہ انگلستان کا وہ آخری بادشاہ جو اس قلعے کے قریب پہنچا تھا ہنری چہارم تھا اور اگرچہ وہ ہفتوں قلعے کے باہر پڑا رہا مگر اس کو اس میں داخلہ نصیب نہ ہوا"؎

ملبورن کی وزارت کی شکست نے سر رابرٹ پیل کے لئے راستہ کھولدیا اور لارڈ ڈلہاؤزی جس کو پیشتر ہی اس زبردست قدامت پسند مدبّر کا اعتماد حاصل ہوچکا تھا ۱۸۴۳ء میں مجلس تجارت (بورڈ آف ٹریڈ) کا نائبِ صدر مقرر ہوا۔ کرائسٹ چرچ میں اس کا سابق ہمعصر انڈر گریجوائٹ مسٹر گلیڈ اسٹون اس محکمے کا صدر تھا۔ جب ۱۸۴۵ء میں مسٹر گلیڈ اسٹون نے اس جگہ سے استعفا دیا تو نوجوان ارل اس کا جانشین ہوا؎ محکمۂ تجارت کا صدر ہوکر لارڈ ڈلہاؤزی کو ۱۸۴۵-۴۶ء میں ریلوں کے متعلق عام جنون کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس نے وزیر اعظم کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آمد ورفت کے اس نئے وسیلے کو قومی مسئلہ قرار دیا جائے اور اس کو سلطنت کے براہ راست اور زیادہ اختیار میں کرلیا جائے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کے مداح اس کیلئے اس امر کے مدعی ہیں کہ اگر اس کی یہ تجاویز منظور کرلی جاتیں اور ریلوں کی ترقی وانتظام عوام کے ہاتھ میں نہ دیا جاتا تو انگلستان ان خطرات سے بچ جاتا جو ریلوں کے باعث

[1] تفصیل کے لئے دیکھو "دی فرینڈ آف انڈیا" ۳۱ جنوری ۱۸۶۱ء

ہمہ گیر بربادی کا باعث ہوئے۔ کیونکہ ریلوں کی تکمیل میں عوام کے باہمی تجارتی مقابلے کا نتیجہ فوراً ہی اس بربادی کی صورت میں نمودار ہوگیا۔ اور اس سوال کا تو کوئی ذکر ہی نہیں کہ یہ مسئلہ بعد ازاں انگریزی تجارت کے لئے بیحد آسانیاں پیدا کردیتا۔ غالباً سر رابرٹ پیل کے پاس اس امر کے یقین کرنے کی معقول وجوہ ہونگی کہ اس زمانے میں ریلوں کے سوال کو سرکاری قرار دیئے جانے کی تجویز کو پارلیمنٹ میں منظور نہیں کیا جائیگا۔

یہی باعث تھا کہ لارڈ ڈلہاؤزی کی یہ تجویز صرف تجویز ہی کی صورت میں رہی اور آخرکار اس کو ہندوستان میں خود اس پر عمل درآمد کرنا نصیب ہوا۔ کیپٹن ٹروٹر لکھتا ہے کہ علاوہ اور امور کے ایک شرط اس امر کے متعلق یہ تھی کہ کسی نئی ریلوے کی اجرائی کی منظوری نہیں دیجائیگی تاوقتیکہ رفاہ عام کی کوئی صریح وجہ نہ بیان کردیجائے خواہ وہ تجارتی ہو یا فوجی۔ جس بنیاد پر ہندوستانی ریلوں کا سلسلہ جو خالصاً ڈلہاؤزی کا آفریدہ تھا بلا کسی خطرے یا رکاوٹ کے رفتہ رفتہ استحکام کے ساتھ قائم ہوگیا۔ اس کی عمدگی کا اظہار اس سے بہتر کسی فقرے سے نہیں ہوسکتا۔

چونکہ ریلوں کی تکمیل کے متعلق اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا گیا اس لئے تجارت کے نوجوان صدر نے انہی ذرائع سے جو اس کے ہاتھ میں تھے فائدہ اٹھانیکا ارادہ کیا۔ ہر ایک نئی لائن کی منظوری سے پیشتر اس کا معائنہ کیا جاتا تھا۔ علاوہ بہت سی غیر ملکی تجاویز کے جو اپنے سرمائے کے زور پر انگریزی منڈی میں آئی تھیں چندہی ماہ میں ریلوے لائنوں کی تعداد ۳۳۲ تک پہنچ گئی جس کا مطلب ۲۷ کروڑ ۵ لاکھ کا خرچہ تھا۔ درخواستیں لئے جانے کے لئے جب سال کا آخری دن آیا تو ۶۰۰ سے زاید تجاویز اس کی میز پر رکھی گئی تھیں۔

لارڈ ڈلہاؤزی اس بڑے انبار کی طرف ایسی جانفشانی سے متوجہ ہوا جس سے اس کے ماتحت اور ساتھ کام کرنے والے نہ صرف حیران رہ گئے بلکہ تھک بھی گئے۔ لیکن سوائے سخت بیماری کے کوئی چیز اس کی جانفشانی کو نہیں روک سکتی تھی۔ اُس زمانے میں اس کی سخت ترین محنت نے آئندہ کے لئے سخت اذیت دہ بیماری کی بنیاد ڈالدی۔ مگر اس اضمحلال کے باوجود وہ اپنے کام کو

چمٹا رہا۔ تمام دن میز پر کام کرتا تھا اور رات کو دار الامرا میں نہایت جوش و ذہانت سے اپنے سردار کی حمایت میں مصروف رہتا تھا۔ ڈاکٹر جارج اسمتھ کا بیان ہے کہ برطانیہ کلاں اپنی ریلوں کے سلسلے کیلئے اس سے زیادہ کسی شخص کی مرہون منت نہیں ہے۔ چارلس گریول نے مئی ۱۸۴۶ء کے سخت اور نازک مباحثے کے سلسلے میں لکھا تھا کہ " یہ شخص بہت زبردست لیڈر بنے گا کیونکہ وہ نہایت ہر دلعزیز اور ہر ایک کو خوش کرنے والا ہے۔ اس کی شہرت کا دامن بے داغ ہے۔ اس کو کسی امر میں نہ معذرت کرنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی بات پر پچھتانے کی۔ وہ کاروبار میں ید طولیٰ رکھتا ہے اور مقرر بھی اچھا ہے "

آئندہ ماہ میں سر رابرٹ پیل نے استعفا دیا لیکن اس سے پیشتر اس نے لارڈ ڈلہاؤزی کی خدمات کے متعلق اپنی رائے کے اظہار کے طور پر اسکو اسکاٹلینڈ میں لارڈ کلرک رجسٹرار کے عہدے پر مقرر کر دیا۔ ڈلہاؤزی جاگیر سے اس کو ۵۰۰۰ پونڈ سالانہ سے زیادہ وصول نہیں ہوتا تھا (کیونکہ اس کی والدہ کول اسٹون کی جائداد جو اس کے ورثے میں آئی تھی قرض وغیرہ میں دبی ہوئی تھی) اس لئے ۱۲۰۰ پونڈ کی یہ رقم اس کیلئے دو لحاظ سے قابل قدر تھی اول تو یہ اس کے سردار کی طرف سے بطور دوستانہ عطئے کے تھی اور پھر اس کی آمدنی میں بھی معقول اضافہ کرتی تھی جب جون ۱۸۴۶ء میں سر رابرٹ پیل اپنے عہدے سے دست بردار ہوا اور لارڈ جان رسل نے نوجوان ارل کو نئی وزارت میں کسی عہدے کے قبول کرنے کے لئے مجبور کرنا چاہا تو لارڈ ڈلہاؤزی نے انکار کر دیا مگر لارڈ جان رسل جانتا تھا کہ یہ شخص ہر وزارت کے لئے قابل قدر ہے اور آئندہ سال ۱۸۴۷ء میں اس نے ہندوستان کی گورنر جنرلی کے عہدے کے لئے اس کو مجبور کیا ایک نوعمر امیر کو جس کی عمر صرف ۳۵ سال کی تھی ایسے عہدہ جلیلہ کا پیش کیا جانا اُس قدر و منزلت کی بہترین شہادت ہے جو نہ صرف اس کے اپنے فریق کے دل میں تھی بلکہ جوان انگریز مدبرین کی انصاف پسند طبیعتوں میں بھی تھی جو اس کے اصولوں کے مخالف تھے لیکن لارڈ ڈلہاؤزی نے اس عزت کو اس وقت تک قبول نہ کیا جب تک کہ اس کے سابق قدامت پسند سردار نے گرم جوشی کے ساتھ اس پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر دیا اور نئے

دیکہ وزیر نے اس امر کا فراخدلی کے ساتھ یقین نہ دلایا کہ اس کے ایسا کرنے سے نہ تو وطن میں اسکی سیاسی آرا پر کوئی اثر پڑیگا اور نہ اس کے سابق دوستوں کے ساتھ باہمی تعلقات پر۔ مگر نوجوان ارل نے ہندوستان کی گورنر جنرلی کے لئے اپنے انتخاب کو اس امر کا اظہار افسوس کئے بغیر نہیں قبول کیا کہ اس کو پارلیمنٹ کی شاندار زندگی سے جس کا راستہ اس کے واسطے کھل گیا تھا دست بردار ہونا پڑتا ہے اور جہاں اس کے واسطے انگلستان کا وزیر اعظم ہوجانا بھی ممکن تھا۔ اب صرف اس کو ہندوستان کی گورنر جنرلی کا تیقن ہے۔

لارڈ ڈلہاؤزی مع لیڈی ڈلہاؤزی اور ایک شاندار اسٹاف کے جس میں اس کا قابل پرائیوٹ سکریٹری مسٹر کورٹنی بھی شامل تھا ۱۲ر جنوری ۱۸۴۸ء کو کلکتے پہنچا۔ آنریبل فرنسس فین (بعد ازاں ارل آف ویسٹ مورلینڈ) اور ڈیوک آف ویلنگٹن کا ایک نوعمر رشتہ دار اس کے مصاحبین میں تھے ہندوستان کی ملازمت کی سزا اسے یہاں سے پہنچنے سے پیشتر ہی ملنی شروع ہوگئی تھی یعنی اسے اپنی دو خورد سالہ لڑکیوں کو انگلستان میں چھوڑ کر آنا پڑا تھا اپنے جگر کے ٹکڑوں سے مفارقت کا یہ صدمہ ہندوستان میں شاندار سے شاندار کامیابیوں کی خوشیوں کو خاک میں ملا دیتا ہے مگر اس کی تقدیر میں یہ سزا پوری طرح بھگتنی لکھی تھی اس کی آمد کے وقت ہندوستان کی جو کچھ حالت تھی اس کا ذکر میں آئندہ کرونگا کیونکہ یہاں کے حالات نے جو کچھ نازک صورت خود بخود اختیار کر لی تھی وہ اس کی تمام عہد حکومت کا دیباچہ ہے اس اثنا میں اگر ہم ان ابتدائی سطور میں صاف طور پر یہ ظاہر کردیں کہ بلحاظ اپنے آٹھ سالہ حکومت ہند کے لارڈ ڈلہاؤزی اپنے ہم عصروں اور ہم مرتبہ لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی تھا تو بیجا طوالت سے محفوظ رہینگے۔

وہ پستہ قامت مگر بڑے سر والا تھا اس کی نگاہ نہایت تیز اور وضع متکبرانہ تھی اس "قلیل القامت آدمی" سے ملتے ہی پہلے تو ہر شخص مرعوب ہوجاتا تھا بعد ازاں اس پر اعتماد کرنے لگتا تھا اور آخر کار اس کا ایسا پرجوش مداح بن جاتا جس میں آقا کی محبت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہوتی تھی۔ ہندوستان کے گورنر جنرلوں کی طویل فہرست میں صرف وہ ہی ایک ایسا شخص تھا جس کے حقیقی اور دائمی مداح ہندوستان کے سول اور فوجی سردو فریق اور نیز برطانیہ کی غیر سرکاری پبلک تھی کیونکہ ان ۸ سال کے دوران میں

صبر آزما واقعات اور رنج وراحت مملو تھے اس نے ہمارے اہل وطن مقیم ہندوستان کے روبرو اوصاف حمیدہ کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا نمونہ کیا بلکہ میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اُس نے اپنے آپ کو اُن اعلیٰ محاسن کا دیوتا بنا کر دکھا دیا جن کو ہم دور افتادہ ممالک میں انگریزوں کے نام کے ساتھ منسوب دیکھنے کے شائق ہیں "

اس کی زبردست شخصیت کے باعث دشمن تو اس کی زندگی ہی میں پیدا ہو گئے تھے لیکن دیسی ریاستوں کے ساتھ اس کے نئے طرز سیاست نے اعتراض و خصومت کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ ہم اس کے طویل دوران حکومت میں اس کے ذاتی رعب وداب اور شرافت نفس کے سامنے دشمنی دم بخود رہی اور اس کی عظیم الشان کامیابیوں کے آگے نکتہ چینیاں رفتہ رفتہ بالکل معدوم ہو گئیں اور اس وسیع برّاعظم میں ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک سب کو اس امر کا یقین واثق ہو گیا کہ حقیقۃً ہندوستان میں سلطان الخلائق صرف ایک ہی شخص تھا جس کا نام ڈلہاؤزی ہے "

اس کی بابت الگزنڈر گرانٹ سے بہتر کسی کو علم نہیں ہو سکتا جو اس کا پرائیوٹ مہر بان اور سرزدوست تھا وہ لکھتا ہے کہ " جو لوگ اس سے نہایت اخلاص رکھتے تھے وہ اسکی قابلیت اور دانائی پر تقریباً پرستش کے درجے تک مٹے ہوئے تھے۔ سر جیمز اوٹرام نے مجھ سے کہا کہ ڈیوک آف ویلنگٹن۔ سر رابرٹ پیل اور انگلستان کے دیگر ممتاز مدبرین سے میری راہ ورسم رہی ہے لیکن میں کبھی اس قدر مرعوب نہیں ہوا اور نہ کبھی اپنی نگاہوں میں اس قدر ہیچ معلوم ہوا جیسا کہ لارڈ ڈلہاؤزی سے ملاقاتوں کے وقت حالانکہ وہ مجھ سے بہ مہربانی پیش آتا تھا" یہ حالت تھی باوجود کوتاہ قامتی کے اور باوجودیکہ لارڈ ڈلہاؤزی پختہ کار سپاہیوں اور مدبرین سلطنت سے عمر میں چھوٹا تھا مگر وہ اپنے احکام کے آگے ہر ایک کا سر خم کرا لیا کرتا تھا ذیل میں ہم ڈلہاؤزی کی جودت کا وہ خاکہ پیش کرتے ہیں جو کپتان ٹراٹر کا نوشتہ اور بظاہر اُس مراسلت پر مبنی ہے جو ٹراٹر اور ڈاکٹر گرانٹ کے درمیان ہوئی نیز یہ خاکہ اُس موقع سے تعلق رکھتا ہے جبکہ ڈلہاؤزی اوائے فرائض کے لئے پہلے پہل کلکتے میں وارد ہوا تھا ٹراٹر کا بیان ہے :-

" وہ اپنی اصلی عمر سے بھی کم سن معلوم ہوتا تھا اس کی چال بہادرانہ تھی دبلے پتلے مگر گٹھیلے جسم کو شاندار خوبصورت اور بڑا اسا سر زینت دے رہا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی

چمکدار آسمانی رنگ کی تھیں۔ جن سے ذکاوت ذہانت اور دیانت ٹپکتی تھی۔ مزاج کی سادگی میں حکیمانہ انداز کی آمیزش صرف ادب ہی نہیں بلکہ رعب کی بھی متقاضی تھی اس کی پیشانی کشادہ اور بلند تھی۔ ناک قدرے خمیدہ اور نتھنے باریک اور خوبصورت تھے۔ دہانہ موزوں اور معنی خیز پتلے پتلے نرم لب جو خیال اور جذبات کی تعمیل میں فوراً جنبش میں آجاتے تھے ابھی کسی تکلیف یا پریشانی کے باعث سکڑ گئے ہیں تو ابھی پھر فوراً اُس کے مزاج کی کامل لطافت یا انتہائی ظرافت کا اظہار کر رہے ہیں ان تمام باتوں کے ساتھ اس کی صاف شیریں اور پر نغمہ آواز کا اور اضافہ کرنا چاہئے جس کے باعث مخاطب کامل طور پر اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

ایک [illegible] دوست کے قلم کی یہ صحیح تصویر اُس روشن دماغ نوجوان مدبّر کی ہے جس نے [illegible] ہندوستان پر حکومت کرنے کا بارِ عظیم اُٹھایا۔ صرف آٹھ ہی سال کے [illegible] کے سبب کہ وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوا (افسوس کہ وہ اپنی [illegible] حالت سے کس قدر بدل گیا تھا) ہم اس کو نہایت ہی خستہ حال یا شکستہ ضعیف العمر آدمی پاتے ہیں جو اُس دریا کے کنارے لڑکھڑاتا ہوا ملتا ہے جہاں سے [illegible] نہایت اُستواری سے قدم رکھتا ہوا آیا تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ میں اپنی موت اپنے ساتھ ساتھ لئے پھر رہا ہوں اُس کے مسلسل کاموں کا ذکر کرتے وقت میں ان تکالیف کا بہت کم ذکر کرونگا جو اُن کاموں کی وجہ سے اس کے دماغ اور جسم کو پہنچیں۔ وہ خود بھی ان تکالیف کو فراموش رکھتا تھا اور اسی کا خواہشمند تھا مگر اس غرض سے کہ ہم اس کی شخصیت کو بخوبی سمجھ سکیں یہ ضروری ہے کہ نوعمری کی وہ شاندار چستی اور چالاکی جس کو وہ ہندوستان میں اپنے ساتھ لیکر آیا ہر وقت ذہن میں موجود رہے اور نیز اس تباہی کو جو ہندوستان میں اس پر نازل ہوئی۔

اس کے معاونین اور ماتحتوں کو فوراً معلوم ہو گیا کہ گورنمنٹ میں ایک نئی اور زبردست روح برسرِ کار ہے۔ آئندہ آٹھ سال کے زمانے کے لئے مثلاً صرف ایک دن بھر کے کام کا ذکر کرنا کفایت کریگا۔ وہ تقریباً چھ بجے اُٹھتا تھا اور صبح کے کام کی ابتدا انجیل کے ایک باب کے خاموش مطالعے سے شروع کرکے شام کے وقت کو بھی اسی مطالعے پر ختم کرتا تھا۔ چھ بجے سے آٹھ بجے تک وہ اپنے دفتر کی ضرورتوں پر

متوجہ ہوتا تھا۔ آٹھ بجے وہ ناشتہ کرتا تھا اور ساتھ کے ساتھ ہندوستانی اخبارات پر بھی جو اس کی میز پر پڑے ہوتے تھے نگاہ ڈالتا جاتا تھا۔ کیپٹن ٹروٹر لکھتا ہے کہ ”ساڑھے نو بجے وہ اپنی میز پر جا بیٹھتا تھا جہاں سے وہ شام کے ساڑھے پانچ بجے سے پیشتر ہرگز نہ اُٹھتا تھا یہاں تک کہ کھانا بھی وہیں بیٹھے بیٹھے کھا لیتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ ایک شخص کے لئے آٹھ گھنٹے کی لگاتار دماغی محنت کافی ہے اور وہ عموماً اس قاعدے کی پابندی کرتا تھا۔ وہ ہر ایک معاملے میں اور خاصکر کھانے وغیرہ کے متعلق سادہ مذاق رکھتا تھا۔ مخصوص دعوتوں میں جانا پسند کرتا تھا اور کم کھاتا اور کم پیتا تھا۔“ وہ ان بڑی بڑی ضیافتوں کو ناپسند کرتا تھا جو ایک وائسرائے کے لئے دائمی عذاب کی صورت ہوتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ایسے اعلیٰ پیمانے پر مدارات کرتا تھا جو اس کے عہدۂ جلیلہ کے شایاں تھی خوش طبعی اور مہمان نوازی میں گزاری ہوئی رات کی پاداش دوسرے دن اسے بے آرامی اور بے چینی کی صورت میں ادا کرنی پڑتی تھی جب کہ وہ حسب معمول اپنی محنت کی طرف طبیعت کو زبردستی رجوع کر کے مصروف ہوا کرتا تھا۔“

اس کے روزمرہ کے کام میں کوئی چیز حتیٰ کہ ماندگی گرمی یا ہندوستانی سفر کی تکان بھی حارج نہ ہو سکتی تھی وہ اپنے سبزہ رنگ خوبصورت عربی النسل گھوڑے مہاراجہ نامی پر سفر کیا کرتا تھا۔ اس کا سواری کا لباس نہایت سادہ یعنی ایک دیسی پٹو کا بنا ہوا ہوتا تھا اور اس کا سر سرکنڈے کے گودے کی ایک سفید ہیٹ اور پگڑی سے نہایت اچھی طرح محفوظ رہتا تھا۔ دورہ میں یا گورنمنٹ ہاؤس میں ہر دو جگہ وہ اپنے معین اوقات میں اپنا قلم ہاتھ میں لئے ہوئے ملتا تھا اس کے کاغذات اس کے آگے ہوتے تھے اور اس کے ہر دو جانب اس کے مراسلات کی طبلقوں کے انبار لگے ہوئے ہوتے تھے۔ اس کا خاص سرجن ڈاکٹر گرانٹ لکھتا ہے کہ ”ہر ایک دیکھنے والے کو وہ اپنے کام پر مٹا ہوا معلوم ہوتا تھا اور افسردہ کرنے والی آب و ہوا میں بھی دماغی محنت جس کا وہ شائق تھا بجائے کاہلی کے اس کو آرام پہنچاتی تھی۔ کیونکہ فرائض منصبی اس کے لئے نہ صرف سہل بلکہ خوشی کا باعث تھے۔ وہ دل و جان سے تفصیلوں کی تہ تک پہنچتا تھا اور خشک ترین مضمون کو دلچسپ بنا دیتا تھا۔“ ”اس کی انتظامی قابلیت ایسے انتہائی درجے کو پہنچی ہوئی تھی کہ بقول سر رچرڈ ٹیمپل ہر وہ شخص جس کو کسی معاملے میں اس سے واسطہ پڑتا تھا

اس کے ساتھ مکاتے کو ایک دلچسپ مشغلہ تصور کرتا تھا معاملہ جس قدر مشکل ہوتا تصفیہ اسی قدر اطمینان بخش ہوتا تھا۔

چند مشہور واقعات سے پتہ لگ سکتا ہے کہ وہ ذرا ذراسی بات کی کس قدر کامل جانچ پڑتال کرتا تھا۔ حکومتِ ہند کا محکمہ خارجہ عموماً گورنر جنرل کے تحت میں براہِ راست ہوتا ہے۔ ہندوستان کی موجودہ سرکاری اصطلاحات کی رو سے وائسرائے خود ہی اپنا وزیر خارجہ بھی ہوتا ہے یعنی دیگر محکمہ جات کی مانند کوئی انتظامی مجلس رکن اس محکمے میں اس کا ہاتھ بٹانے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست تمام کام کو معتمد امور خارجہ کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کے زمانے میں محکمۂ خارجہ بہت بڑا تھا اور اس میں گورنمنٹ کی ہر ایک شاخ سے بہت زیادہ کام تھا کیونکہ اس شعبۂ حکومت کے ذمے نہ صرف اُن خود مختار ممالک کے تعلقات کی نگرانی تھی جن کو لارڈ ڈلہاؤزی نے فتح کر لیا تھا بلکہ ان بے شمار دیسی ریاستوں کے تعلقات بھی جن پر لارڈ ڈلہاؤزی کا تسلط یا اقتدار قائم ہو چکا تھا اسی محکمے کے ذمے تھے۔ کسی مہم کی تجویز سے لشکر کے لئے جھونپڑیوں اور پانی کے فلٹروں تک ہر ایک انتظام یا کسی معاہدے کے الفاظ سے لگا کر کسی دربار کی معمولی معمولی رسوم تک ہر ایک بات کو وہ نہایت غور کے ساتھ اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا اور خود اپنے قلم سے آخری احکام جاری کیا کرتا تھا۔

صرف تحریر کا جس قدر کام لارڈ ڈلہاؤزی کیا کرتا تھا اب اتنا کام ہندوستان کے کسی وائسرائے کے لئے ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ ڈاک کے دنوں میں اس کے تیز قلم اور باریک خط کے تختے کے تختے پرائیوٹ سکرٹری کے کمرے میں متواتر اس قدر جلدی جلدی چلے آتے تھے کہ اُس مشاق نقل نویس کو سخت دقت ہوتی تھی۔ اسکے روزمرہ کے کام کے متعلق ایک دفعہ محکمۂ امور خارجہ کے چیف کلرک نے کہا تھا کہ اگر لارڈ ڈلہاؤزی کو صفحوں کے حساب سے اجرت ملتی تو وہ معقول رقم کما لیتا۔ اس کا قابل سکرٹری امور خارجہ سر ہنری الیٹ تھا جس کو اس زمانے کی بنگال سول سروس کی روحِ رواں کہنا چاہئے اس کا کام خود گورنر جنرل ہی اتنا کر دیتا تھا کہ ان آٹھ جلدوں کیلئے جواب ہمیشہ کے واسطے اس کی یادگار رہیں مصالحہ جمع کرنے کے لئے اس کو کافی وقت مل جاتا تھا اور وہ مسکرا کر کہا کرتا تھا کہ سکرٹری امور خارجہ کی حیثیت میں سب سے بہت سا وقت اپنے

تاریخی مطالعے کے لئے مل جاتا تھا"۔

گورنمنٹ کے ہر دیگر محکمے میں لارڈ ڈلہاؤزی کا کام اسی جانفشانی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس کی زبردست شخصیت کے اثر سے ممتاز تھا۔ جب لارڈ ڈلہاؤزی نے عدالتوں کے لئے از سر نو قوانین مرتب کئے تو چیف جسٹس نے کہا کہ وہ استاد ہے اور ہم اس کے ماتحت چھوٹے بچوں کے مانند ہیں"۔

نہ صرف ان اختیارات کے باعث جو اس کو حاصل تھے بلکہ بلحاظ اُس بے حد جانفشانی کے جو وہ ہر ایک معاملے کی تہ تک پہنچنے میں اُٹھاتا تھا یا ان درست احکام کی وجہ سے جو وہ ان کی بابت جاری کیا کرتا تھا لارڈ ڈلہاؤزی اس امر کا دعویٰ کر سکتا تھا کہ اس کے احکام کی تعمیل بدرجۂ اتم کی جائے۔ وہ تعمیل احکام میں بددلی سے مطمئن نہ ہوتا تھا۔ سر رچرڈ ٹیمپل نے لکھا ہے کہ "۱جن موقعوں پر اس کو اپنی حکومت وسطوت کے اظہار کا حق حاصل تھا وہ اپنے احکام کی حمایت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا تھا اور جب کبھی اس کو اشتعال دیا جاتا تھا جس پر وہ بجا طور سے ناخوش ہوتو اپنی ناراضگی سے خوف زدہ کرنے کی اس کو خاص خداداد قابلیت حاصل تھی"۔

جس طرح لارڈ ڈلہاؤزی اپنے ماتحتوں کو فرماں برداری پر مجبور کرتا تھا اسی طرح وہ خود بھی ان لوگوں کا مطیع رہتا تھا جن کے تحت میں وہ خود تھا۔ متذکرہ بالا کتاب میں سر رچرڈ ٹیمپل نے لکھا ہے کہ "مجلس نظما کے ساتھ جس کا میں نہایت ممنون ہوں اس کا برتاؤ ہمیشہ شائستہ اور مودبانہ رہتا تھا اور وہ جس طرح متواتر اس کی امداد کرتے رہے تھے اس کا بظاہر وہ شکر گزار تھا۔ مجلس نظما جیسی محتاط جماعت کے اعتماد کا آخر تک قائم رہنا لارڈ ڈلہاؤزی اس کی نسبت باوجودیکہ وہ نہایت کامیاب حکمران تھا۔ کے تدبر و فراست پر دلالت کرتا ہے"۔

وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ نہایت احتیاط سے خوش اخلاقی برتتا تھا اور چونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اس کے الفاظ میں رنج پہنچانے کی کس قدر قوت ہے اس لئے وہ شاذونادر ہی

---

۱ کتاب موسومہ "ہندوستان میں میرے زمانے کے لوگ اور واقعات" مصنفہ سر رچرڈ ٹیمپل صفحہ ۱۲۴۔ ایڈیشن ۱۸۸۲ء

کسی کو کسی موقع پر اس کے منہ در منہ لعنت و ملامت کرتا تھا۔ وہ اپنی زجر و توبیخ کو تحریر تک ہی محدود رکھتا تھا تاکہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھ کر اس کے الفاظ کو نرم و ملائم کر سکے۔ باوجودیکہ اس طریقے سے تشنیعات کا زور بظاہر بہت کچھ گھٹ جاتا تھا مگر چونکہ وہ لارڈ ڈلہاؤزی کی طرف سے ہوتی تھیں اس لئے بڑی تنک کاٹ کرتی تھیں۔ اپنے ہر ایک فرض کی انجام دہی میں وہ خود جس قدر دیانت دار تھا اوروں سے بھی اسی قدر دیانت داری کا خواہاں تھا سر رچرڈ ٹیمپل نے لکھا ہے کہ "جو لوگ اس کی وفاداری کے ساتھ خدمت کرتے تھے وہ اس پر بطور دوست کے بھروسہ رکھتے تھے لیکن وہ بھی اس کے رعب سے بے اثر نہ تھے"۔[1]

مگر ایسے بھی لوگ تھے جو نہ صرف اس کی وفادارانہ خدمت کرتے اور اس پر دوست کی حیثیت سے اعتماد کرتے تھے بلکہ وہ اس کی خاطر نہایت تندہی سے محنت کرتے تھے اور اس کی زندگی میں یا بعد انتقال بھی اس سے دلی محبت رکھتے تھے۔ اس کی محبت کا صلہ جس شکر گزاری اور دردمندی کے ساتھ اس کی طرف سے ملتا تھا اس کے متعلق سیکڑوں روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کسی قابلِ اعتماد ماتحت کی بیماری پر لارڈ ڈلہاؤزی خود اپنی ذاتی تکلیف سے زیادہ دردمند ہو جاتا تھا اور کسی قابلِ قدر افسر کی موت اس سخت گیر آقا کو رُلا دیا کرتی تھی۔ جو خط کرنل لارنس کی بیوی کے سکھوں کی جنگ کے دوران میں گرفتاری کے بعد رہائی کے موقع پر اس نے لکھا تھا انگریزی زبان میں اس سے زیادہ بامروت اور دلیرانہ ہمدردی کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ یا جن الفاظ سے اس نے جان لارنس کی علالت پر اس کی تسلی و تشفی کی ہے کسی شخص کے دل میں خود اس کی اپنی توقیر بڑھانے والے ان سے بہتر الفاظ نہیں مل سکتے۔ چونکہ آگے چل کر میں نہایت صاف طور پر بتاؤنگا کہ لارڈ ڈلہاؤزی اور لارنس خاندان کے اراکین کے تعلقات کیسے کشیدہ تھے اور اس کی سخت گیری نے جو کچھ ناگوار برتاؤ اس مشہور و معروف گھرانے کے افراد کی خودسر طبیعتوں کے ساتھ کیا ہیں اس کا اخفا بھی نہیں کرونگا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہر دو خطوط کو یہاں نقل کر دوں۔ یہ دونوں خط اسس امر کو بخوبی روشن کر دینگے۔

[1] کتاب موسومہ "ہندوستان میں میرے زمانے کے لوگ اور واقعات"، صفحہ ۱۲۴۔ ایڈیشن ۱۸۸۲ء۔

جن لوگوں کو وہ نہایت زبردستی کے ساتھ قابو میں رکھتا تھا ان کی محبت کو کس طرح حاصل کر لیا کرتا تھا؟

جب افغانوں کے پاس سے کرنل لارنس کی بیوی کو رہائی ملی تو اس نے ۱۸۴۲ء میں لکھا:-

معزز خاتون -

چونکہ مجھے آپ سے اس جگہ ملاقات کی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے میں یقین کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس بات کی اجازت دینگی کہ آپ اپنے خاندان اور ان لوگوں کے پاس جو عرصے سے نہایت دردآمیز لگاؤ کے ساتھ آپ کے انجام کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے تھے واپس آجانے پر قلبی مبارکباد دوں -

آپ کے احباب کی مہربانی کے باعث مجھے اس زمانے کے بہت سے خطوط کو دیکھنے کا موقعہ ملا ہے جو آپ نے کسی سرکاری نگاہوں کیلئے ہرگز نہ لکھے تھے اور میرے خیال میں آپ اس امر کے اظہار کو میری جانب سے حد سے زاید بے تکلفی پر محمول نہ کرینگی کیونکہ میں آپ کی ناراضگی کے خوف کے باوجود بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان خطوط کے پڑھنے سے مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ اس طویل زمانے کی گرفتاری میں آپ نے دل کو کس قدر مضبوط رکھا کس قدر خندہ پیشانی سے آپ اس کو جھیلتی رہیں اور کس قدر استقلال کے ساتھ بلا شکوہ و شکایت آپ نے سب کچھ برداشت کیا اور اسی وجہ سے میرے دل میں آپ کے اخلاق کی توقیر اور اطوار کی توصیف اس قدر زیادہ ہو گئی ہے کہ اگر میں اس کا پوری طرح اظہار کر سکوں تو غالباً آپ مجھ پر خوشامد کا شبہ کرینگی مجھے امید ہے کہ گذشتہ ایام سے زیادہ امن و آرام کے زمانے میں اور پشاور سے کسی زیادہ خوشگوار مقام پر مجھے آپ سے ملاقات کی عزت حاصل ہوگی -

میں ہوں

ڈلہاؤزی

جب ۱۸۵۰؁ء [1] میں جان لارنس سخت بخار میں مبتلا ہوا تو لارڈ ڈلہاؤزی نے مفصلہ ذیل

۱؎ میں نے یہ چٹھی کتاب موسومہ "لارڈ ڈلہاؤزی کے حالات زندگی" مصنفہ بوسورتھ اسمتھ۔ جلد اول صفحہ ۲۱۳- ایڈیشن ۱۸۸۵ء سے نقل کی ہے لارڈ ڈلہاؤزی کی خصلتوں کو بحیثیت اس کے پرائیوٹ تعلقات اور اسکی پبلک پالیسی کے سمجھنے کے لئے اس باب کے علاوہ اور دیگر ابواب کے واسطے بھی واقفیت حاصل کرنیکے باعث میں اس کتاب کا نہایت ممنون احسان ہوں -

خط لکھا۔

"جب سے مجھے آپ کی بیماری کا علم ہوا ہے میں نے آپ کو کوئی خط لکھکر تکلیف نہیں دی۔ مجھے یہ لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ آپ کی سخت بیماری اور تکلیف کا حال سنکر مجھے کس قدر رنج ہے اور میں نہایت شوق سے اس خبر کا منتظر ہوں کہ دوران سفر میں آپکی حالت رو بصحت ہو گئی ہے مگر میں یہ سننا پسند نہیں کرتا کہ آپ نے بیوقوفی سے پیش از وقت اپنے فرائض منصبی کو شروع کر کے اپنی رو بصحت حالت کو خطرے میں ڈالدیا ہے۔ مجھے اس امر کا خیال ڈرا رہا ہے کہ آپ کار منصبی کو چھوڑ کر کچھ عرصے کیلئے وطن جانے پر مجبور ہوں اور جس قدر التجا کے ساتھ میں کسی سے اپنے سیدھے ہاتھ کے بچا دیئے جانے کے لئے کہتا اسی قدر التجا سے میں آپ سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ آپ کچھ عرصے کے لئے تکلیف سے بچیں۔ خدا جانتا ہے کہ آپ دونوں صاحب ایک تیسرے کے لئے کافی محنت سے کام کرتے رہے ہیں اب دیگر ہر دو صاحبوں کو آپ کی بجائے کام کرنا چاہئے۔ مصروفیت کی خاطر آپ کچھ کام کرتے رہیں تو مضائقہ نہیں مگر نہ اتنا کہ وہ طبیعت پر بار ہو"۔

لارڈ ڈلہاؤزی کا اظہار ہمدردی صرف بیماروں تک ہی محدود نہ رہتا تھا بلکہ تمام افسر جو براہ راست اس سے تعلق رکھتے تھے وہ سب جانتے تھے کہ یہ زبردست "پستہ قد شخص" ان کی زندگی کے ہر ایک واقعے کی طرف نگاہ رکھتا ہے اور ان میں اس قدر دلچسپی لیتا ہے کہ اہم سے اہم سرکاری تفکرات بھی اس کو اس طرف سے غافل نہیں کر سکتے ہیں اس موقع پر ایک اور چھوٹے سے خط کو نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو میجر جنرل ٹیلر کو ۱۸۵۲ء میں افسر موصوف کے رخصت لیکر انگلستان جانے کے موقعے پر برہما کی لڑائی کے باعث سخت مصروفیت کے باوجود اس نے لکھا تھا "میرے پیارے ٹیلر۔ برسر حکومت لوگوں کی محنت اور تفکرات کو کسی قدر قابل برداشت بنانے والی چند باتوں میں سے ایک وہ اختیارات بھی ہیں جن کے ذریعے وہ آپ جیسے لوگوں کی ہمت افزائی اور خدمات کا صلہ دے سکتے ہیں۔ میں نے نہایت اطمینان کے ساتھ آپ کی ترقی کو دیکھا ہے اور مجھے امید ہے کہ آئندہ آپ کو ایسے موقعے ملتے رہیں گے جو آپ کو ممتاز مرتبے تک پہنچا دینگے جس کے حاصل کرنے کی آپ میں قابلیت ہے۔"

الوداع - میرے پیارے ٹیلر -
تمہارا دائمی ہوا خواہ ڈلہاؤزی ''

مندرجہ بالا یاان کے مثل چٹھیاں جن جن لوگوں کو ملی تھیں ان کے خاندانوں میں نسلاً بعد نسلٍ موروثی ہوگئیں - ایسے بہترین ہمدردانہ جذبات اور راحت اور حقیقی گرمجوشی سے مملو الفاظ کے ذریعے لارڈ ڈلہاؤزی اپنے بڑے بڑے ناہیوں کی تمناؤں اور آرزوؤں کو اپنی خواہش اور تمنا بنا کر لوگوں کو تہ دل سے اپنا اطاعت گزار بنالیا کرتا تھا۔

مگر ان کی اطاعت گزاری کی بنیاد کو پائیدار بنانے کے لئے اس امر کا یقین موجود تھا کہ لارڈ ڈلہاوزی کو حکمرانی کا بہترین حق حاصل ہے اور یہ حق وہ تھا جو خود کام کر کے واقفیت حاصل کرنے سے اسے پہنچتا تھا - جس قدر واقفیت اس نے ہندوستان کے متعلق پیدا کی تھی وہ کسی گورنر جنرل کو آج تک میسر نہ ہوئی تھی - اس نے پنجاب کے نومفتوحہ ملک کو عمداً نہایت ہی معمولی درجے کی انتظامی جماعت یعنی ایک مجلس کے سپرد کردیا تھا کیونکہ اس کا منشا تھا کہ یہ بورڈ اس کی امداد کرنے میں دائیں ہاتھ کی مانند ہو اور وہ خود اس کے حق میں عقلمند رہنمائی بجائے ہو - اس کی کامیابی کی وجہ اس کی جانفشانی اور پنجاب کے سفر تھے - کئی ماہ تک اس نے پنجاب کے پہاڑی اضلاع میں سے ایک ضلع میں اس لئے قیام رکھا تاکہ ذاتی واقفیت حاصل ہو اور اپنی ذاتی واقفیت کا باعث تھا کہ جن اشخاص کو اس نے اپنی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے منتخب کیا تھا ان کی درشت طبائع کو پوری طرح قابو میں رکھنے کا اس کو یقین تھا۔

سرکاری تحریرات اور پرائیوٹ کاغذات میں جو کچھ حالات وہ تحریر کیا کرتا تھا ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانے میں وہ پنجاب میں دورے پر تھا اس کی تیز نگاہ سے کوئی ایسی بات جو انتظامی نکتۂ نظر سے ضروری تھی نہیں بچ سکی - خواہ وہ نظام و تقسیم اور رسد افواج کے متعلق ہوتی اور اس معاملے میں اس کی معلومات بڈھے تیز مزاج کمانڈر انچیف کی معلومات سے زیادہ صحیح ہوتی تھیں - یا پولیس کی ترتیب کے متعلق یا جیلخانوں کے انتظام - درختوں کے لگانے (ہندوستان کے محکمۂ جنگلات کی حقیقت میں یہیں سے آغاز ہوتا ہے) سڑکوں اور نہروں کی تجاویز کو وسیع پیمانے پر جاری کرنے - مدرسوں اور ہسپتالوں کے قیام کی تجاویز کرنے بے رحمانہ دستوروں کے موقوف کرنے اور شادیوں

اور ایسی رسوم کی اصلاح کے متعلق جو شمالی ہندوستان کی بچہ کشی کی جڑ تھیں۔ اس کے بعد مارچ ۱۸۵۰ء میں دریائے اٹک کے راستے سفر کرتا اور بمبئی۔ اسٹریٹس سیٹلمنٹ اور تناسرم کے گرد چکر لگاتا ہوا واپس کلکتے پہنچ گیا۔

چونکہ پنجاب کے متعلق اس کی مشہور نوشتہ روئداد نے اس صوبے کی بابت کثیر واقفیت پیدا کر دی ہے اس لئے میں صرف ان سفروں کو شمار کرنے پر اکتفا کرونگا جو برما کے نئے صوبجات اس کے زیر اقتدار لانے کا باعث ہوئے۔ ۱۸۵۲ء میں جنگ برما کے نازک زمانے میں وہ کلکتے سے موسمی ہواؤں کے باوجود جہاز میں بیٹھکر روانہ ہوا تاکہ ارادوی کی دلدلوں میں مقیم افواج کا معائنہ اور ان کی حوصلہ افزائی کرے۔ جو لوگ جانتے ہیں کہ رنگون کی اگست میں کیا [illegible] اور نیز خلیج بنگالہ کی اس مہینے میں کیا کیفیت ہوتی ہے وہ سمجھ لینگے کہ اس شخص [illegible] سفر کا کیا اثر پڑ سکتا ہے جو پہلے ہی آب و ہوا اور محنت کا مارا ہو۔ اور دائمی بخار میں مبتلا رہتا ہو لیکن اس کی ذاتی تکالیف خواہ کیسی ہی [illegible] تاہم اس [illegible] ضرور تھی کہ افواج کے لباس۔ جائے قیام اور خوراک [illegible] کرے جو ۱۸۲۵ء کی لارڈ ایمہرسٹ کے زمانۂ جنگ برما کی [illegible] سے ہزاروں برطانوی جانیں اس مہم کے دوران میں محفوظ رہیں۔

حملے سے [illegible] اور دسمبر ۱۸۵۲ء میں برما کے الحاق کے بعد لارڈ ڈلہاوزی نے آئندہ ماہ فروری میں اس غرض سے سفر کیا کہ وہاں حکومت کرنے کے بہترین ذرائع پر بطور خود غور و خوض کرے لیکن نو مفتوحہ صوبجات میں جانے کے بجائے اس نے برما کے ان علاقوں کا معائنہ کیا جو ۲۷ سال سے ہمارے زیر حکومت تھے۔ اراکان کے کنارے۔ بحری سفر کرتا ہوا اور بندرگاہوں اور نظم و نسق کے مرکزی مقامات کا ملاحظہ کرتا ہوا وہ چٹاگانگ سے اکیاب اور کیاک پھایو پہنچا۔ بہت سی مقامی ترقیات اور خصوصاً اراکان کی موجودہ عظیم تجارت اسی دورے کے زمانے کی یادگار ہیں۔ لیکن لارڈ ڈلہاوزی کے اس دورے سے جو بہترین نتائج پیدا ہوئے وہ ہمارے پرانے برمی علاقوں کی ترقیاں نہیں ہیں۔ برما میں برطانوی حکومت کے لئے جو مکمل نقشہ اُسے آئندہ موسم گرما میں تیار کرنا تھا اس کی تجاویز کا خاکہ ہمراہ لیتا ہوا وہ کلکتے واپس چلا آیا۔ ساحل کے اُس علٰحدہ قطعے کو جو ۱۸۲۶ء میں فتح ہوا تھا

اس نے کوہ یوما کے بیچ میں ایک فوجی سڑک کے ذریعے وادیٔ اراودی کے ساتھ ملاکر
آئندہ ضرورتوں کے لئے برطانوی طاقت کا خاص مرکزی مقام قرار دیا۔

اسی سال یعنی دسمبر سنہ ۱۸۵۳ء میں وہ پھر برہما کو روانہ ہوا مگر اس مرتبہ وہ اپنے
نومفتوحہ ممالک کے دارالسلطنت کی طرف جاتے وقت ایک نہایت تفحص آشنا
دستورالعمل حکومت بنا کر ساتھ لیتا گیا جس کو اس نے درمیانی وقفے میں مکمل کر لیا تھا۔ اس
مرتبہ اس نے ہمارے مقبوضہ علاقوں کی انتہائی حدود تک وادیٔ اراوادی کا کامل طور پر
معائنہ کیا۔ حدود برابر برابر سفر کرکے پھر ساحل کی طرف واپس آیا بسین کو دیکھا اور ایسے
نئے مقامات کی جستجو کرتا رہا جو تجارتی منڈیاں بننے کے قابل تھے۔

یہ دورہ سنہ ۱۸۵۴ء کی ابتدا میں ختم ہوا۔ اس کے بعد اس نے ڈیڑھ سال تک
اُس زبردست شخص کو اپنی تجاویز پر عملدرآمد کا موقعہ دیا جس کو برما کے متحدہ صوبوں کی حکومت
کے لئے اس نے منتخب کیا تھا۔ اس طرح اپنے تیار کئے ہوئے قواعد پر عملدرآمد کیلئے
وقت دینے کے بعد وہ سنہ ۱۸۵۵ء کے آخر میں اس کے نتائج کو بچشم خود ملاحظہ کرنے کے لئے
گیا۔ اس وقت جب کہ وہ اپنی سابقہ حالت کا بگڑا ہوا نقشہ رہ گیا تھا وہ پھر ایک مرتبہ
ہندوستان سے برما کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچکر اس نے نہ صرف تجارت کی اس بارونق منڈی کا
ملاحظہ کیا جو رنگون میں خود اس کی جانفشانی سے قائم ہوئی تھی بلکہ اس نے جزیرۂ نیگریس اور
اس نئے بندرگاہ کا معائنہ بھی کیا جو دریائے بسین کے دہانے کے قریب آباد ہوگیا
تھا اور جواب تک اسی کے نام سے معروف ہے۔ اگر کسی نومفتوحہ علاقے پر ذاتی محنت
کے لحاظ سے حکومت کرنے یا اپنے ماتحتوں پر تعمیل کے لئے احکام صادر کرنے کا حق
کسی فاتح کو حاصل ہو سکتا تھا تو وہ فاتح لارڈ ڈلہاوزی تھا۔

کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اس کی نگاہوں میں سلطنت کے افکار اور تمام
دنیاوی شان و شکوہ اور فتح و فاشعاری کی وقعت محض فرض منصبی کی ادائیگی سے زیادہ
باقی نہ رہی تھی۔ بربادی کے دَل بادل گزشتہ دو سال کے عرصے میں اس کے گرد نہایت
گھرے ہوئے تھے۔ مہلک بیماری کے باعث وہ جھک گیا اور لنگڑا ہوگیا تھا۔
تسکین و تشفی کے وہ سامان جو بیماریوں اور مصائب میں اس کے دل کو ڈھارس دیتے
رہے تھے ان سے وہ ایک ایک کرکے محروم کر دیا گیا تھا۔ سنہ ۱۸۵۲ء کے موسم بہار میں

لیڈی ڈلہاؤزی کی صحت کی خرابی نے اس کو خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے اور لنکا کی پہاڑی آب وہوا میں تندرستی کی تلاش پر مجبور کیا اس کے بعد کا سال لارڈ ڈلہاؤزی کی زندگی کا غمناک ترین سال تھا۔ پنجاب میں اس کا ایک معتمد ترین نائب کرنیل میکسن ایک افغان کے چھرے سے ہلاک ہوگیا اور لارڈ ڈلہاؤزی نے ایک عام حکم کے ذریعے اعلان کیا کہ اس کی موت کسی فتح کے موقع پر واقع ہوتی تو فتح کی ساری خوشی خاک میں مل جاتی۔ اس سے دو سال پیشتر اس کو اپنے عالی مرتبہ انگریزی چیف سر ابمٹ پیل کے اچانک حادثے پر ماتم کرنا پڑا تھا اور اس خبر نے اس سخت مزاج صاحبِ ضبط شخص کی آنکھوں سے آنسو بہا دیئے تھے۔ اب ۱۸۵۳ء میں سر ہنری الیٹ کی وفات کا نشتر برداشت کرنا پڑا جو ہندوستان میں اس کا داہنا ہاتھ تھا اس قابل ترین معتمد امور خارجہ اور دوستی کے لحاظ سے نہایت قابل اور خوش مزاج شخص تھا۔

لیکن اس سال جو تباہی لارڈ ڈلہاؤزی پر آئی اور جس نے اس کا دل پاش پاش کردیا وہ اس کے ایک عزیز سے متعلق تھی۔ اگرچہ ۱۸۵۲ء میں لنکا جانے کے باعث لیڈی ڈلہاؤزی کی صحت بہتر ہوگئی تھی لیکن مناسب یہ سمجھا گیا تھا کہ آئندہ موسم بہار میں وہ ہندوستان سے باہر چلی جائے۔ وہ براہ راس (گڈ ہوپ) انگلستان کو اس امید میں روانہ ہوگئی کہ طویل بحری سفر اور وطن میں بیٹیوں سے ملنے کے بعد جن کے لئے وہ پھڑکتی تھی وہ آئندہ سال سردی کے شروع میں تندرست ہوکر کلکتے واپس آجائیگی۔ مگر مادری محبت کی تمنا اس دنیا میں پوری ہونے والی نہ تھی اور نہ خاوندہی کی امیدیں پوری ہونے کے لئے تھیں۔ ۶ مئی ۱۸۵۳ء کو لیڈی ڈلہاؤزی وطن کو واپس جاتے ہوئے راستے میں مر گئی۔

اس جانکاہ خبر کو اس کے خاوند کے کانوں تک پہنچانے کا سخت کام اس کے رشتہ دار اور فوجی سکرٹری میجر جیمز ریمزے کے ذمے پڑا۔ ایک روز لارڈ ڈلہاؤزی حسبِ معمول کلکتے کورس کی طرف سے سواری میں سیر کرکے واپس آیا۔ چند ہی منٹ کے عرصے میں اس کی زندگی کی روشنی ہمیشہ کے لئے اس سے جدا ہوگئی۔ کیپٹن ٹروٹر لکھتا ہے کہ وہ زمین پر اس طرح گرا گویا اچانک دم نکل گیا ہو۔ اس گھڑی سے اس صدمے کا خیال کبھی اس کے دل سے جدا نہیں ہوا۔ پہلے دو دن تک وہ اپنے رنج والم کے لئے ایک کمرے میں

تنہا پڑا رہا۔ اس کے بعد اس نے کورنٹی (پرائیوٹ سکرٹری) کو ایک فقرہ گھڑا کام بھیجنے کے لئے لکھا خواہ وہ کسی قسم کا کیوں نہ ہو۔ کئی مہینے تک سوائے نہایت ضروری کام کے وہ کسی سے نہیں ملا۔ وہ اپنے کمرے سے شاذونادر ہی برآمد ہوتا تھا یہاں تک کہ سواری کے لئے بھی نہ نکلتا تھا؛

وہ کسی قسم کی تسلی و تعزیت کا خواہشمند نہ تھا۔ ہر ڈاک سے ہمدردی آمیز خطوط اس کے پاس آتے تھے جو ممتاز مگر مقابلۃً کم مرتبہ احباب کے خطوط سے لے کر انگلستان کی اُس عالیجاہ خاتون تک کے ہوتے تھے جس کا شاہانہ دل ان لوگوں کے غموں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا جو دور دراز ممالک میں اس کی خدمت کیلئے کمربستہ ہیں اور وہ سب ڈلہاؤزی کی طبیعت سے واقف ہونے کے باعث جانتے تھے کہ اس کا صدمہ کس قدر گہرا ہے۔ مگر اس کی بڑی لڑکی لیڈی سوس ریمزے کی طرف سے جو خط آیا وہ نہایت جگر سوز تھا اور خود اس کے اپنے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلا خط تھا جس نے اس کو بتایا کہ "محبت کے لئے ابھی کچھ باقی ہے"؛ دسمبر ۱۸۵۴ء میں یہ عزیز لڑکی جو اس وقت سترہ سال کی تھی ہندوستان پہنچ کر باپ سے آملی اور اس جگہ کو پُر کرنے کیلئے جو خالی ہوگئی تھی اُس نے جس قدر جانفشانی کی اپنی پاکیزہ مستورانہ دانائی اور طفلانہ شگفتگی سے باپ کے مغموم دل کے تاریک کونوں کو اس نے جس طرح منور کیا اس کے سرکاری افکار میں وہ جس طور سے شریک رہی اور آخر کار جس طریق پر اس کی خانگی زندگی کی شب کو روشن کیا اسکے وہ تمام لوگ شاہد ہیں جو اگرچہ ہر طرف سے اس مصیبت زدہ کی حالت کو دیکھتے تھے مگر اسکے غم کو غلط کرنے کی قدرت نہ رکھتے تھے؛

لیکن ہم اس کی بیماری اور تکالیف کے بقیہ ایام کی کہانی کو طول کیوں دیں ۱۸۵۳ء میں یعنی خاص اپنی تباہی کے مہینوں کے دوران میں لارڈ ڈلہاوزی نے ہندوستان کے لئے ریلوں اور تار برقی کے متعلق اپنی تجاویز کو مکمل ہوتے ہوئے دیکھا۔ ۱۸۵۴ء میں اس نے بحکمہ وضع قوانین کی اس عمارت کا سنگ تکمیل رکھا جو اس ملک کی آئندہ تاریخ میں نہایت گراں قدر چیز ثابت ہونے والی تھی۔ مئی ۱۸۵۴ء یعنی اس کی بیوی کے انتقال کے ایک سال بعد مجلس وضع قوانین کا پہلا اجلاس ہوا اور اسی سال کے دوران میں وزیر ہند نے وہ زبردست مراسلہ تحریر کیا ہے جس نے ہندوستان کی تعلیم عامہ کے لئے ایک قومی

طریقۂ تعلیم کی بنیاد ڈالی ؛

مگر موسمِ برسات کے اختتام سے پیشتر لارڈ ڈلہاؤزی کی صحت اس قدر خراب ہوگئی کہ اس کے لئے اپنے فرائضِ منصبی میں مصروفیت ناممکن معلوم ہونے لگی۔ سر رچرڈ ٹمپل کا بیان ہے کہ "وہ اپنی تکلیف اور بیماری کا جہاں تک اس سے ممکن تھا اظہار نہیں کرتا تھا اور عوام اس امر سے ناواقف تھے کہ اس کی طاقت اور زندگی رفتہ رفتہ سلب ہو رہی ہیں۔[1] "اوڑیسہ ساحل سمندر پر بحری سفر کرنے کے باعث کچھ عرصے کے لئے اس کی طاقت بحال ہوگئی لیکن اس کے معالج کو یہ بات اشد ضروری معلوم ہوئی کہ ایک مشہور ہندوستانی معالج کو بُلا کر مشورہ کرے۔ ان دونوں طبیبوں نے نہایت زور کے ساتھ اس کا اظہار کیا کہ اسکی جسمانی حالت اس کی مقتضی ہے کہ وہ گورنر جنرلی کے عہدے سے دست بردار ہو جائے "۔

لارڈ ڈلہاؤزی نہایت اعزاز کے ساتھ اس عہدے سے مستعفی ہو سکتا تھا۔ اس کے دورِ حکومت کی شاندار فتوحات مکمل ہو چکی تھیں اور اصلاح اور استحکام کے متعلق اس کی تجاویز پر کامیابی کے ساتھ عملدرآمد ہو رہا تھا۔ اگر اس وقت لارڈ ڈلہاؤزی ہندوستان سے چلا جاتا تو وہ اپنے پیچھے ایسا نام چھوڑ جاتا جو انگریز فاتحین اور مشرقی حکمرانوں کے شاندار سلسلے میں کسی سے کم نہ ہوتا۔ لیکن اس تھکے ماندے حکمراں کے گمان میں اس امر کے یقین کی وجوہ تھیں کہ آئندہ بارہ مہینے میں ایک نئی اور عظیم مشقت آنے والی ہے اور اس کے نزدیک یہ مناسب نہ تھا کہ اس مشقت کا بار اُٹھانے سے انکار کردے۔ اس پرخطر سوال کا کہ اودھ کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیئے تصفیہ کرنا نہایت ضروری تھا۔ انگلستان کی حکومت لارڈ ڈلہاؤزی نہ صرف اسی سوال کا صحیح جواب تلاش کرنے کے لئے بھروسہ کر رہی تھی بلکہ جو پالیسی وہ اختیار کرنا چاہتی تھی اس پر عملدرآمد کرنے کا انحصار بھی اسی کی ذات پر رکھا گیا تھا۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ اس کام سے جان نہیں چرائیگا اور اگرچہ اس خطرے سے جس میں وہ اپنے آپ کو ڈال رہا تھا بخوبی واقف تھا تاہم اس نے اپنے عہدے سے دست بردار ہونے سے انکار کردیا۔ اس نے اپنے معالج کو نہایت سوچ بچار کے بعد تحریری جواب دیا کہ

---

[1] کتاب موسومہ "ہندوستان میں میرے زمانے کے لوگ اور واقعات" صفحہ ۱۲۴ — ایڈیشن ۱۸۸۲ء

۱۱ مجھے یقین ہے کہ اپنے اقرار کو پورا کرنے کی خاطر اس سال ہندوستان میں رہنا میرا فرض
ہے اور ان خطرات سے بچانے کے لئے جن کی بابت آپ نے مجھ کو اس قدر واضح اور
وفادارانہ طور پر خبردار کیا ہے میں خداوند تعالیٰ کی کارسازی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور میں نے
یہاں رہنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے'' ۱۸۵۵ء کے آخر میں محض اس کی لڑکی لیڈی سوسن کی آمد
اور اس تسکین یابی کی وجہ سے جو اس کے آنے کے باعث اس کو حاصل ہوئی وہ آئندہ
۱۲ ماہ گزارنے کے قابل ہو گیا۔ جنوبی ہند کی طرف دورہ کرنے اور نیلگری کی پہاڑیوں میں
تفریح کی خاطر کچھ دن قیام کرنے کے باعث اس میں آخری محنت کے لئے کچھ دم آگیا۔
۱۳ فروری ۱۸۵۶ء کو اودھ کا الحاق کر لیا گیا اور اسی مہینے کے آخری دن لارڈ ڈلہاؤزی اپنے
عہدے سے دست بردار ہو گیا۔ ۲۶ تاریخ کو اس نے اپنے معالج سے کہا کہ ''یہ اچھی بات
ہے کہ اس مہینے میں صرف ۲۹ دن ہوتے ہیں۔ میں اور دو دن تک کام کی برداشت
نہیں کر سکتا تھا''۔

اس نے جان لارنس کو لکھا ''جان لارنس۔ میری صحت کی یہ حالت ہے کہ
میں ہر لحاظ سے اپاہج ہوں'' ۲۸ فروری کو اس نے آخری مرتبہ کونسل کی صدارت کی
اور اپنے ساتھیوں سے نہایت شفقت آمیز لہجے میں الوداع کہی۔ سینیئر ممبر کے جگر دوز
الفاظ پر اس نے اپنے پُر غرور مزاج کو جس طرح قابو میں رکھا ہے اُس نے ڈلہاؤزی کی
اس عادت ضبط کا ثبوت ملتا ہے جس سے وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت کام لیا
کرتا تھا۔ مسٹر ڈوون نے کہا کہ اس کے کمرے کے اندر آپس میں کبھی کوئی غصہ آمیز لفظ
زبان پر نہیں آیا۔ دوسرے دن ۲۹ تاریخ کو لارڈ ڈلہاؤزی نے گورنمنٹ ہاؤس کی وسیع
سیڑھیوں میں سے سب سے اوپر کی سیڑھی پر اپنے جانشین لارڈ کیننگ کے استقبال کی
رسم ادا کی''۔

کرائسٹ چرچ کے ان دو ہمعصر انڈر گریجوایٹوں میں اس وقت جو تفاوت نظر آتا
تھا وہ اُن سول اور فوجی حکام کے حافظوں میں مدت تک برقرار رہا جو دستور کے مطابق
ان کشادہ سیڑھیوں پر ہر دو جانب اس رسم میں شرکت کیلئے کھڑے تھے۔ لارڈ کیننگ
ابھی نوعمر نظر آتا تھا اور اجنبیوں کے اس مجمع کے روبرو محجوب سا ہو رہا تھا۔ لارڈ ڈلہاؤزی
لنگڑا رہا تھا۔ بیماری کے بوجھ سے جھکا ہوا اور قبل از وقت عمر رسیدہ نظر آتا تھا۔ مگر

آخر وقت تک اس کے چہرے سے شوکت اور شاہانہ رعب ٹپکتا رہا۔ جب یہ جلوس کونسل چیمبر میں پہنچ گیا اور نئے گورنر جنرل کی رسم حلف گیری ادا کی جارہی تھی اس وقت جان لارنس نے ڈلہاوزی سے چپکے سے دریافت کیا کہ اس وقت آپ کا جی کس بات کو چاہتا ہے ڈلہاؤزی نے وہ جواب دیا جس کو اس سے امید کی جاسکتی تھی "میں چاہتا ہوں کہ میں کیننگ کی جگہ ہوتا اور وہ میری جگہ اور پھر کیا میں ہندوستان پر حکومت نہ کرتا۔ لیکن نہیں۔ میں اپنے سخت ترین دشمن کے لیئے بھی یہ نہ چاہوں گا کہ وہ میری طرح بے چارہ بدنصیب۔ وست و پا شکستہ اور قریب المرگ ہو"۔

اس کے بعد ایک ہفتے تک لارڈ ڈلہاؤزی نے آرام کیا بشرطیکہ اس امر کو آرام کرنے میں داخل سمجھا جاوے کہ اپنے بڑے بڑے تابعوں اور نئے گورنر جنرل سے ہندوستان کے متعلق ضروری تجاویز پر نہایت غور و فکر کے ساتھ گفتگو کرتا رہا بلکہ یعنی یورپین اور ہندوستانی ہر دو فریق کو اب اس امر کا احساس ہونے لگا کہ چند روز بعد وہ "قلیل القامت مگر جلالت مآب مریض"، ہمیشہ کے لیئے ان سے جدا ہو جائیگا جو اپنے آٹھ سال کے غم و اندوہ اور مشقتوں کے باوجود ہندوستان بھر میں فرد یکتا تھا۔ ہر فرقے اور ہر طبقے کی طرف سے اس کے پاس ایڈریس اور نمائندوں پر نمائندے آتے رہے۔ اپنے آرام کی خاطر جو ایک دن اس نے مخصوص کیا وہ اس کا آخری اتوار تھا۔ بہ حیثیت گورنر جنرل لارڈ ڈلہاؤزی نے اپنے بادشاہ کے کلیسا کے اقتدار کو نہایت احتیاط کے ساتھ برقرار رکھا تھا اور اس ندیم کے ہمراہ جو ڈیوٹی پر ہوتا تھا وہ پابندی کے ساتھ گرجا کو جاتا رہا تھا۔ اس اتوار کو وہ خاموشی کے ساتھ سینٹ اینڈریوز کرک کو گیا مگر وہ ایسا کمزور تھا کہ لوگ سیڑھیوں پر سے برآمدے میں اس کو کرسی پر اٹھا کر لے گئے جہاں اس نے اسکاٹلینڈ کے زیادہ سنجیدہ طریقے پر جس طرح اس کے باپ دادا کا دستور تھا نماز ادا کی۔

ہگلی کے کنارے کا وہ منظر جب کہ وہ انگلستان جانے کے لیئے رخصت ہورہا تھا نہایت دل سوز اور قابل یاد تھا۔ اُس خوش پوشاک گروہ کے نعرہ ہائے شادمانی جس نے اس کو لکڑیوں کے سہارے دریا کی طرف لڑکھڑاتے ہوئے آتے دیکھا ایسی خاموشی سے بدل گئے جو نعرہ مسرت کے شور قیامت سے فصیح تر تھی۔

ایک شخص کا چشم دید بیان ہے[1] کہ "لارڈ ڈلہاؤزی کی روانگی کی شام کو جو شخص کلکتے کے میدان میں موجود تھا اور جس نے اس مجمع میں ہر شخص کے گہرے رنج اور تعریف کے احساس کو اور اس احساس کے اظہار پر رخصت ہونے والے مدبّر کے اضطراب دلی کی طرف بھی غور کیا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ ڈلہاؤزی کو ہمدردانہ جذبات پیدا کرنے یا خود اُن جذبات کو محسوس کرنے کے ناقابل خیال نہیں کریگا۔ بہت سے لوگ جنہوں نے اسکی کامیاب مراجعت کو دیکھا تھا اُن کے دل میں اس امر کا افسوسناک احساس گزر رہا تھا کہ ایک عظیم الشان پبلک زندگی کے آخری کارنامے پر پردہ گر رہا ہے۔ اور نہ ہندوستان کی تعریفیں، نہ وطن کی وہ قدردانی جس کا وہ بخوبی مستحق تھا اُس زندگی کو بڑھانے کے کام آسکتی ہے جو خدماتِ عامہ کی نذر ہوئی۔ اور لوگ جو ان لوگوں سے زیادہ سرگرم امید تھے ان کو توقع تھی کہ اس کی گزشتہ جسمانی قوت عود کر آئیگی اور وہ عزت اور کامیابی کی ایسی ہی کسی نئی شاہراہ پر گام فرسا ہوگا جیسی بارونق اور شاندار زندگی اس نے ہندوستان میں گزاری تھی۔ لیکن اس مجمع عظیم میں سے کسی کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ چند ہی سال بعد ان کے اس رخصت ہونے والے گورنر جنرل کی زبردست شہرت کی طرف مشکوک نگاہوں سے دیکھا جائیگا اس پر حملے ہونگے اور لوگ اس کے ذکر پر مُنہ بنائینگے"۔

لارڈ ڈلہاؤزی نے کسی خلاف توقع امید کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ باشندگانِ کلکتے کے الوداعی سپاس نامے کے جواب میں اس نے کہا تھا کہ "میرے مستقبل کی نسبت آپ نے لطف آمیز اشارات کیئے ہیں۔ مگر میں اپنے مستقبل کے انکشاف کا طالب نہیں ہوا۔ عرصے سے میری صرف یہی دلی تمنا تھی کہ جو کام یہاں میرے سامنے ہے اس کو تکمیل تک پہنچا دوں۔ اور وہ عزت اور کامیابی کے ساتھ ختم کردوں۔ اس آرزو کو پورا کرنے کا مجھ کو موقعہ عطا کر دیا گیا۔ میں اپنا کام کر چکا ہوں اور اب جب کہ میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میری زندگی کے ڈرامے کا بڑا ایکٹ اختتام کو پہنچ گیا ہے میں اس امر سے نہایت مطمئن ہونگا کہ میری خدمات کی تماشہ گاہ پر اسی وقت

[1] سر چارلس جیکسن کی کتاب "لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد حکومت ہند کی حمایت" صفحات ۱۷۸ — ۱۷۹ ایڈیشن ۱۸۶۵ء۔

پردہ پڑ جائے۔ اب میں تھکا ماندہ ہوں اور سوائے اس کے اور کوئی خیال یا خواہش نہیں ہے کہ اُس کنجِ عزلت کو تلاش کروں جس کی مجھے ضرورت ہے اور جس کے میں اب قابل بھی ہوں"۔

وطن کے راستے میں لارڈ ڈلہاؤزی نے وہ عظیم یادداشت مرتب کی جس میں اس نے نہایت سادہ طور پر اپنے عہدِ حکومت کے بڑے بڑے واقعات کو درج کیا۔ جب وہ پڑے رہنے پر مجبور ہو گیا اور سیاہی کا استعمال نہ کر سکا تو اس نے لیٹے لیٹے اُس معرکۃ الآرا تبصرے کو جس کی باریک تحریر کی ضخامت ۴۵ صفحے کی ہے زیادہ تر پنسل سے لکھا۔ اس کام کے باعث وہ اور بھی نیم جان ہو گیا۔ سویز میں اہلِ جہاز کو اسے اُٹھا کر کنارے پر لیجانا پڑا۔ صحرا میں سے گزرتے وقت سواری کے ہچکولوں نے اس کی رہی سہی طاقت کو بھی سلب کر لیا۔ لیکن مالٹا میں دس روز قیام کرنے کے بعد وہ ٹیمیون نامی جہاز کے ذریعے سفر کرنے کے قابل ہو گیا اور ۱۳ مئی ۱۸۵۶ء کو انگلستان پہنچ گیا۔

دوسرے دن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کے لئے ۵۰۰۰ پونڈ سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا نیز ملکہ کی طرف سے خیر مقدمانہ اور رحمت آمیز پیغام اور مختلف سیاسی گروہ کے بے شمار لوگوں کی طرف سے دلی اظہارِ تعریف و تحسین نے کچھ عرصے کے لئے اس تھکے ماندے نائب السلطنت کی ہمت بندھا دی۔ ستمبر ۱۸۵۶ء میں اس کو اپنے وفادار دوست اور معالج ڈاکٹر گرانٹ کی مفارقت گوارا کرنی پڑی جو اس کے ہمراہ وطن کو آیا تھا اور اب ہندوستان کو واپس جا رہا تھا۔ ایک الوداعی خط میں ڈلہاؤزی نے اسے تحریر کیا کہ "جب ہم نارتھ برج (واقع ایڈنبرا) کے نیچے اسٹیشن پر جدا ہوئے ہیں اس وقت میں نہایت غمگین ہوا تھا اور آپ کے شمال کی جانب سفر کے باعث آپ سے جدائی کا عادی ہو جانے کے باوجود میں عرصے تک حیران اور پریشان رہونگا۔ اور آپ کی اُس مہربانی آمیز اور روزمرہ کی سرگرم نگہبانی کا خیال مجھ کو پریشان کریگا جس کا اس قدر عرصے سے میں عادی ہو گیا ہوں۔ میں آپ کی ان تمام باتوں کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں آپ کی قابلیت اور آپ کی رائے پر شروع سے آخر تک مجھے پورا اطمینان رہا ہے۔ اور جو سرگرم توجہات آپ کی مجھ پر اور میری جدا ہونے والی عزیز شریکِ زندگی کے حال پر مبذول رہیں وہ اس وقت تک میرے حافظے سے فراموش نہ ہونگی جب تک میرا حافظہ باقی ہے۔ الوداع۔ آپ پر خدا کی

جانب سے برکات نازل ہوں مجھے اکثر خط لکھتے رہنا اور ہمیشہ یقین رکھنا کہ میں آپ کا خالص دوست ہوں۔

ڈلہاؤزی"

مصیبت کے نہایت غلیظ دل بادل اس کے گرد جمع ہوتے گئے۔ ڈلہاؤزی کیسل میں سردی کا ایک موسم گزارنے کے بعد اس نے ۱۸۵۷ء کے شروع میں ڈاکٹر گرانٹ کو مایوسی کے عالم میں لکھا کہ "میں ضعیف ہو گیا ہوں اور کسی جنبش یا ارادے کے ناقابل ہوں ناک اور گلے کے عوارض نے سخت اذیت دی ہے۔ بھوک بالکل نہیں لگتی۔ تمام ہو چکا ہوں"۔ کسی گرم آب و ہوا کی جستجو کے خیال میں لکھتا ہے "سوسن نے (جس پر مجھے اعتبار ہے آپ کے بعد مجھے ہر شخص سے زیادہ اعتماد ہے) اور میں نے اس سوال پر بہت گفتگو کی ہے۔ اسکا اور اندیشہ کا بلاشبہ مالٹا کی طرف رجحان ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ ٹھیک کہتی ہے اور میرا خیال ہے کہ ہم وہاں ہی موسم سرما کو گزارنے کا فیصلہ کرینگے"۔

جس وقت غدر کی ہولناک خبر پہنچی مارکوئس آف ڈلہاؤزی اس درجہ صاحب فراش تھا کہ اُن مباحثوں میں جو اس خبر کے آنے پر پارلیمنٹ میں ہوئے وہ شرکت نہ کرسکا۔ جولائی ۱۸۵۷ء میں اس نے ڈاکٹر گرانٹ کو ہندوستان لکھا کہ "تم خوب اچھی طرح قیاس کرسکتے ہو کہ اُن خبروں کو جو گزشتہ ڈاک سے آئی ہیں میں نے کیسے رنج و تعب سے سنا ہوگا۔ خواہ امور عامہ ہوں یا پرائیویٹ معاملات ہوں میرے لیے دونوں صورتیں تلخ و ناگوار ہیں۔ سوائے اس بغاوت کے خیال کے کوئی دوسرا خیال ہی میرے دل میں نہیں آتا۔ اور اگرچہ جیسا تم بھی خوب اچھی طرح جانتے ہو میں فضول طور پر گھبرانے والوں میں نہیں ہوں۔ تاہم میں اس خبروں کا جو آئندہ ڈاک سے یا اس کے بعد کی مسلسل ڈاکوں کے ذریعے پہنچیں گی نہایت تشویش کے ساتھ منتظر رہونگا۔ یہاں بیٹھا ہوا میں ان خبروں کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا اخبارات تم کو بہتر طور پر بتا سکتے ہیں۔ کیونکہ میں ابھی تک کنج عزلت میں پڑا ہوں میرے پیارے گرانٹ میں ان واقعات سے جو تمہارے ہاں پیش آرہے ہیں سخت اندوہگیں ہو رہا ہوں"۔

اُس کی جسمانی معذوری اور اس امر کے تلخ ترین احساس کے ساتھ کہ ان کارروائیوں میں جو اس مصیبت کے تدارک کے لیے اختیار کی جارہی تھیں وہ اپنے مشورے اور تجربے سے مدد کرنے کے ناقابل تھا اس امر کا علم اس کے غم و اندوہ کو

اور زیادہ بڑھا رہا تھا کہ اُس فوجی حفظ ماتقدم پر جس کی بحیثیت گورنر جنرل اس نے حکومتِ وطن کو تاکید کی تھی عملدرآمد کر لیا جاتا تو اس کا بہترین نتیجہ یہ ہوتا کہ بغاوت کا پھیلنا ناممکن ہو جاتا۔ میں اس معاملے کے متعلق کسی آئندہ باب میں نہایت واضح اور مکمل طور پر تذکرہ کروں گا۔ اُس کے لیئے اب بجز اس کے اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ خاموشی کے ساتھ مصیبت کو سہے اور جوانمردی کے ساتھ مگر بلا جواب دیئے اپنے برخلاف عوام کے اظہار ناراضی کو اس لیئے برداشت کرے کہ حفاظت کے جن امور کو اس نے پیشتر ہی اسقدر ضروری خیال کیا تھا اور جن کی ضرورت کے متعلق انگلستان کے ذمہ دار وزیروں کو اس نے اس قدر سنجیدگی کے ساتھ خبردار کر دیا تھا ان کا انتظام خود ہی کیوں نہ کر لیا۔

اگست میں اس نے تحریر کیا کہ "بلاشبہ بکثرت لوگ ایسے ہیں جو مجھ پر الزام تھوپ رہے ہیں اور اگرچہ یہ سخت مصیبت ہے کہ کوئی شخص خود کو الزامات سے بری الذمہ ثابت کرنے کے قابل نہ رہے حالانکہ وہ اپنے بے قصور ہونے کی بابت ابھی یقین رکھتا ہے۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے الزامات یا ان کے متعلق جوابدہی کرنے کی ناقابلیت کی اتنی پروا نہیں ہے جس قدر ان مصائب کا رنج ہے جنھوں نے لوگوں کو الزام تراشنے پر امادہ کیا ہے اور جنکی وجہ سے میرے عہدِ حکومت کی حمایت ضروری ہوگئی ہے۔ اس دوران میں وہ اطمینانِ قلبی جس کی میری صحت کے لیئے اشد ضرورت ہے بالکل مفقود ہو گیا ہے"۔

ہندوستان میں سخت اور فوری کارروائیوں کی عدم موجودگی کے باعث جن کے ذریعے وہ خود اس بدامنی کو ابتدا ہی میں جڑ سے اکھیڑ ڈالتا وہ نہایت ناراض تھا۔ ماہِ اگست میں اس نے لکھا کہ "دانا پور کا یہ آخری معاملہ سمجھ سے باہر ہے کہا یہ جاتا ہے کہ جنرل لائڈ نے سپاہیوں پر بیجا اعتبار کیا۔ لیکن ایسا معاملہ جو بظاہر سلامتی کے لیئے اس قدر ضروری تھا جنرل لائڈ یا کسی دوسرے جنرل یا مسٹر فلاں پر چھوڑا ہی کیوں گیا۔ جو جو کچھ میں سُن رہا ہوں اس سے میرا دل پک گیا ہے اور میری گزشتہ خدمات کے مقامات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے جو کچھ دماغی تفکر اور بے چینی پیدا ہوگئی ہے وہ میری صحت کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے"۔

افسوس کہ یہ ترقی محض دھوکا تھی ۱۸۵۸ء کے موسم گرما میں کچھ عرصے تک

مالورن میں قیام کرنے کے باعث اس کی حالت ضرور کسی قدر سنبھل گئی تھی لیکن اُس ملک کی مصیبتیں جس کی خاطر اس نے دوڑ دھوپ اور جانفشانیاں کی تھیں اور اُن عزیز دوستوں کی موت جن کے ساتھ ملکر اس نے محنت و مشقت کی تھی آہستہ آہستہ اس کا کام تمام کر رہی تھیں۔ "خدایا۔ اس خاندان کی کیسی بربادی ہوئی جو چند ہی ماہ پیشتر نہایت ہنسی خوشی پہاڑوں میں زندگی بسر کر رہا تھا"۔

اس نے لکھا ہے کہ وہ اس عام دعا میں شریک نہیں ہو سکا جو انگریزوں کو ہندوستان میں مصیبت سے رہائی دلانے کیلئے مانگی گئی تھی اور جس کی بابت ۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو اس نے گرجا میں گھنٹے بجتے سنا تھا کیونکہ اس نے گزشتہ دو دن بستر پر پڑے پڑے کاٹے تھے۔ لیکن اس نے لکھا کہ "میرے پیارے گرانٹ۔ خدا خوب جانتا ہے کہ میں دل و جان سے اس دعا کی قبولیت کا مستدعی ہوں جس کے بغیر ہماری وہ بہترین کوششیں سب رائگاں چلی جاتیں جو ہماری ہستی کو باقی رکھنے کے لیئے ان لوگوں نے کیں جو ہندوستان میں لڑے"۔

۵۸-۱۸۵۷ء کا موسم سرما مالٹا میں گذارا مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اپنی ذاتی تکالیف اور ملکی افکار کے باوجود اس نے ڈاکٹر گرانٹ کو اس کتیا کے مرنے کی خبر لکھی جو اس کی بیوی کے طویل دوران بیماری میں وفادار رفیق رہی تھی۔ "وہ یہاں باغ میں دفن کر دی گئی ہے۔ بہت کم بنی نوع انسان ایسے ہیں جن کی موت مجھ پر اتنا ہی اثر کریگی جس قدر اس پرانی بے زبان رفیق کی موت نے کیا ہے۔ کم از کم تم کو (ڈاکٹر گرانٹ نے سالہا سال تک لیڈی ڈلہاؤزی کا معالجہ کیا تھا) وہ ہزاروں وجوہات یاد آجائینگی جو میری اس تحریر کا باعث ہیں اور فی الحقیقت یہی امر واقعی ہے"۔ ۱۸۵۷ء کے آخری ایام میں اس نے اسی رفیق دوست کو پھر لکھا کہ "میرا چین مفقود ہو چکا ہے۔ میری اشتہا پھر بالکل جاتی رہی۔ اور اشیائے خوردنی کی صورت سے مجھ کو نفرت ہو گئی ہے۔ اور باوجود مقویات اور نہایت با احتیاط علاج کے جس میں مجھے کوئی نقص نہیں معلوم ہوتا میں افسردہ دل جھول بیمار۔ بہرا۔ گونگا۔ احمق۔ ضعیف۔ اور مصیبت کا مارا بن گیا ہوں"۔ لارڈ ڈلہاؤزی اب قطعی لنگڑا ہو گیا تھا اور صرف بیساکھیوں کے سہارے ادھر ادھر حرکت کر سکتا تھا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "ایسا بہرا ہوں جیسے اوکٹر لونی کی یادگار اور اس قدر کاہل ہوں جیسے

پرانے گرجا کا ممبر"، ۱۸۵۸ء کے موسم بہار میں اس نے تحریر کیا کہ "پورے دو برس ہوئے جب میں گورنر جنرلی کے عہدے سے مستعفی ہوا تھا۔ اگرچہ میں اس زمانے میں بہت بیمار تھا مگر میں حلفیہ کہتا ہوں کہ جو کچھ حالت میں اپنی اب دیکھ رہا ہوں اس سے وہ حالت بہتر تھی" اس وقت وہ پوری طرح جان چکا تھا کہ اس کی مصائب کا صرف ایک ہی انجام ہو سکتا ہے۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں ڈاکٹر گرانٹ کی علالت کو سن کر اس نے لکھا "میرے عزیز دوست۔ خبردار تم میری احمقانہ مثال کی پیروی نہ کرنا اور اگر تمہاری صحت تم کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کرے تو تم وہاں خواہ کسی خیالی فرض منصبی کے لیے یا کسی دیگر امر کے لیے ہرگز نہ رہنا۔ میں نے ایسا کرنے کا سخت خمیازہ بھگتا ہے اور اسی قسم کے نتائج سے تم کو خبردار کر کے میں خوش ہو رہا ہوں"۔

یہ بالکل سچ ہے کہ لارڈ ڈلہاوزی نے اپنی زندگی ہندوستان کی نظر کر دی تھی اور اپنے معالجوں کی مرضی کے برخلاف اپنی جان کو سخت خطرے میں ڈالکر اس نے اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے کا فیصلہ کیا تھا جسے ہم دیکھ چکے ہیں۔ اور اب وہ اس کا خمیازہ اُٹھا رہا تھا اس کی بقایا دو سال کی مصیبتوں پر ہم کو مجبوراً پردہ ڈالنا پڑتا ہے۔ ان ایام میں اس کی چھوٹی لڑکی لیڈی ایڈتھ کی رمزے کی شادی کسی قدر اس کی شادمانی کا باعث ہوئی۔ یہ شادی کلکرنا کے بیرونٹ سر جیمز فرگوسن کے ساتھ ہوئی جس کی خدمات ملکی کے وہ ۱۳ برس تک شریک حال رہی۔ لیکن مصیبت زدہ گورنر جنرل کے بقایا ایام زندگی اپنی بڑی لڑکی لیڈی سوسن کی محبت آمیز انتھک تیمارداری کے باعث بسر ہوئے۔ تشنج کے ایک دورے کے بعد اس نے اپنے ایک رشتے دار جنرل رمزے سے کہا کہ "بریگیڈیر میرے مرجانے کے بعد تم یہاں ٹھہرنا اور میری غریب (سوسن) کی خبرگیری کرنا۔ جس کی اُس کو ضرورت پڑیگی"۔ ۱۸۶۰ء کے آخر موسم سرما میں جب کہ وہ پورا ۴۹ برس کا بھی نہ ہوا تھا خاندانِ ڈلہاؤزی کے قدیم قبرستان میں جو اُس کے کوکپن کے خاموش علاقے میں واقع ہے اس کو دفن کر دیا گیا۔

باب سوم

پنجاب کی فتح

کلائو کے بعد لارڈ ڈلہاؤزی ہندوستان کا سب سے کم عمر حکمران تھا اور جب وہ ایک کارآزمودہ سپاہی اور مدبر کی بجائے گورنر جنرل ہوا۔ تو اس کے انتظامی تجربے کی کل کائنات انگریزی ایوان تجارت میں چند سال کی خدمات تھیں ۱۲ جنوری ۱۸۴۸ء کو ولینگٹن کے دوست اور بین انسلر دار (جنگ جزیرہ نما) کے ہیرو لارڈ ہارڈنگ نے اپنے پرواقعات عہد حکومت کے چار سال تمام کیے۔ اس پرانے سپاہی نے ہندوستان کو نہایت امن کی حالت میں اس نو عمر سویلین کے سپرد کیا تھا۔ لارڈ آکلینڈ کے افغانستان پر حملے کے بعد جنگ وجدال کے تقریباً دس سال ایسی صورت میں ختم ہوے تھے کہ بظاہر ایک مستقل زمانے تک امن کی امید بندھ گئی تھی[1]

سنہ ۴۲-۱۸۴۱ء میں افغانستان کی پہلی جنگ میں ہمارے ۰۰۰ ۵ آدمیوں ۶۰ ہزار اونٹوں اور ایک کروڑ ۲۰ لاکھ روپئے کا نقصان ہوا۔ اور افسروں کی ناقابلیت کی وجہ سے افغانستان کی برف میں ایک انگریزی فوج کی ہلاکت کا تماشہ آنکھوں نے دیکھ لیا۔ افغانستان پر لارڈ آکلینڈ کے حملے کا ایک نتیجہ سندھ کی لڑائی تھی۔

---

[1] ملتان کی فتح (صفحہ ۷۷) تک اس باب کے واقعات کے لیئے اصلی اور اس زمانے کی مستند کتاب موسومہ "سرحد پنجاب پر ایک سال" سنہ ۴۹-۱۸۴۸ء مصنفہ میجر ہربرٹ لی ایڈورڈز۔ سی۔ بی۔ ایچ ای۔ ٹی۔ سی۔ ایس۔" دو جلد شایع کردہ بنٹلے سنہ ۱۸۵۱ء میجر (بعد ازاں سر ہربرٹ) ایڈورڈز کی تصنیف کے علاوہ (سر) ایڈون آرنلڈ کی تصنیف "برطانوی ممالک ہند اوف ڈلہاؤزی کا عہد حکومت" (دو جلدیں۔ سانڈرز اوٹ لے اینڈ کمپنی مارکوئس

جس کے باعث ۱۸۴۳ء میں دریائے سندھ کی زیرین وادی انگریزی ممالک میں شامل ہو گئی۔ لیکن برطانوی انصاف اور اعتبار کا بھی اس کے ساتھ خون ہوا۔ ۱۸۴۵-۴۶ء میں سکھوں کی پہلی لڑائی میں پنجاب کے مشرقی اضلاع برطانوی مقبوضات میں مل گئے اور دریائے سندھ اور پانچوں دریاؤں کے بالائی میدان برطانوی ممالک محروسہ میں شامل ہو گئے۔

سکھوں کے شیر خوار بادشاہ دلیپ سنگھ کے زمانۂ نابالغی میں سکھوں کے مقبوضہ ممالک کی سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد لارڈ ہارڈنگ نے سکھ افواج کو بہئیت مجموعی توڑ کر اپنی فوج کو بیحد تقویت دی تھی۔ سکھ افواج کے ۸۵ ہزار آدمیوں اور ۳۰۰ توپوں میں سے جو ایک زبردست موقع پر جمع تھیں گھٹا کر ... ۲۴ آدمی اور ۵ توپیں باقی رکھی تھیں اور ان کو بھی تمام پنجاب میں پھیلا دیا تھا۔ ہماری اپنی فوج میں جس میں .... ۵ آدمیوں کی حال ہی میں تخفیف ہوئی تھی ہندوستان کے گزشتہ صلح کی نسبت .... ۷ آدمی زیادہ تھے۔

وہ پائیدار قوت جو لارڈ ہارڈنگ نے اپنے خیال میں ہندوستان کی انگریزی افواج میں پیدا کر دی تھی وہ صرف ان کی زاید تعداد ہی نہ تھی بلکہ اُس کے خیال کے مطابق یہ قوت ان اہم جنگی مقامات سے حاصل ہوئی تھی جو سکھوں کی پہلی جنگ کے اختتام پر فوجی تخفیف کی معقول تلافی کرتی تھی جو اس کے حکم سے کی گئی تھی۔ لارڈ ہارڈنگ نے ہندوستان کے شمال مغرب کی افواج کی تعداد دو گنی کر دی تھی ۵۰ ہزار آدمی معہ ۶۰ توپوں کے ستلج کے علاقے میں مقیم تھے۔ نو ہزار آدمیوں کی مستقل چھاؤنی پنجاب کے پایہ تخت لاہور پر متصرف تھی۔ اسی قدر قوت کی ایک

بقیہ صفحہ ماقبل ۶۵ - ۱۸۶۲ء) اور بہت سے مصنفوں کی تصنیفات ہیں۔ میں نے ان دونوں کتابوں اور برسہ لارنس برادران اور پنجاب کے دیگر ہم عصر افسروں کی سوانح عمریوں سے استفادہ حاصل کیا ہے۔

ع۱ یہ اعداد نیز سابقہ اعداد میں نے سر ایڈون آرنلڈ کی کتاب مطبوعہ ۱۸۶۲ء موسومہ "مارکوئس آف ڈلہاوزی کا عہد حکومت" کی پہلی جلد کے صفحات ۴۵ تا ۵۷ سے نقل کیے

باقی ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ

انگریزی خزانے سے دینی پڑتی تھی۔ وسط ہند میں ناگپور کا جلیل القدر مرہٹہ سردار اپنی بدکاریوں اور مظالم کے باعث اس قدر بدنام تھا کہ ہمیں اپنے ریزیڈنٹ کی سرکاری رپورٹوں کو پڑھ کر مجبوب ہونا پڑتا ہے کہ انگریزی حکومت کے کسی نمایندے کو ایسے دربار میں موجود رہنا گوارا کرنا پڑتا تھا۔ شمالی ہندوستان کی عظیم الشان دیسی سلطنت اودھ میں معاملات اس سے بھی کسی قدر زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے ۱۸۳۷ء میں جب لارڈ آکلینڈ نے دیکھا کہ وہاں بے انصافی حد سے تجاوز کر چکی ہے تو اس نے ملک کے انتظام کو جس میں ابتری پھیل گئی تھی اپنے ہاتھ میں لے لینے کے حق کو محفوظ کر لیا۔ دس سال بعد لارڈ ہارڈنگ نے اپنی حکومت کے آخری بارہ مہینوں میں شاہ اودھ کے لئے تنبیہاً دو سال کی میعاد مقرر کر دی اور بادشاہ سے صاف کہدیا گیا کہ اگر اس نے اصلاح نہ کی تو سلطنت برطانیہ کو اپنے فرائض کی ادائگی کے سوا چارہ نہ رہے گا۔

سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے جنوب وسط یا شمال میں جس ملک کو ہم دیکھیں بڑی بڑی دیسی ریاستیں اس صدی کے پہلے نصف کے اختتام سے بیشتر ہی ایسی مصیبت اور بدنظمی میں مبتلا ہو چکی تھیں کہ شاہی طاقت کی طرف سے مداخلت کیا جانا اشد ضروری ہو گیا تھا۔

نگرانِ ہند کی بہبودی کی ذمہ داری سے الگ رہکر ہندوستان کے معاملات کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے ہماری کوششیں فیوڈیٹری ریاستوں کے ساتھ ہمارے تعلقات پر محدود نہ تھیں۔ لارڈ ہارڈنگ نے پنجاب کی ان جنگ جو اقوام پر بھی جو ہنوز مطیع نہیں ہوئی تھیں اس طریقے کا تجربہ کیا تھا۔ ہندوستان میں سکھوں نے برطانیہ کی ایک ضروری خدمت انجام دی تھی۔ گزشتہ صدی میں ہماری کمزوری کے ایام میں مسلمانوں کے ساتھ ان کا سخت مذہبی تنفر ہماری سلامتی کا ذریعہ تھا۔ رنجیت سنگھ شیر پنجاب کے ماتحت سکھوں کا جتھا وسط ایشیا کی حملہ آور اقوام اور اس نئی انگریزی سلطنت کے درمیان حد فاصل تھا جو کہ موجودہ صدی کے پہلے نصف زمانے میں ہندوستان میں

اپنے قدم جما رہی تھی - اس زبردست حکمران کی موت نے اس کے جنگ جو سرداروں کو اپنے جوش و خروش اور ان دلی آرزوؤں کو پورا کرنے کا موقعہ دیا جن کو وہ اپنے آہنی پنجے میں دبائے رکھتا تھا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۴۵ء میں سکھ سرداروں نے انگریزوں کو جنگ پر مجبور کیا ۔

۱۵- فروری ۱۸۴۵ء کو سوبراؤن پر ان کو کامل شکست دینے کے بعد لارڈ ہارڈنگ نے ہندوستان کی پرانی سیاسی حکمت عملی کے بموجب پنجاب کی حکومت کو خود عملاً اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے وہاں پر انتظام و اقتدار قائم کرنے کی کوشش کی باوجود نہایت معقول کارروائیوں کے اس کوشش کی ناکامی کی وجوہات نہایت زور دار الفاظ میں پوری تشریح کے ساتھ ہنری اور جان لارنس دونوں اولوالعزم برادران کے حالات زندگی میں بیان کی گئی ہیں جو ۱۸۴۶-۴۷ء میں یکے بعد دیگرے بہ حیثیت ریزیڈنٹ لاہور میں رہے - سازشوں دغا بازیوں اور بغاوتوں کے بعد مارچ ۱۸۴۶ء کے معاہدے کی زیادہ سختی سے پابندی کی گئی اور وزیر اعظم کو جو ملکہ یعنی والدۂ شاہ سے ناجائز تعلقات بھی رکھتا تھا سزا دی گئی - اس سال دسمبر میں ایک اور معاہدہ ہوا جس کی رو سے سر ہنری لارنس لاہور میں منتظمان سلطنت کی جماعت کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے اس زمانے تک کے لئے پنجاب کا حکمران بنایا گیا جبکہ شاہزادہ ایام طفولیت سے گزر کر سن بلوغ کو پہنچے ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حوصلہ مند جنگ جو امراء کے اس انبوہ کثیر کے درمیان جو پوری طرح مطیع نہ تھے وہ صرف ان سے زیادہ ہی ایک مقتدر شخص تھا - وزیر اعظم کی سزایابی اور ملکہ کے امور سلطنت سے جبراً علیحدہ کئے جانے کو سکھ سرداروں نے اپنے لئے ایک نیا موقعہ تصوّر کیا - ملکہ بھی معاملات کی حالت کو خوب اچھی طرح سے سمجھ رہی تھی اور انگریزوں کے برائے نام اقتدار سے فائدہ اٹھانیکی غرض سے اس نے نئی نئی ملکی سازشوں کے ساتھ عشق و محبت کے ذرائع سے بھی کام لینا شروع کیا اور جب اس کو سرکاری طور پر اس امر کے لئے سرزنش کی گئی کہ اس کے درباروں میں کھلم کھلا بغاوت کے ذکرو اذکار کئے جاتے ہیں تو اس نے ریزیڈنٹ کو سخت طنز آمیز جواب دیا اور شاہی حقوق کے متعلق اپنے

مغرورانہ دعوے کو نہایت کھلے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کسی کنایہ آمیز گفتگو سے بھی کام نہیں لیا"

لارڈ ہارڈنگ کے انتظامات پنجاب میں جو نیک نیتی سے نافذ کئے گئے تھے کمزوری کے یہ تمام عنصر اب ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ لاہور اور سکھوں کے دیگر صدر مقامات میں جو آتش گیر مادے جمع ہو گئے تھے ان کو مشتعل کرنے کے لیئے صرف ایک چنگاری کی ضرورت تھی لیکن اس زمانے میں ہندوستان میں ملکی معاملات کو اخفا میں رکھنے کا دستور ہونے کے باعث یہ خطرات عوام اور اخبارات کی نظر سے پوشیدہ تھے۔ ایک اخبار نویس نے تحریر کیا تھا کہ ہر ایک بات نئے حکمران کے حق میں مفید معلوم ہوتی ہے اور ہندوستان ایسے امن سے مستفیض ہو رہا ہے کہ اگر انسانی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ابتری پھیلانے والی کوئی بات نظر نہیں آتی[ح۱]"

ایک قابل اڈیٹر نے تحریر کیا ہے کہ کسی گورنر جنرل کو ہندوستان کی زمام حکومت ایسی عجیب اور مفید صورتوں کے ساتھ نہیں ملی۔ اس سبب سے کم عمر حکمران نے سلطنت کو اپنے پیشرو سے ایسے امن کی حالت میں حاصل کیا ہے جس کا ہندوستان کی تاریخ میں کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ ایسے وقت میں آیا ہے جب کہ ہندوستان کے کامل اور بظاہر مستقل امن کے راستے میں سے آخری رکاوٹ بھی ہٹائی جا چکی ہے۔ بدنظمی پیدا کرنے والی جو ایک فوج باقی تھی وہ بھی منتشر کی جا چکی ہے۔ اور ملک کا امن و امان نہایت باقاعدہ اور مستقل بنیادوں پر قائم ہو چکا ہے۔ ان امرا سے جن کے حوصلے یا دشمنی اس کے پیشرو حکمرانوں کے لئے باعث انتشار تھے اسلحہ لئے جا چکے ہیں[ح۲]"

ح۱۔ سر ایڈون آرنلڈ کی کتاب موسومہ "برطانوی ہند میں لارڈ ڈلہاؤزی کا عہد حکومت" مطبوعہ سنہ ۱۸۶۲ء کی پہلی جلد کے صفحہ ۸۵ کے آخر میں مارننگ ہیرلڈ سے نقل کیا ہوا فٹ نوٹ"

ح۲۔ اخبار دی فرینڈ آف انڈیا" ۲۰ جنوری سنہ ۱۸۴۸ء سے سر ایڈون آرنلڈ کی کتاب "برطانوی ہند میں لارڈ ڈلہاؤزی کی حکومت" مطبوعہ سنہ ۱۸۶۲ء کی پہلی جلد کے صفحات ۵۹ ۶۰ کا حاشیہ"

بنگال کے مشہور اخبار میں ان الفاظ کے تحریر کیے جانے کے ٹھیک تین ماہ بعد .. ۱۲ میل کے فاصلے پر دریائے سندھ کے کنارے وہ خونریز واقعہ ظہور میں آیا جس کے باعث چند ایسی زبردست اور خونریز لڑائیاں ہوئیں جن سے زیادہ خونریز لڑائیوں کی نظیر برطانوی فوج کی تاریخ میں نہیں ملتی اور اس واقعے کی بنا پر ۱۵ مہینے کے اندر تمام پنجاب پر برطانوی تسلط ہو گیا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ۱۸۴۶ء کی سکھوں سے پہلی جنگ کے اختتام پر لارڈ ہارڈنگ نے پنجاب کو سکھ امرا کی ایک منتظم جماعت کے سپرد کر کے شیرخوار شہزادہ دلیپ سنگھ کی نابالغی تک کے لئے ان کو ایک انگریز ریزیڈنٹ متعینہ لاہور کے ماتحت کر دیا تھا۔ لاہور میں انگریزی ریزیڈنٹ نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں سکھوں کے زبردست صوبہ دار ملتان سے اس کے صوبے کی بابت حساب فہمی چاہی۔ یہ حکمران جو تاریخ میں دیوان مولراج کے نام سے مشہور ہے وادی سندھ کے وسط میں تقریباً خود مختارانہ حیثیت سے متمکن تھا۔ اور اپنے دارالحکومت ملتان کی قدیم دریائی تجارت گاہ میں تجارت اور حکومت کیا کرتا تھا۔

بہت سے حیلے حوالوں اور لیت ولعل کے بعد اس سکھ تاجر شہزادے نے بجائے حساب سمجھانے کے استعفا دینے کو ترجیح دی۔ یا حقیقتہً یہ محض خیال ہی خیال تھا کہ وہ استعفا کو حساب فہمی پر ترجیح دیتا ہے۔ لاہور کے ریزیڈنٹ نے فوراً یا یہ کہنا چاہیے کہ شاید ضرورت سے بھی زیادہ جلدی کر کے اس کا استعفا منظور کر لیا۔ مسٹر وینس ایگینیو اور لفٹنٹ اینڈرسن دو نوجوان انگریزی افسر مولراج سے حکومت اور ملتان کے قلعے کا چارج لینے کے لیئے اور اس نئے سکھ گورنر کو جسے ریزیڈنٹ نے مقرر کیا تھا اس کی بجائے بٹھانے کے لیے بھیجے گئے۔ اپریل ۱۸۴۸ء میں ان کے ملتان پہنچنے پر مولراج نے ۹ تاریخ کو نہایت عاجزانہ وضع میں قلعے کو حوالے کر دیا۔ مگر اس وقت جبکہ دونوں نوجوان انگریزی افسر معہ چند محافظوں کے اپنے قیام گاہ کو واپس آ رہے تھے مجمع میں سے ایک جوشیلے سپاہی نے جھپٹ کر وینس ایگینیو کے شانے کو زخمی کیا۔ لفٹنٹ اینڈرسن کو کاٹ ڈالا گیا۔ محافظ اپنے خون آلود افسروں کو اٹھا کر عیدگاہ لے گئے جو کہ قلعے سے کچھ فاصلے پر عیدوں ... کے موقعے پر مسلمانوں کی مسجد کا کام دیتی تھی مگر وہ

قلعے کی توپوں کی زد میں تھی۔"
وینس اگینیو نے جس وقت اس کے شانے کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ لاہور کے برطانوی ریزیڈنٹ کو جو وہاں سے ۲۰۰ میل کے فاصلے پر تھا ایک ضروری چٹھی لکھوائی اور بنوں کے کمشنر کو جو اس سے نصف فاصلے پر تھا پنسل سے تمام واقعات کا ایک اور نوٹ تحریر کر کے فوراً مدد چاہی۔ لیکن دوسرے دن ملتان کے قلعے سے جس پر مولراج نے دوبارہ قبضہ کر لیا تھا مسجد پر جہاں نوجوان افسروں اور ان کے ہمراہیوں نے پناہ لی تھی گولے برسنے لگے۔ "میں اس کی چھلنی دیواروں اور اسکے ٹکڑے اڑے ہوئے گنبد کے اندر ایک دن گزار چکا ہوں اور نہایت رنج کے ساتھ میں نے ان کی بے پناہ حالت کا اندازہ کیا ہے۔ جب قلعے کی توپیں اپنا کام کر چکیں تو شہر کا انبوہ عام اندر گھسا لیکن وہ ایک لمحے بھر کے لئے یہ منظر دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ وینس اگینیو اطمینان کے ساتھ اس پلنگ پر بیٹھا ہے جس پر اینڈرسن بیکسی کے عالم میں پڑا تھا۔ وہ اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور نہایت سکون کے ساتھ موت کا منتظر تھا۔ سپاہی اور اچھے خیال کے لوگ خاموش کھڑے رہے اور انہوں نے بے پناہ انگریزوں کی جان لینے سے انکار کیا لیکن اس کے بعد یک زرشت رو نیچ ذات کے شخص نے آگے بڑھکر دونوں زخمی افسروں پر حملہ کیا اور ان کے سروں کو اڑا دیا گیا۔ موت کے وقت وینس اگینیو کے آخری الفاظ یہ تھے کہ "ہم انگریزی نسل کے آخری آدمی نہیں ہیں۔"
وینس اگینیو کی چٹھی پہنچنے کے وقت لاہور میں بجائے سر ہنری لارنس کے سر فریڈرک کری بطور ریزیڈنٹ کام کر رہا تھا کیونکہ سابق الذکر کچھ عرصے پیشتر بیماری کے باعث رخصت پر انگلستان چلا گیا تھا۔ کری نے لارڈ گف کمانڈر انچیف سے فیروز پور کی مسلح افواج میں سے ملتان فوج لیجانے کو کہا۔ لارڈ گف نے انکار کیا اور اصرار کیا کہ گرمی کے موسم میں ۲۰۰ میل جلتے ہوئے ریگستان میں انگریزی افواج کو ۶ ہفتے لیں طے کرنا مشکل ہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے بھی مجبوراً ۱۲۰۰ میل کے فاصلے یعنی کلکتہ سے کمانڈر ان چیف ہی کے فیصلے کی تائید کی کیونکہ وہ مقامی حالات سے واقف تھا اور موقع واردات کے قریب ہونے کے باعث اسی کا فیصلہ زیادہ قابل وثوق سمجھا

جا سکتا تھا۔

اس اثنا میں وینس ایگینو کا پنسل سے لکھا ہوا امداد طلب خط لفٹننٹ ہربرٹ ایڈورڈز کے پاس دریائے سندھ کے کنارے ڈیرہ فتح خاں پہنچا جہاں وہ تنہا خیمہ زن تھا۔ سُرخ تھیلے پر فارسی میں کمشنر کا پتہ ان الفاظ میں تحریر تھا "جنرل کورٹ لینڈٹ کے پاس بنوں میں یا جہاں کہیں وہ ہو"۔ لیکن نوجوان ماتحت افسر نے محل ضرورت کو تاڑ کر لفافہ پھاڑ ڈالا اور خط نکال لیا۔ پھر جلدی سے اپنے فرائض کو چھوڑ چھاڑ ضلع کے محافظین کی معمولی تعداد اور چند مقامی ہمراہیوں کو ساتھ لیکر ملتان کی طرف جو ۸۰ میل کے فاصلے پر تھا چڑھ دوڑا۔ اس کے ساتھ صرف ۴۰۰ آدمی تھے جن پر حقیقتہً وہ بھروسہ کر سکتا تھا۔ مولراج نے قلعے سے ... ۴ آدمی اور ۸ بھاری توپیں لے کر راستے میں اس کے مقابلے پر آیا۔ نوجوان لفٹننٹ کی تحریر ہے کہ "میری مثال اس کتے کی سی ہے جو شیر پر بھونک رہا ہو"۔

لیکن ۱۸۴۸ء کی گرمیوں بھر وہ کتا شیر پر بھونکتا ہی رہا۔ مسلمان ریاست بہاولپور کی وفادار افواج کو اپنی امداد کے لئے بلا کر جون اور جولائی میں ایڈورڈز نے نہایت کثیر التعداد دشمن سے دو لڑائیاں جیتیں۔ اس کے مسلمان پٹھان تنفر آنہ نعرے لگاتے ہوئے کافر سکھوں کی افواج میں گھس گئے۔ انگریزی افسر اور اس کے دیسی اتحادیوں نے ۸ توپوں کے نقصان کے ساتھ مولراج اور اس کے ۴ ہزار آدمیوں کو ملتان کے اندر بھگا دیا۔

اس واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید لارڈ گف موسم گرما کی مہم کے لازمی نقصانات اور تکالیف سے انگریزی فوج کو بچائے رکھنے کے خیال میں حق بجانب ہو۔ ایک اکیلے ماتحت انگریزی عہدہ دار نے مولراج کو میدان سے بھگا دیا تھا۔ ملکہ یعنی نابالغ بادشاہ کی والدہ کو جس کی سازشیں اور جرائم سکھ امرا میں بغاوت کا مستقل مواد موجود رکھنے

ع۱ اس دل سوز تحریر کی ہو بہو نقل اور وینس ایگینو کی پنسل سے درست کی ہوئی سر فریڈرک کری کی چٹھی کی نقل ہربرٹ ایڈورڈز نے اپنی کتاب موسومہ "سرحد پنجاب پر ایک سال" کی جلد دوم صفحہ ۷۶ مطبوعہ ۱۸۵۱ء میں دی ہے۔

کا کام دیتے تھے جبراً مگر عزت کے ساتھ لاہور سے لے جا کر بنارس کے دور دراز مگر متبرک شہر میں رکھا گیا۔ یکم جولائی کو لارڈ ڈلہوزی نے اپنی خاموشی کے عمل پر طمانیت کے ساتھ نظر ثانی کی۔

لیکن گرمی کا موسم گزر چکنے سے پیشتر ہی اسے اپنے فیصلے پر مزید غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ملتان کی مقامی بغاوت تمام پنجاب میں پھیل گئی اور ملتان کے گورنر کی بغاوت تمام سکھ قوم کی بغاوت بن گئی۔ اس دوران میں لفٹنٹ ایڈورڈز متواتر التجائیں کرتا رہا کہ خواہ امداد کیسے ہی ادنیٰ پیمانے پر ہو مگر بہت جلد بھیجی جائے۔ اس نے ملتان کا محاصرہ کرنے کے متعلق لکھا کہ چند بھاری توپیں ایک قلعہ شکن توپخانہ اور سرنگ لگانے والے میجر نیپیر کی ماتحتی میں ہماری ضرورتوں کو کافی ہونگے۔ جولائی میں اس نے مولراج کو معقول طور پر اسی کے قلعے میں مقید رکھا۔

لیکن لارڈ ڈلہوزی ابھی تک شملہ کے سربلند مقامات میں پڑا ہوا جاڑے کے لئے قواعد وضوابط کی ایک مہم سوچ رہا تھا کہ ملتان سے ایک غصہ آمیز خط میں یہ تحریر پہنچی کیا مولراج کو ایک مثلث نما خط لکھ کر بغاوت کو کسی مناسب موقع کے لیے ملتوی کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کوئی می نوشی یا ناشتہ ہے جسے کوئی ملتوی کردے"۔ یہ التوا ناممکن تھا پنجاب کا صدر مقام لاہور بغاوتوں سے لبریز تھا۔ ہزارا کے سرحدی مقامات کھلم کھلا سرکشی پر اتر آئے تھے۔ افغان سکھوں کے ساتھ اتحاد کر کے پنجاب کے ملک سے انگریزوں کو خارج کرنے کے لئے درۂ خیبر کو عبور کر کے آ گئے تھے۔ لاہور کے ریزیڈنٹ سر فریڈرک کری گو باوجود سویلین ہونے کے خود اپنے ہی حکم سے اور اپنی ہی معمولی فوج میں سے ایڈورڈز کے پاس ملتان میں امدادی سپاہ بھیجنے پر مجبور ہوا۔ اور اب انجام کار لارڈ ڈلہوزی کی بھی آنکھیں کھلیں توپخانے رسالے اور پیدلوں کی اس فوج کے ساتھ جس کو سر فریڈرک کری نے بھیجنے کا ارادہ کیا تھا لارڈ ڈلہوزی نے محاصرے کی توپیں اور فیروزپور کی فوج میں سے ایک دستہ اس میں بڑھا دیا۔ یہ فوج ۱۹ اگست کو ملتان کی فوج سے جا ملی۔ اور ۴ ستمبر کو انگریزی فوج کے نعرہ ہائے شادمانی کو دوبالا کرنے کے لئے بھاری توپخانہ بھی جا پہنچا۔ نوجوان لفٹننٹ کے جوش وخروش کی داد نہ دینا ناممکن ہے جس نے ۱۸۴۸ء

کی شدید گرمی کے طویل مہینوں میں تقریباً تن تنہا باغیوں کے مقابلے میں میدان کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور باغی کو نہایت بے عزتی سے اپنے قلعے کی دیواروں کے اندر پناہ لینے پر مجبور کیا۔ ۳۴۷ صفحے کے اس شاندار تذکرے سے موثر نہ ہونا نہایت مشکل امر ہے جس میں اس نے موسم گرما کے دلیرانہ کارناموں کو ہمیشہ کے لیئے زندہ رکھا۔ جو یہاں گھٹاتے گھٹاتے ۱۲ صفحے سے کم میں بیان کردیئے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ امر بھی دشوار ہے کہ کمانڈر ان چیف نے اس زمانے میں نقل وحرکت کے متعلق جس کاہلی کا اظہار کیا تھا اس پر ملامت کرنے سے اجتناب کیا جائے جبکہ نونو ہزار آدمیوں کے دو کیمپ لاہور اور فیروزپور میں موجود تھے اور جو اس قدر تیار تھے کہ صرف ایک ہی دن کے اعلان پر روانہ ہو سکتے تھے۔ لیکن اصل امر واقعہ جس کا بیان کردینا مناسب ہے یہ ہے کہ لفٹننٹ ایڈورڈز نے موقع واردات کی جنگی مشکلات کا اصلیت سے کم اندازہ کیا تھا بلکہ اس میں بھی شک نہیں کہ شروع سے آخر تک وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکا تھا۔ مگر بلاشبہ اس کی یہ کم نگاہی اس کے باعث شکوہ بھی اور برطانوی نام ونمود کے لحاظ سے ورجن بھر عمر رسیدہ جرنیلوں کی تیز نگاہی کے برابر بھی۔ ہربرٹ ایڈورڈز کے لیئے صرف اتنا کافی ہے کہ اگرچہ وہ ایک نوعمر ماتحت عہدہ دار تھا مگر اس نے انگلستان کی شہرت کو اس نازک وقت میں برقرار رکھا جب کہ ہندوستان کی برطانوی فوج کا افسر اعلیٰ حقیقتہً یا محض بزعم خود میدان جنگ میں فوج پہنچانے کے ناقابل تھا؛

مجھے اس سوال کے متعلق اس افسر کی رائے کو سننے کا موقع حاصل ہوچکا ہے جو ہمارے زمانے میں ہندوستان کا سب سے بڑا انجینیر تھا۔ لارڈ نیپیر یعنی میجر نیپیر نے جس کی نسبت ایڈورڈز نے خیال کیا تھا کہ وہ ملتان پر قبضہ کرنے کے لیئے معہ چند بھاری توپوں اور سرنگ لگانے والوں کے کافی ہوگا۔ خود اس نے مجھ سے بیان کیا کہ بہادر نوعمر افسر اس موقعے کی اہمیت کو نہیں سمجھا استحکامات اس قدر مضبوط اور اس قدر وسیع تھے کہ ان پر قبضہ کرنے کا سوال تو ایک طرف بلا کسی نقصان ان کے قریب پہنچنے کیلیئے بھی ایک بہت بڑی فوج درکار تھی؛

لارڈ نیپیر اوف میگڈالا کے اس خیال کی مزید تائید وتشریح خود محاصرے کے واقعات سے ہوتی ہے۔ ۴ ستمبر ۱۸۴۸ء کو بھاری توپوں کے پہنچتے ہی محاصرہ

فوراً شروع کر دیا گیا۔ مگر لاہور اور فیروز پور کی متحدہ افواج اور راجہ شیر سنگھ کے ماتحت جماعت منتظمہ کی بھیجی ہوئی مددگار سکھ افواج کو ملا کر بھی اس مقام پر حملہ کر کے قابض ہو جانے کی کوشش فضول سمجھی گئی۔ قلعے کے جنوب مغربی حصّے کی طرف ایک خندق کھودنے کی ضرورت پڑی۔ مگر یہ کام بہ مشکل اختتام پر پہنچا تھا کہ راجہ شیر سنگھ اور اس کی ماتحت معاون سکھ افواج کی غداری نے صورت واقعات کو برعکس کر کے الٹا محاصرین کو محصور کر دیا۔ لاہور کی سکھ جماعت منتظمہ کی افواج میں انگریزوں کی یہ آخری وفادار فوج تھی۔ معاون سکھ افواج نے جو ایسی جماعت منتظمہ کی طرف سے بھیجی گئی تھیں مولراج اور باغیوں کی قسمت کیساتھ اپنی قسمت کو شریک کر دیا۔ برطانوی جنرل کی منعقدہ ایک جنگی کونسل نے یہ تصفیہ کیا کہ "اب جو سوال درپیش ہے وہ بجائے ملتان پر قبضہ کرنے کے خود اپنے کیمپ کی سلامتی کا ہے"

۱۴ ستمبر سنہ ۱۸۴۳ء کو محاصرہ اٹھا لیا گیا اور برطانوی افواج ایک محفوظ مقام پر پہنچا دی گئیں۔ اسی دوران میں نیا گورنر جنرل نہایت بے چینی سے اپنے کلکتہ کے دور دراز مقام سے پنجاب کے فوجی حکام کی کاہلی کو ملاحظہ کر رہا تھا۔ اپنی حکومت کے ابتدائی مہینوں میں وہ اپنے کمانڈر ان چیف لارڈ گف کی مقامی واقفیت اور طویل تجربے کی تردید کرنے سے عاقبت اندیشانہ طور پر پرہیز کرتا رہا لیکن گرمی کے ختم ہونے سے پیشتر ہی اس نے اپنی رائے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے خفیہ کمیٹی کو تحریر کیا کہ "ہمارے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ پنجاب میں ایک جنگ عام کی تیاری کریں اور انجام کار پنجاب پر قبضہ کر لیں"۔ اس نے فوج میں ۱۷ ہزار آدمیوں کے بڑھانے کا بہت جلد فیصلہ کر کے حکم جاری کیا اور سندھ اور بمبئی سے پنجاب کی طرف فوجوں کو بسرعت تمام روانہ کیا۔ ۵ اکتوبر سنہ ۱۸۴۸ء کو بمقام بارک پور فوج کے ایک بہت بڑے ناچ کے جلسے کے موقع پر جس کا مقابلہ اُن جلسہ ہائے عیش سے کرنا موزوں ہوگا جو واٹرلو کی لڑائی کی شام کو منعقد ہوئے تھے۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے دوران تقریر میں کہا "اگر ہمارے دشمن جنگ کے خواہشمند ہیں تو ہم ان کی خواہش کو پورا کریں گے اور انتقام کے ساتھ پورا کریں گے"

گورنر جنرل فوراً ستلج کی برطانوی سرحد کو روانہ ہو گیا۔ سر رچرڈ ٹمپل نے اسکے

اگرے سے گزرتے وقت کی حالت ان الفاظ میں تحریر کی ہے کہ "وہ تازہ دم تھا اور اپنے عظیم الشان عہدے کے لحاظ سے نو عمر مگر چوکنا اور سنبھلا ہوا تھا" نومبر ۱۸۴۸ء میں لارڈ گف نے اپنی زبردست فوج کو عملی کارروائی کے لئے حرکت دی - ۲۰ ہزار آدمی اور تقریباً ۱۰۰ توپیں اس کی سرکردگی میں بسرعت تمام پنجاب میں سے گزرنے لگیں اب میدان جنگ میں اس کی تیزی اور روانگی کے لئے اس کی سابقہ کاہلی ہر دو مساوی تھیں - رام نگر میں - سالے کی خونریز غلطی کے بعد ۳ دسمبر کو سعد اللہ پور کا مشکوک معرکہ ہوا"

مگر اب افواج جنوب کی سمت سے ملتان کی طرف بڑھنی شروع ہو گئی تھیں - ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ء کو بمبئی کی امدادی افواج کے ملتان کے مقابل پہنچنے کے بعد وہاں جنرل وش کی ماتحتی میں ۱۷ ہزار فوج اور ۶۴ توپیں ہو گئیں - وہ محاصرہ جو ۱۵ ستمبر سے ساڑھے تین ماہ تک رکا رہا تھا - ۲ دسمبر کو دوبارہ شروع کر دیا گیا محصورین کی طرف سے زبردست بہادرانہ مدافعت کے بعد خوش قسمتی سے ایک پھٹنے والے انگریزی گولے سے ان کی بارود کا میگزین اڑ گیا - ۲ جنوری ۱۸۴۹ء کو شہر پر قبضہ ہوا - اور ۲۲ تاریخ کو ۷۰ برطانوی توپوں سے ....۴ گولے ملتان کے اندر پھینکے جانے کے بعد فصیل شہر بلا شرط حوالے کر دی گئی - اور مولراج نے خود کو انگریزی فوج کے سپرد کر دیا"

دریائے سندھ کے وسط کا مضبوط قلعہ سر ہو گیا - لیکن اس کی حوالگی سے ۹ دن پیشتر لارڈ گف کی زبردست فوج پر ایک سخت مصیبت نازل ہوئی - چلیانوالے کی لڑائی کی بابت یہاں صرف اسی قدر بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ لڑائی شام کے وقت ایک بہادر بوڑھے آدمی نے جوش کی حالت میں لڑی - اس لڑائی کا اور تمام برطانوی قوم نے ماتم کیا - ۱۳ جنوری کو خونریزی کی خبر دن کے انگلستان پہنچے پر لارڈ گف کو واپس بلا لیا گیا اور سر چارلس نیپیر کمانڈر ان چیف مقرر ہوا"

لیکن اس اثنا میں ملتان کی محاصر فوج نے اپنا کام ختم کر کے کمانڈر انچیف کی برباد شدہ افواج سے جا ملنے کے لئے شمال کی جانب حرکت کی - مگر چارلس نیپیر کے آنے سے پیشتر ۲۰ فروری ۱۸۴۹ء کو لارڈ گف نے اپنی کھوئی ہوئی شہرت کو پھر حاصل کر لیا اور

گجرات کی زبردست فتح کے بعد لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔ وہاں کی برطانوی افواج کے ۲۴ ہزار آدمیوں اور ۹۰ توپوں کے بالمقابل ۴۰ ہزار آدمیوں کی زبردست سکھ افواج اور ۶۰ توپیں تھیں۔ اور ہر دو صف آرا افواج کے درمیان لڑائی کے لیئے ایک کھلا ہوا میدان تھا۔ گجرات کی لڑائی میں خاص بات یہ تھی کہ وہ قبل از دوپہر شروع ہوئی اور اس طرح متعینہ مہم کو اپنا کام انجام دینے کے لیئے پورا دن مل گیا۔ یہ لڑائی ہر دو جانب توپخانے کے نہایت عظیم الشان مقابلے سے شروع کی گئی۔ برطانوی پیدل فوج مقام کے بعد مقام پر جس کو دشمن چھوڑتا جاتا تھا قابض ہوتی جاتی تھی اور برطانوی رسالہ سکھوں کی صفوں کو توڑتا اور تعاقب کرکے ان کو منتشر کر رہا تھا۔ سکھوں کی ۶۰ مصروف بیکار توپوں میں سے ۵۳ چھین لی گئیں ؎

لارڈ ڈلہاؤزی نے اس فتح کو تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ اب لڑائی کو اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ تمام لوگ جنھوں نے ہمارے خلاف ہتیار اٹھائے ہیں کامل طور پر شکست کھا کر منتشر ہو جائیں خواہ وہ سکھ ہوں یا افغان"۔ لڑائی کے دوسرے دن اس نے جنرل گلبرٹ کو بارہ ہزار سوار پیدل اور توپخانے کے ساتھ تعاقب کے لیئے بسرعت تمام روانہ کیا۔ اس تعاقب سے جو پنجاب کے میدانوں سے سرحد کی پہاڑی دیوار تک بسرعت تمام کیا گیا تھا سکھوں کی فوجی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ ۱۲۔ مارچ ۱۸۴۹ء کو بمقام راولپنڈی تمام سکھ افواج اور ۱۶۰ توپوں میں سے جو دوران جنگ میں انگریز لے چکے تھے ۴۱ بقیہ توپیں جنرل گلبرٹ کے حوالے کی گئیں۔ جس وقت سکھ فوج اپنی تلواروں ڈھالوں اور بندوقوں کے ڈھیر لگا کر اور سلام کرکے یکے بعد دیگرے غیر مسلح حالت میں برطانوی فوج کے پاس سے گزر رہے تھے اُن کے مغرب کی جانب گریزاں افغان اتحادیوں کا سختی سے پیچھا کیا جا رہا تھا۔ وہ درۂ خیبر کی پناہ میں نہایت بدحال ہو کر پہنچے اور انگریز تعاقب کنندوں سے بمشکل ۲۰ میل آگے تھے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ "افغان سوار پہاڑیوں سے شیروں کی طرح اتر کر آئے تھے اور کتوں کی طرح ان میں واپس بھاگ کر گئے" ؎

اب یہ سوال باقی تھا کہ پنجاب کے ساتھ کیا کیا جائے۔ ۱۸۴۶ء میں سوبراؤن کی

فتح کے باعث لارڈ ہارڈنگ کو حق حاصل ہوگیا تھا کہ پنجاب سے وہ فاتحانہ سلوک کرے۔
اور ۱۸۴۸ء میں گجرات کی فتح کے باعث لارڈ ڈلہاؤزی اس حق کو عمل میں لانے پر مجبور ہوا۔
ہم نے دیکھا ہے کہ ۱۸۴۶ء میں پنجاب کی پہلی لڑائی کے اختتام پر لارڈ ہارڈنگ نے
شیرخوار شہزادے کے حقوق کو برقرار رکھنے کے لیئے برطانوی افسروں کی وساطت
کے درمیانی ذرائع سے اس صوبے پر حکومت کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ طریقہ ناکامیاب
رہا۔ اور اس کے باعث مسلسل سازشوں کا ایک ایسا زمانہ آیا جس کے متعلق بہت سے
لوگ پیشین گوئی کر چکے تھے۔ اور یہ زمانہ عام بغاوتوں کی صورت میں ختم ہوا۔ ایسی
حکمت عملی کی صورت میں بغاوت یا سازش کی ایک مقامی چنگاری فوراً ہی عام طور پر بغاوت کی
آگ کو مشتعل کر سکتی تھی۔

پنجاب کے آئندہ انتظامات کا تصفیہ کرنے کے لیئے لارڈ ڈلہاوزی کے
صلاح کار ہر دو لارنس تھے۔ سر ہنری لارنس[1] سابق ریزیڈنٹ لاہور لڑائی کے شروع
ہوتے ہی اپنی بیماری کی رخصت پر سے انگلستان سے فوراً واپس چلا آیا۔ اس کی یہ
رائے تھی کہ پنجاب پر تسلط کرنا قرین انصاف مگر مصلحت کے خلاف ہوگا۔ اگرچہ[2] اسکا
بھائی جان بعد ازاں لارڈ لارنس جو بطور ریزیڈنٹ کے بھی کام کر چکا تھا اگرچہ ہنری کی
طرح کسی الحاق کا موئد نہ تھا مگر اس معاملے میں وہ مصر تھا کہ تسلط نہ قرین انصاف ہے
بلکہ ضروری اور مصلحت آمیز ہے۔

لارڈ ڈلہاؤزی نے ان تمام کوششوں کی پوری طرح نظر ثانی کر کے جو سکھوں
کی قوم کو بلا الحاق کیئے ایک حلیف طاقت بنانے میں صرف ہوئی تھیں یہ فیصلہ کیا کہ
برطانوی حکومت کے لیئے سوائے الحاق کے اب کوئی طریقہ باقی نہیں ہے اس نے لکھا کہ ایک
سابقہ موقع پر میں اس تجویز سے بدل متفق تھا جو اس ملک کے الحاق کو ترک کرنے کے
متعلق سوچی گئی تھی۔ میں اس اصول سے بھی متفق ہوگیا تھا کہ حکومت ہند کو اپنے ممالک

---

[1] کتاب موسومہ "لائف اوف سر ہنری لارنس" مصنفہ سر ہربرٹ ایڈورڈز و ہرمن مری وال۔ جلد دوم
صفحہ ۱۲۹ مطبوعہ ۱۸۷۲ء۔

[2] ایضاً صفحہ ۱۲۹

میں اضافہ کرنے کی خواہش نہیں کرنی چاہیئے۔ اور میں اسی رائے پر اب بھی قائم ہوں" لیکن اس کی ذاتی رائے سے بھی زیادہ اہم واقعات نے اب لارڈ ڈلہاؤزی کو قائل کر لیا تھا کہ پنجاب میں اسوقت تک ہرگز امن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہاں کے لوگوں کے پاس جنگ کرنے کے موقعے اور ذرائع باقی رہنے دیئے جائیں گے۔ ہندوستان میں امن کی اوس وقت تک ضمانت نہیں ہو سکتی جب تک، کہ ہم سکھوں کو پوری طرح مطیع نہ کر لیں۔ اور ان کی قوم کی خود مختارانہ حیثیت کو برباد نہ کر دیں[ع۱]"

واقعات کی یہ صورت تھی اور لارڈ ڈلہاؤزی نے اب پنجاب کے فریب آمیز الحاق کرنے انگریزی افواج کے ذریعے اس پر قبضہ رکھنے اور برطانوی افسروں کے توسط سے اس پر حکومت کرنے اور اس کے ساتھ ہی اپنی حکومت کو کسی دیسی شاہزادے کے نام سے منسوب کرنے کی حماقت کو جتا دیا۔ اس نے کہدیا کہ اس طریقہ پر عملدرآمد کرتے ہوئے یہ حیلہ کرنا کہ "ہم نے پنجاب کی خود مختارانہ حکومت کو محفوظ رکھا ہے مضحکہ انگیز امر ہوگا"۔ اس نے یہ بھی کہا کہ "نمائشی تخت کا قایم رکھنا بھی ہماری جانب سے سکھوں کے دلوں میں ان کی قومی حکومت کی یادگار کو کافی طور پر زندہ رکھنے اور دائمی سازشوں کے لئے مواد فراہم رکھنے کے برابر ہوگا۔ ہم کو تمام زحمت۔ تمام تفکرات اور پوری ذمہ داری کو جو اُن ملکوں کے حقیقتاً ہماری ملکیت ہو جانے کی صورت میں لاحق ہوتیں برداشت کرنا پڑے گا مگر اس کے مقابلے میں ہم اُن فوائد سے محروم رہیں گے جو آمدنی میں زیادتی اور مسلمہ مقبوضات سے حاصل ہوتے ہیں"۔

لارڈ ڈلہاؤزی کو اس کا سخت افسوس تھا کہ سکھ قوم کو موثر طور پر زیر اقتدار کرنے کی ضرورت کے باعث اُن کے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو جو ابھی لڑکا ہی تھا بے حق کرنا پڑتا تھا لیکن اس معاملے کی ضرورتوں کو نہایت غور و فکر کے ساتھ سوچنے کے بعد وہ لکھتا ہے "اس حالت

ع۱ وہ تمام طویل سرکاری دستاویز جس میں لارڈ ڈلہاؤزی نے پنجاب کے الحاق کے متعلق مجلس نظما کو لکھی ہے غور سے پڑھی جانی چاہیئے۔ صرف سابقہ اور آئندہ کے چند اقتباسات موجودہ کتاب میں قلت کی وجہ سے میں نقل کر سکا ہوں مگر اُن سے اصلی دستاویز کی اہمیت کا حق ادا نہیں ہوتا آرنلڈ کی کتاب "مارکوئیس آف ڈلہاؤزی کا عہد حکومت" کی پہلی جلد کے صفحات ۲۰۵ تا ۲۱۹ مطبوعہ سنہ ۱۸۶۲ء میں جو منقول عبارت نقل کی گئی ہے وہ بھی مکمل نہیں ہے۔

ہیں کہ میری اچھی طرح تسلی ہوگئی ہے کہ اپنی سلطنت کی سلامتی کی خاطر ہم کو سکھوں کی قوم کا جبراً مطیع کرنا لازمی ہے تو میں اس ضروری کارروائی کو صرف اس لیئے ترک نہیں کر سکتا کہ اس قوم کو حقیقی طور پر مطیع کرنے پر بادشاہ کی تخت سے علیحدگی بھی لازمی ہو جائے گی۔ میں ایک بچے کے انجام پر بے وقت اور نامناسب رحم کی خاطر اُس فرض کی ادائی سے مُنہ نہیں پھیر سکتا جسکا بار لاکھوں برطانوی رعایا کی سلامتی اور خوشحالی کے لیئے مجھ پر پڑا ہوا ہے" ۵۰ ہزار پونڈ سالانہ بطور پنشن، اور شہزادگی کے خطاب کو برقرار رکھکر اس بچے کے گزارے کے لیئے معقول انتظام کر دیا گیا۔[۱]

لارڈ ڈلہاؤزی کی تحریر ہے کہ "اپنے اوپر خود عائد کی ہوئی ذمہ داری کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہوئے مجھ کو اپنی کارروائی کے مناسب، درست اور اشدِ ضروری ہونے کا بلا شبہ یقین ہے۔ جو کچھ میں نے کیا ہے وہ اپنے ضمیر کی صفائی اور دیانتدارانہ یقین کے ساتھ کیا ہے کہ سلطنت کی جانب سے میرے فرائض مجھ کو اس کارروائی پر حکماً مجبور کرتے ہیں"۔[۱]

مجلس نظما۔ پارلیمنٹ اور انگریزی قوم نے بھی پنجاب کے الحاق کی کارروائی کو قبولیت کی نظر سے دیکھا لیکن شاید اُس کے لیئے سب سے زیادہ خوش کرنے والی وہ وزنی رائے تھی جو لارڈ ہارڈنگ یعنے اُس شخص نے ظاہر کی جس نے ۱۸۴۶ء میں پنجاب کی پہلی لڑائی کے اختتام پر جماعت منتظمہ کی درمیانی پالیسی کو قائم کیا تھا۔ لارڈ ہارڈنگ نے سر ہنری لارنس کو لکھا کہ "یہاں کے متوسلین میں سے، ایک فریق کہتا ہے کہ سکھوں کی قوت اور اُن کے شریر مزاج الحاق نہ کرنے کی دلیل ہے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہی ایسی دلیل ہے جس کے باعث اگر میں وہاں ہوتا تو الحاق کرنے پر مستعد ہو جاتا۔ اگر میں اُس دستور العمل سے اجتناب نہ کروں جسے میں ایک زمانے میں صحیح سمجھتا تھا اور غرض یہ ہو کہ اجتناب کرنے سے مجھ کو تناقض کا مجرم ٹھیرایا جائیگا تو میرا یہ فعل شرمناک ہوگا"۔[۱]

اس پر اس شریف مزاج گورنر جنرل کے اُس صاف اقرار کا ہی بلند ہوگا جس کی

۱۔ لائف اوف سر ہنری لارنس۔ جلد دوم صفحہ ۱۳۲۔ ایڈیشن ۱۸۷۲ء۔ لارڈ ہارڈنگ کی چٹھی مورخہ ۲۴ مارچ ۱۸۴۹ء

پنجاب برِ بلا الحاق کیے حکومت کرنے کی تجویز ناکارہ ثابت ہوئی تھی کہ سرہنری لارنس بھی قائل ہوگیا اور اُس نے اچھا کیا کہ لاہور کے ریزیڈنٹ کے عہدے کی بابت اپنا استعفا واپس لے لیا۔ یہ استعفا اُس نے لارڈ ڈلہاؤزی کے ہاتھ میں اُس وقت دیا تھا جبکہ اس کو معلوم ہوگیا تھا کہ رائے مخالفِ الحاق کو مسترد کر دیا گیا ہے اور پنجاب برطانوی صوبہ بننے والا ہے[1]۔

اس طرح ہندوستان میں اپنی آمد کے تقریباً ایک ہی سال کے اندر نوجوان گورنر جنرل سلطنت میں ایک وسیع ملک ایزاد پر مجبور رہا۔ نئے ممالک کی بہبودی کی خاطر اپنے افکار میں منہمک رہنے کے باوجود وہ اُن دونوں معمولی طور پر کھدی ہوئی قبروں کو نہیں بھولا جن کو اجنبی ہاتھوں نے جلدی میں کھودا تھا۔ اور جن کی خون آلودہ مٹی سے پنجاب کی فتح کا شجر پھوٹا تھا۔ وینس ایگنیو اور اینڈرسن کی لاشیں احترام کے ساتھ اُن کی ادنیٰ درجے کی آرام گاہوں سے نکالی گئیں اور فاتح و مظفر برطانوی فوج نے اُن کو اُس اونچے چبوترہ پر دفن کیا جو ملتان کے قلعے کا سب سے بلند مقام ہے۔

اس تاریخی بلند مقام سے جو دریائے سندھ کی تمام وسطی وادی کو اپنے زیرِ اثر رکھتا ہے۔ یونانی۔ ہندو۔ مسلمان۔ سکھ اور برطانوی فاتحین نے یکے بعد دیگرے مغرورانہ طور پر نیچے کی طرف نگاہ دوڑائی ہے ان فاتحین کی سکندرِ اعظم سے جو ملتان پر حملے کے وقت زخمی ہوگیا تھا ابتدا ہوئی اور آئندہ بائیس صدیوں تک برابر اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔ جب میں اُس زبردست مینار کے قریب کھڑا تھا جو دونوں نوجوان افسروں کی قبر پہ ۷۰ فٹ بلند ہے اور جہاں سے ارد گرد کا میدان ۲۰ میل تک نظر آتا ہے۔ اُس وقت میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ مدفن کے لیے یہ مقام واقعی نہایت شاندار ہے۔ چاروں طرف گزشتہ بہادروں کی نہایت قدیمی یادگاریں تھیں یا رہٹ کی کڑ کڑاہٹ کی آواز تھی جو گنّوں کے کھیتوں میں سے متواتر اوپر آرہی تھی جہاں موجودہ زمانہ امن کی مشقتوں کے لیے پانی کھینچا جا رہا تھا۔

کلکتے کے گرجا میں ایک خوبصورت سنگِ مرمر کی لوح پر مفصلہ ذیل عبارت کندہ ہے کہ

---

[1] لائف اوف سرہنری لارنس۔ جلد دوم صفحہ ۱۴۴۔ ایڈیشن ۱۸۷۲ء

"نہ تو اس پتھر کے قریب اور نہ کسی متبرک سرزمین میں بلکہ ہندوستان کی
برطانوی سلطنت کی انتہائی سرحد پر بنگال سول سروس کے پیٹرک الگزنڈر وینس اگنیو اور
اینڈرسن لفٹننٹ اول بمبئی فیوسی لر رجمنٹ۔ دونوں نائب رزیڈنٹوں کی لاشیں مدفون ہیں
جن کو حکومت کی جانب سے ملتان کے صوبہ دار دیوان مولراج کی خواہش پر اُس کے
اختیارات اور قلعے کو لے لینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ۱۹ اپریل ۱۸۴۸ء کو قلعے کی سپاہ نے
اُن پر حملہ کر کے زخمی کیا۔ سکھ محافظین نے دغابازی کر کے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا اور دوسرے دن
رسوم مہماں نوازی اور قومی عہد و پیمان کو توڑ کر عیدگاہ میں ملتان کی دیواروں کے نیچے اُن کو
وحشیانہ طور پر نہایت سفّاکی سے قتل کر ڈالا"
وہ یہ دونوں نوجوان سرکاری ملازم۔ ۲۵ اور ۲۸ سال کی عمر میں بڑی بڑی آرزوؤں
فضائل و محاسن اور آئندہ فوائد کے دعووں کا خاتمہ کر کے چل بسے اور اس طرح موت کے
وقت بھی اُس نے ملک کے اعزاز کو برقرار رکھا۔ زخموں اور تنہائی کے باعث وہ کسی مدافعت
یا مقابلے کے قابل نہ تھے لیکن ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نہایت سکون کے عالم میں اپنے
حملہ آوروں کے منتظر تھے۔ نہایت شریفانہ طور پر اُنھوں نے اطاعت سے انکار کیا۔
اور اُس دن کی پیشین گوئی کی جب کہ ہزاروں انگریز آ کر اُن کی موت کا انتقام لیں گے
اور مولراج اُس کی فوج اور قلعے کو برباد کر دینگے"
"تاریخ شاہد ہے کہ یہ پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی ۲۲ جنوری ۱۸۴۹ء میں
اُن کے فاتح برادران وطن اور سپاہیوں نے اُن کو فوجی اعزاز کے ساتھ لیجا کر اُس قبر میں
دفن کیا جو مفتوحہ قلعے کے سب سے بلند مقام پر کھودی گئی تھی
برطانوی سلطنت کے ساتھ پنجاب کا الحاق اُس لڑائی کا نتیجہ تھا جس کی
ابتدا ان کے قتل سے ہوئی تھی"

۱/۱ ۱۸۴۹ء۔ ہندوستان کی ہماری یادگاروں اور قبروں کے اُن کتبوں کا افسوس ہے جو نامکمل پڑے ہوئے ہیں

باب چہارم

سلطنت پنجاب کا نظم و نسق

پنجاب کا الحاق کرنے کے بعد لارڈ ڈلہاوزی نے وہاں نہایت زبردست نظم و نسق قائم کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ ابتدائی انتظام کی شکل تو ایک فوجی گورنمنٹ کی سی تھی جو کہ چھ سال پیشتر سندھ کے نومفتوحہ صوبے کے لیئے اختیار کیا گیا تھا۔ سپاکمانڈر انچیف سر چارلس نیپیر جس نے ۱۸۴۳ء میں اس طریقے کو رواج دیا تھا اور جو اب تک اُس کا نہایت زور و شور سے مؤید تھا وہ لارڈ ڈلہاوزی کا معین و مددگار تھا۔ لیکن اُس کے صلاح کاروں میں اُسکی کونسل کے وہ باا‌ثر سویلین ممبر بھی تھے جن کو یقین تھا کہ کسی برطانوی صوبے میں فوجی حکومت کا اجرا معیوب ہے اور جن کا مقبول اور دل پسند طرزِ حکومت باقاعدہ ملکی طریقۂ انتظام تھا۔ لارڈ ڈلہاوزی نے ان ہر دو متضاد طریقوں میں سے ایک کو بھی اختیار نہیں کیا بلکہ اُس نے اپنے لیئے ایک ملا جلا طریقۂ حکومت اختراع کیا جس میں فوجی قوت کے ساتھ ملکی طریقۂ عدالت بھی شامل تھا۔ اور مساوی تناسب سے تربیت یافتہ انتظامی اور فوجی افسر اُس میں شریک تھے۔ اپنے کمانڈر انچیف کی زبردست مخالفت کے باوجود اُس نے اس طریقے کو جاری کر دیا۔ اور سپہ سالارِ مذکور کی تحریر اس امر کے متعلق موجود ہے کہ اگر وہ ہندوستان میں اپنی مرضی کے مطابق کارروائی کر سکتا تو کسی ہندوستانی پرنس (حکمران) کا وجود باقی نہ رہتا اور صرف ہندوستانی فوج ہی مشرق میں جزو کل کی مختار ہوتی [۱]

مگر لارڈ ڈلہاوزی کے راستے میں سر چارلس نیپیر کے اُن غضب آلود الفاظ سے بھی زیادہ اہم ایک اور مشکل حائل تھی۔ اُس کا پیشرو لارڈ ہارڈنگ ایک پرانا سپاہی تھا

---

[۱] نقل از کتاب موسومہ "لائف اوف سر ہنری لارنس" جلد دوم صفحہ ۱۳۳۔ مطبوعہ ۱۸۷۲ء و کتاب "لائف اوف لارڈ لارنس" مصنفہ بوسورتھ اسمتھ۔ جلد اول صفحہ ۲۹۲۔ مطبوعہ ۱۸۸۵ء

جس نے ملکی انتظام کی انجام دہی کا کام نہایت خوشی سے دوسروں کے سپرد کر دیا تھا۔
سر ہنری لارنس پر لارڈ ہارڈنگ کو کامل اطمینان تھا اور اُس کی بابت ذکر کرتے وقت
یا اُس کو لکھتے وقت لارڈ ہارڈنگ کے لہجے سے ہمیشہ برادرانہ محبت کا اظہار ہوتا تھا۔[۱]
بلاشبہ لارڈ ہارڈنگ نے سر ہنری لارنس کے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ برادرانہ
حیثیت سے بھی زیادہ اچھا برتاؤ کیا۔ ایک لارنس یعنی جان لارنس پنجاب کے اُن
مشرقی اضلاع پر حکمراں تھا جس کا سکھوں کی پہلی جنگ کے ختم ہونے پر الحاق کیا
گیا تھا۔ دوسرا لارنس یعنی جارج پنجاب کے وسیع مغربی حصے یعنی پشاور پر قابض تھا۔
تیسرا لارنس یعنی ہنری وسطی اضلاع پر حکومت کر رہا تھا اور لاہور میں ریذیڈنٹ کی حیثیت سے
تمام پنجاب اُس کے زیر اقتدار تھا۔ جب ہنری لارنس آرام کرنے کی خاطر عارضی طور پر
اپنے فرائض سے سبکدوش ہوا تو اُس کی بجائے جان قائم مقام ریذیڈنٹ ہوا ؏
پنجاب کے حکمراں افسروں میں زیادہ تر ان تینوں لارنس کے دوست شامل تھے
اور پنجاب میں عملی طور پر خاندان لارنس مربیانہ حیثیت رکھتا تھا اور یہاں کے افسروں کی
برائی بھلائی اُن ہی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ انگلستان کی خوش قسمتی تھی کہ یہ تینوں بھائی اُس
ذمہ داری کے اہل ثابت ہوئے جو ان پر ڈالی گئی تھی ؏
لیکن یہ ذمہ داری ایسی تھی جس کو کوئی گورنر جنرل جسے حکمرانی کے کامل اختیارات
بھی حاصل ہوں ایک ہی خاندان کے سپرد کر دینا جائز نہیں رکھ سکتا تھا۔ خواہ وہ خاندان
کیسا ہی ممتاز کیوں نہ ہو۔ کونسل کے رتبے کا بھی ایک افسر کہا کرتا تھا کہ خاندان لارنس
اور لاہور کے معاملات میں خود اُس کی "سہولت اور آرام کا کبھی خیال نہیں کیا جاتا تھا"۔ لوگ
کہتے تھے کہ لارڈ ہارڈنگ نے پنجاب میں سہ لارنس برادران کی مشترکہ حکومت بنا دی ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ وہ پرانا سپاہی بھی اپنی حکومت کے آخری ایام میں اس الزام سے بے خبر نہ تھا۔
جب ہنری لارنس نے ۱۸۴۷ء کے آخر میں انگلستان جانے کے لیے بیماری کی رخصت حاصل کی تو
لارڈ ہارڈنگ نے اُس کے بھائی جان کو اُس کی بجائے لاہور کا ریذیڈنٹ بنانے سے انکار
کر دیا۔ اور ایک تجربہ کار افسر سر فریڈرک کری کو بنگال میں سے مقرر کر کے بھیج دیا۔ آئندہ گرمی کے

۱۔ لائف اوف سر ہنری لارنس - جلد دوم - صفحہ ۲۱۸ مطبوعہ ۱۸۷۲ء ؏

موسم میں پنجاب میں سکھوں کی بغاوت کا حال سن کر ہنری لارنس نے جو اب سر ہنری ہو گیا تھا انگلستان میں رہنے کے لئے اپنی بیماری کی رخصت کو ترک کر دیا اور ہندوستان کو جلدی واپس چلا آیا جس کی بابت ہم کو علم ہو چکا ہے [1]

واپسی کے وقت اُس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات چکر لگا رہے تھے۔ اُسے کامل یقین تھا کہ پنجاب میں اُس کی موجودگی سب باتوں سے زیادہ ضروری ہے اور اس سبب سے اُس نے غلطی سے حکومت کے لئے اپنی ذات کو لازمی سمجھا۔ مجلس نظماء نے اس کے فوراً لاہور واپس چلے جانے کی بے تابانہ خواہش کو حاکمانہ متانت سے سُنا۔ سر ہنری [2] نے لکھا کہ ناظموں کے اس مہذب تغافل سے میں دل شکستہ سا ہو گیا ہوں۔ مگر وطن سے باہر اُس کا یہ سفر اُس کے برہم مزاج کو تسکین دینے والا ثابت نہ ہوا۔ بلاشبہ لارڈ ڈلہاؤزی نے اُس کو یقین دلایا تھا کہ "میں وعدہ کر چکا ہوں کہ ایک سال ختم ہونے پر واپسی کے وقت لاہور میں تم دوبارہ مقرر کر دیئے جاؤ گے۔ اور یہی ہو گا بھی"۔ لیکن یہ سنکر کہ ملتان میں کچھ ایسی کارروائیوں پر غور ہو رہا ہے جو کسی تماشا گاہ کے لئے زیادہ موزوں ہونی چاہئیں یعنی مولراج باغی کے اس امید میں اپنے آپ کو سر ہنری کے آتے ہی حوالے کر دینے کی بابت کہ مفید مطلب شرائط اُس کے پہنچتے ہی طے ہو جائینگی لارڈ ڈلہاؤزی نے فوراً واپس آتے ہوئے رزیڈنٹ کو لکھا کہ "میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں مولراج کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کرونگا اور سوائے غیر مشروط حوالگی کے کسی شرط کو نہیں سنونگا"۔ نہایت ہی چھان بین کے ساتھ اُس کے معاملے کی تحقیقات کرنے کے بعد مولراج کو عبور دریائے شور کی سزا دی گئی [3]

سر ہنری نے اب تک اس امر کو محسوس نہیں کیا تھا کہ اُس کا معاملہ لارڈ ہارڈنگ جیسے گورنر جنرل سے نہیں ہے جس کے مزاج میں عورتوں کی سی نرمی تھی۔ فوج کے صدر مقام پر پہنچتے ہی اُس نے لارڈ ڈلہاؤزی کی ہدایات کے مطابق سکھوں کے نام ایک

---

[1] لائف آف سر ہنری لارنس۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۰۳۔ مطبوعہ ۱۸۷۲ء

[2] بوسورتھ اسمتھ کی "لائف آف لارڈ لارنس" جلد اول صفحہ ۲۳۳۔ مطبوعہ ۱۸۸۵ء

[3] لائف آف سر ہنری لارنس جلد دوم صفحہ ۱۱۸

اعلان شائع کیا لیکن وہ لارڈ ڈلہاؤزی کے تجویز کردہ مفہوم سے نہایت ہی مختلف تھا۔ جواب میں جو خط لارڈ ڈلہاؤزی نے تحریر کیا اُس کو میں باوجود طوالت کے اس لیئے یہاں نقل کرتا ہوں کہ اُس خط میں وہ شرائط صاف صاف بیان کردی گئی تھیں جنکی پابندی کی حالت میں سر ہنری لارنس پنجاب میں اپنے عہدے پر رہ سکتا تھا۔

"اس گفتگو کے دوران میں جو چند روز ہوئے میں نے تم سے کی تھی میں نے تم سے کہدیا تھا کہ اس سلطنت میں جو میرے سپرد کی گئی ہے سرکاری اُمور کی انجام دہی کی بابت میرا طریق عمل خاص کر سرکاری ملازمین کے ساتھ یہ ہے کہ بلا کسی اخفا کے بالکل کھلم کھلا گفتگو کروں اور اپنے مافی الضمیر کو کسی پیچدار گفتگو کے ذریعے پوشیدہ نہ کروں اور الفاظ کو چبا چبا کر بیان نہ کروں۔ اور اپنے اسی طریقے کے مطابق اب میں اُس اعلان پر رائے زنی کرنا چاہتا ہوں جس کو تم نے تجویز کیا ہے۔ وہ مضمون کے لحاظ سے قابل اعتراض ہے کیونکہ اُس کی تحریر کے اُن الفاظ میں اُن لوگوں کو جو اس شرمناک جنگ میں مصروف ہیں بہتر شرائط اور عفو تقصیر کی اس قدر امید دلائی گئی ہے جس کا ان کے لیئے منظور کرنا میں بعید از انصاف سمجھتا ہوں۔ اُس کا لہجہ بھی قابل اعتراض ہے کیونکہ (بلاشبہ نادانستگی میں) اس کا تمام لب و لہجہ اُس کو گورنمنٹ کی بجائے جس کے تم نمائندے ہو تمہاری شخصیت کو بہ حیثیت لاہور کے رزیڈنٹ کے ظاہر کر رہا ہے جس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ معاملات کی ایک نئی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ تمہارا اس خواہش سے چلا آنا کہ پنجاب میں امن قائم ہو جائے پنجاب میں گورنمنٹ کی جنگجویانہ کارروائیوں پر بھی موثر ہوگا اور تم سکھوں کے حق میں بطور صلح کرانے والے کے ہو اور اُن کے اور گورنمنٹ کے مابین تمہاری ایک علحدہ حیثیت ہے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ گورنمنٹ اور اُسکے کارپردازوں میں کامل یگانگت ہونی چاہیئے خواہ وہ کوئی ہو۔ میں کسی ایسی بات کے کہنے یا کیئے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے یہ خیال پیدا ہو سکے کہ گورنمنٹ ہند کی پالیسی یا اُسکے ارادے پنجاب میں بحیثیت رزیڈنٹ تمہاری یا سر فریڈرک کری کی موجودگی پر منحصر ہیں۔"

معاملات کی یہ تشریح جو اُس پر کی گئی تھی سر ہنری لارنس کو بادل ناخواستہ قبول کرنی پڑی۔ سر ہنری کی زبردست قابلیتوں کی لارڈ ڈلہاؤزی پوری قدر کرتا تھا۔ اُس کے بہادرانہ مزاج کے باعث وہ اُس کا مداح بھی تھا اور ہمدرد بھی۔ جس حد تک درگزر کرنا قابل برداشت

ہوسکتا تھا وہ عالی حوصلگی سے اُس کے عیوب سے درگزر کرتا تھا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جہاں تک اُس کا بس چلے گا وہ پنجاب کو ایسے شخص کی خدمات سے محروم نہ کریگا۔

جب سر ہنری نے یہ دیکھ کر کہ اُس کے الحاق کے مخالف مشورے کو مسترد کر دیا گیا ہے استعفا داخل کیا تو لارڈ ڈلہاؤزی نے اپنے سکرٹری اُمور خارجہ کو بھیجا تاکہ وہ اُس سے اُن اسباب کو بیان کرے جن کے باعث خود سر ہنری کے نقطۂ نظر سے استعفے کی کارروائی کا نامناسب اور غیر ضروری ہونا ثابت ہو جائے۔ جب سر ہنری نے اپنا استعفا واپس لے لیا تو لارڈ ڈلہاؤزی نے اس واقعہ کو اپنے اس زود رنج نائب کے اوصاف کی قدر و منزلت پر موثر نہ ہونے دیا۔ ۱۳ فروری ۱۸۴۹ء کو اُس سے کہا۔ "تم مجھ پر اپنی رائے کا صفائی کے ساتھ اظہار کیا کرتے ہو اور میں توقع رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی ایسا ہی کرتے رہو گے۔ اگر ہماری رائے میں اختلاف ہوگا تو میں تم سے کہدوں گا لیکن میرے اس کہنے کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ میں تم پر اعتماد نہیں کرتا" ؎

اس میں ذرا شک نہیں کہ باہر والوں کو یہی معلوم ہوتا تھا کہ لارڈ ڈلہاؤزی نے بھی خاندانِ لارنس پر اُسی قدر انحصار کر لیا تھا جس سے اُس کے پیشرو کی حکومت متمیز تھی۔ وہ تینوں بھائیوں کا دلی مداح تھا اور تینوں کو اُس نے نہایت اہم سرکاری خدمات تفویض کی تھیں۔ سر چارلس نیپیر نے تحریر کیا کہ "لارنس خاندان کے لوگوں کو جبراً لارڈ ڈلہاؤزی کو قبول کرنا پڑا ہے" اور اس حقیقت کی اُس کی یہ سرسری سی رائے زنی ہمیشہ کے لئے یادگار رہ گئی۔ مگر تاریخی امر واقعہ یہ ہے کہ لارڈ ڈلہاؤزی نے اراکین خاندان لارنس سے اپنی زبردست مرضی کے مطابق عمل کرایا۔

ان ہر دو ذی مرتبت بھائیوں میں سے جو زیادہ زبردست تھا وہ شروع ہی سے گورنر جنرل سے بدل متفق تھا۔ لارڈ لارنس کا سوانح نویس لکھتا ہے کہ جب لارڈ ڈلہاؤزی نے دریافت کیا کہ اب پنجاب کے معاملے میں کیا کرنا چاہیئے تو نوجوان لارنس نے جو بخوبی واقف تھا کہ سوال کنندہ نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ مفتوحہ علاقے کا بہر صورت الحاق کرے نہایت مخصوص اختصار کے ساتھ جواب دیا کہ اُسکا الحاق اب کر لینا چاہیئے۔

؎ بوسورتھ اسمتھ کی لائف آف لارڈ لارنس جلد اول صفحہ ۲۴۴ - مطبوعہ ۱۸۸۵ء

ہنری گورنر جنرل سے نہ تو شروع ہی میں متفق تھا نہ بعد میں ہوا۔ سر ہنری کا مداح مورخ لکھتا
ہے کہ "اگر ڈلہاؤزی کے بجائے ہنری ہوتا تو مخالفت کی صورت میں وہ یقیناً اپنے
مقرب ترین آدمی سے اپنا پیچھا چھڑا لیتا گو وہ مخالفت عدول حکمی نہ ہوتی بلکہ محض رائے
کا اختلاف ہوتا۔ جیسا کہ لارڈ ڈلہاؤزی کی جانب سے ہوا تھا"۔ مگر لارڈ ڈلہاؤزی نے
اُس سے زیادہ دانشمندانہ طریق اختیار کیا۔

اُس نے آغاز ہی میں ہنری لارنس کو صاف صاف بلکہ سختی کے ساتھ بتا دیا
تھا کہ وہ پنجاب میں کن شرائط پر اُس کی نیابت کی خدمت کو جاری رکھ سکتا ہے۔ ہنری
لارنس نے ان ہی شرائط پر بجا آوریٔ خدمات کا تصفیہ کر لیا۔ جب اُس کی الحاق کی
مخالف رائے کو مسترد کر دیا گیا تو ہنری لارنس نے اس معاملے پر خود ہی خوب غور کرنے کے
بعد الحاق کی پالیسی کو منظور کر لیا۔ لارڈ ڈلہاؤزی کے زمانے میں پنجاب میں اپنی چار سالہ
خدمات کے دوران میں اس کی اپنی رائے گورنر جنرل کی رائے سے خواہ کتنی ہی
مخالف ہوتی تھی مگر وہ محض گورنر جنرل کی ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہوتا تھا۔ ان
چار سال کے بعد جب لارڈ ڈلہاؤزی نے جان اور ہنری لارنس میں سے ایک
کو پنجاب کی چیف کمشنری کے لئے انتخاب کرنا چاہا تو اُس نے جان کا انتخاب
کیا لیکن اُس نے ہنری کو ایک قریبی صوبے میں اعلیٰ پائے کے ایک عہدے پر
مقرر کر کے اس کی تنخواہ کو اُسی رقم کے مساوی کر دیا جو وہ پنجاب میں لے رہا تھا۔
سنہ ۱۸۴۹ء میں اراکین خاندان لارنس پر یہ ظاہر کر چکنے کے بعد کہ وہ پنجاب
میں اپنے اصولوں اور طریقوں کے مطابق حکومت چاہتا ہے لارڈ ڈلہاؤزی نے
مقامی افسران حکومت کا ایسا انتظام کیا کہ اُن کی رہنمائی کا کام اُس کے اپنے ہاتھ
میں رہے۔ ان بھائیوں میں سے ایک یا دوسرے کو چیف کمشنر مقرر کرنے کے
بجائے اُس نے اُن کے ساتھ ایک تیسرے افسر کو شامل کر کے اُن کو ایک
بورڈ (جماعت) کی صورت میں منتقل کر دیا۔ خاصکر نو مفتوحہ صوبہ کے انتظام کیلئے
یہ تجویز باہر والوں کو نامناسب معلوم ہوتی تھی۔ سر چارلس نیپیر نے بھی اس کے متعلق
اپنے تلخ الفاظ کا اظہار کیا اور لکھا کہ "بورڈ یعنی جماعتوں سے شاذ و نادر ہی کسی قابلیت کا اظہار
ہوتا ہے۔ اور پنجاب کا بورڈ اُس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا"۔ اس سے

گر ترسٹر فیمین نے تحریر کیا کہ "وہ اپنی ابتدا ہی سے خود اپنی تردید آپ کرتی ہے" اور
مسٹر ہنری لارنس کے مورخ کی نگاہ میں تو قدرتاً "اس تدبیر کا منشا مختلف الرائے اہل کونسل
کے معمولی عیوب کو اور زیادہ بڑھانا جہاں فیصلہ کن اور عملی کارروائی کی ضرورت ہو وہاں
اراکین کونسل کو باہمی تصفیے پر مائل کرنا پھر ان میں نیم پوشیدہ اختلافات اور ان کے بعد
باہمی انقراض و انخلال ہوا کرتا تھا" آگے چل کر ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ لارڈ ڈلہاؤزی ایسی
منتظم جماعتوں (بورڈ) کو خود بھی پسند نہیں کرتا تھا اور ایک تو مفتوحہ صوبے پر اقتدار قائم
رکھنے کے لئے جماعت انتظامیہ کی کمزوریوں سے وہ بخوبی واقف تھا لیکن پنجاب
کے لئے ایک بورڈ ہی وہ آلۂ حکمرانی تھا جس کو اُس نے پسند کیا تھا کیونکہ اُسکا منشاء
بورڈ کو حکمران قوت بنانے کا نہ تھا بلکہ اُس کا ارادہ تو یہ تھا کہ حکمران قوت خود اُس کے
ہاتھوں میں ہو۔

انگریزی سلطنت ہند میں یہ ایک عجیب اور نہایت مشکل تجربہ تھا اور وہ شاندار
کامیابی جو اس تجربے سے حاصل ہوئی اس کا پہلا سبب لارڈ ڈلہاؤزی کی بہترین دماغی
قابلیت اور دوسرا سبب وہ حکام تھے جو اس پالیسی پر عمل کرنے کے لئے منتخب
کئے گئے تھے۔ ہر دو لارنس اور مسٹر چارلس گریوائل مینسل اُس بورڈ کے اراکین تھے
اُن کی ذمہ داریاں مشترک مگر ہر ایک کا محکمہ جدا جدا تھا۔ مسٹر مینسل نے جو ایک
باقاعدہ منظم یافتہ صوبے سے آیا تھا اور تجربہ کار سویلین تھا آسانی کے ساتھ مگر کارگر
طور پر پنجاب کا عدالتی (جوڈیشل) کام سنبھال لیا۔ جان لارنس نے جو ایک محنتی اور
زبردست افسر مال تھا مالگزاری اور آمدنی کے طریقے کو ایسی بنیاد پر قائم کیا جو رعایا کے لئے
بھی مفید اور حکومت کے لئے بھی فائدہ مند تھا سر ہنری لارنس کو اس کی سپاہیانہ اور
مدبرانہ حیثیت کے لحاظ سے فوجی استحکامات اور مطیع شدہ سرداروں اور سکھ تعلقہ داروں
کے ساتھ انگریزی تعلقات کا محکمہ دیا گیا۔ بورڈ کا صدر بھی وہی مقرر ہوا تھا۔

مگر اپنی تدابیر کی کامیابی کے واسطے لارڈ ڈلہاؤزی تمام و کمال انحصار بورڈ کے
ممبروں پر نہ تھا گو کہ وہ قابل ضرور تھے۔ اُس کی تجویز تھی کہ پنجاب کے ارکان حکومت
میں نیچے سے اوپر تک سب کے سب نہایت قابل لوگ ہوں جو اُس کے
مقرر کردہ طریقوں پر عمل کریں۔ اُس نے سر ہنری کو تحریر کیا کہ "ہندوستان بھر کے

بہترین لوگ تمہاری امداد کے لئے بھیجے جائیں جن کی ابتداء تمہارے بھائی جون سے کی گئی ہے۔"

اُس کے بعد کے دو سال میں بورڈ کے تینوں ممبروں نے ان اُمیدوں کو جنکی لارڈ ڈلہاؤزی کو اُن سے توقع تھی کما حقہٗ پورا کیا۔ اور یہی وہ سال تھے جن میں پنجاب ایک قوی دشمن کے ملک کی حیثیت سے ایک برطانوی خوشحال صوبہ کی صورت میں منتقل ہوگیا تھا۔ مینسل اپنے کام کو کافی سرگرمی اور خاموشی کے ساتھ انجام دیتے جاتا تھا۔ گورنر جنرل کو کوئی تکلیف نہ دیتا تھا اور دوسرے دونوں اراکین میں اکثر بحیثیت ثالث اور بعض اوقات صلح کرانے کا کام انجام دیتا تھا۔ جون لارنس وسیع النظری اور چابکدستی کے ساتھ اکثر خودرائی کا اظہار کرتا تھا لیکن اپنی رائے کو بے کم وکاست لارڈ ڈلہاؤزی کے سامنے پیش کرنے کے بعد وہ بلا تامل لارڈ ڈلہاؤزی کے فیصلے پر عمل کرتا تھا اور اُس کے فیصلے کو اپنا فیصلہ سمجھ لیتا تھا۔ ہنری لارنس کا مزاج زود رنج تھا اور اپنے زیادہ ذی مرتبت بھائی سے غالباً اس میں بہتر عقل تھی وہ اپنی رائے کو کسی دوسرے شخص کا اس قدر تابعدار نہ بنا سکتا تھا خواہ وہ شخص اُس سے بھی زیادہ زبردست شخصیت کا ہی کیوں نہ ہوتا۔ لارڈ ڈلہاؤزی کو ایک سے زاید مرتبہ نہایت صاف الفاظ میں اُس کو یاد دلانا پڑا کہ پنجاب کا صرف ایک ہی حکمران ہو سکتا ہے۔ اور وہ حکمران گورنر جنرل کو ہونا چاہیئے نہ کہ سر ہنری لارنس کو۔"

نئے صوبے کو فوراً موزوں اور مناسب اضلاع میں تقسیم کرکے ہر ایک کے لئے ایک انگریز افسر معہ یورپین اور ہندوستانی ماتحتوں کے انتخاب کے بعد مقرر کر دیا گیا اور اس طرح ۵۶ اعلےٰ افسروں کی جن میں شامل تھے کمشنروں اور ڈپٹی کمشنروں کی ایک مقامی منتظم جماعت ترتیب دی گئی جن میں سے ۲۹ فوجی افسر اور ۲۷ سینئر سول سروس کے افسر تھے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کی ابتداء ہی سے یہ تجویز تھی کہ پنجاب کو ایک نہایت محفوظ برطانوی صوبہ بنائے اور اُس کی پُرخطر حالت کو بدل کر اُسے سلطنت کے لئے باعث تقویت بنادے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کی شمالی مغربی سرحد پر وسطی ایشیا کی اقوام کے خلاف ایک حقیقۃً موثر طریقہ مدافعت پیدا کیا گیا۔ سرحد پر قلعوں اور چھاؤنیوں کی ایک قطار بن گئی۔ اور دریائے سندھ

کے تمام مغربی حصے کی زبردست محافظت ایک دوسرے سے ملحق فوجی سڑکوں کے ذریعے سے کی گئی تھی۔

اس طرح فولاد اور پتھر کی ایک دیوار برطانوی ممالک اور وحشی پٹھان قبائل اور افغانستان کے درمیان کھینچ گئی۔ اس کے ساتھ ہی صوبے کے اندرونی امن کی ضمانت سوار اور پیدل فوجی پولس اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ماتحتی میں علیحدہ سراغ رسانی پولس کے ذریعے کی گئی اور اسطرح محکمہ پولس کی کل تعداد ۱۱۰۰۰ آدمیوں کی ہو گئی۔ اس کے علاوہ گاؤں کے چوکیداروں کا پرانا دستور بھی قائم رکھا گیا اور مجرموں کی موقع بہ موقع سراغ رسانی کی ذمہ داری کے لئے ان پر سخت زور دیا گیا۔ عام طور پر لوگوں کو غیر مسلح کر کے آبادی کے جنگجویانہ خیالات کو دبا دیا گیا مگر وادی پشاور اور سرحدی اضلاع میں لوگوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت دی گئی باقی پنجاب کے لوگوں سے سختی کے ساتھ ہتھیار رکھوا لیئے گئے۔ بندوقیں۔ تلواریں۔ خنجر اور دیگر قدیم عجیب و غریب آلات جو مفتوحہ ملک کے سرگروہوں اور شہروں کی پولس کی معرفت وصول ہوئے اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے کم نہ تھی۔

سکھوں کی فوج سے ہتیار لینے کے بعد اُس کو منتشر کر دیا گیا لیکن سپاہ کے بہترین حصے کو یا تو برطانوی جھنڈے کی خدمات کے لیئے دوبارہ بھرتی کر لیا گیا یا اُن کو پنجاب کی فوجی پولس میں شامل کیا گیا۔ خالصہ یا سکھ قوم کی مرکزی حکمران جماعت قطعاً توڑ دی گئی اور اُس کے سردار اور جاگیردار اُن اراضیات سے جو اُن کی فوجی خدمات کے صلے میں عطا ہوئی تھیں محروم کر دیئے گئے اور ان کو عوام الناس میں شامل کیا گیا۔ فتح کے تین سال کے اندر اندر پنجاب کا بورڈ سچائی کے ساتھ یہ رپورٹ کرنے کے قابل ہو گیا کہ "ہندوستان کے کسی حصے میں اس قدر کامل امن و امان نہ تھا جس قدر اُن نئے الحاق کئے ہوئے علاقوں میں"۔

مگر یہ عظیم الشان کام لارڈ ڈلہاؤزی اُس کے صلاح کاروں اور نائبوں میں کئی مرتبہ سخت مخالفتوں کے بغیر انجام کو نہیں پہنچا۔ مع ہندوستانی ریاستوں کے پنجاب کا رقبہ ۱۴۲۴۹۹ مربع میل اور اُس کی آبادی ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ہے جن ممالک کا الحاق ۱۸۴۹ء میں لارڈ ڈلہاؤزی نے کیا ان کا مجموعی رقبہ ۷۳۰۰۰ مربع میل یعنی انگلستان اور ویلز کے

رقبے سے ڈیڑھ گنا ہے۔ اگرچہ ڈلہاؤزی نے سر چارلس نیپیر کی فوجی حکومت کی تجویز
کو مسترد کر دیا تھا لیکن سندھ کے لئے وہ سر چارلس نیپیر کی ہر قسم کی بہتر تجاویز کو منظور
کرنے کے لئے بالکل تیار تھا۔ پنجاب کی فوجی پولیس سر چارلس نیپیر کی تجاویز پر تیار کی گئی
تھی۔ وہ سات ہزار آدمیوں کی پیدل رجمنٹوں اور ۲۷ رسالوں پر مشتمل تھی۔ لیکن سندھ کی
طرح اس کو برطانوی فوجی افسروں کی ماتحتی میں رکھنے کی بجائے لارڈ ڈلہاؤزی نے
اس کو حاکمان ضلع کے ماتحت رکھا۔

سرحدی فوج کو بھی لارڈ ڈلہاؤزی نے پنجاب کی ملکی حکومت کے ماتحت کر دیا۔
اس فوج کی بنیاد سر ہنری لارنس کے اس خیال کے مطابق رکھی گئی تھی جس پر سنہ ۱۸۴۶ء میں ہی
اس نے عمل کیا تھا تاہم لارڈ ڈلہاؤزی نے اس فوج کو شروع سے آخر تک خود ہی
مرتب کیا تھا اسی فوج کو بڑھا کر لارڈ ڈلہاؤزی نے سرحدی فوج بنا دیا۔ یہ فوج ہر وقت
نقل و حرکت کرتی رہتی تھی اس کا کل ساز و سامان سواروں کے گھوڑوں کی زین میں اور پیدلوں کی
پشت پر رہتا تھا۔ اس زندہ آہنی دیوار کی امداد کے لئے ۵ ہزار آدمیوں کی باقاعدہ فوج فراہم
کی گئی تھی جس کے فرائض میں پنجاب کی حفاظت داخل تھی۔ اُس کے خود مختارانہ انتظامات
سر چارلس نیپیر کے لئے باعث ناراضی تھے اور وہ شاکی تھا کہ نہ میرا کوئی حامی ہے
اور نہ پنجاب کی مدافعانہ تدابیر پر میری آواز پر توجہ کی جاتی ہے۔

لیکن لارڈ ڈلہاؤزی کی نہایت اہم مشکلات بڑے کمانڈر ان چیف کے غضب آلود
مبالغوں سے پیدا نہیں ہوئی تھیں بلکہ اسکا سبب لارنس کی ناقابلیت تھی جو گورنر جنرل
کے احکام کی پوری تعمیل نہ کر سکا۔ رعایا سے محض ہتیار رکھوانے پر لارڈ ڈلہاؤزی مطمئن نہ تھا
بلکہ اُس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ پنجاب کے امرا اور جاگیرداروں کو فتنہ و فساد کے
تمام ذرائع سے محروم کر دیا جائے۔ ان لوگوں میں زیادہ وہ تھے جنہوں نے ہمارے
خلاف ہتیار اُٹھائے تھے اور تقریباً اُن سب کو سکھوں کی حکومت کی طرف سے
فوجی خدمات کے عوض میں اراضیات عطا ہوئی تھیں۔ مندرجۂ بالا ہر دو امور کے لحاظ
سے اُس حکومت کے الطاف و عنایات پر اُن کو کوئی حق حاصل نہ تھا جس کے برخلاف
وہ دیسی حکومت کے فراہم کردہ ذرائع کے ساتھ آخر تک خوں ریز لڑائیاں لڑتے رہے
تھے بعض وفادار لوگوں کو فراخ دلی سے انعامات عطا کرتے ہوئے لارڈ ڈلہاؤزی

نے یہ بھی ارادہ کر لیا تھا کہ اُن کی جماعت کو بالکل مٹا دے ٭
جون لارنس گورنر جنرل سے بدل متفق تھا۔ سر ہنری لارنس نے بھی اس تجویز کو منظور کر لیا مگر علاوہ اس میں ایسی ترمیم کرنی چاہتا تھا جس سے اس تجویز کا سارا زور ہی ٹوٹ جاتا۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے اُس سے صاف کہدیا کہ وہ اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ وہ بائی جاگیرداروں کو اُن کی زندگی کے باقی رکھنے اور گذر اوقات کے موافق کچھ دینے پر آمادہ تھا مگر اس سے زیادہ نہیں۔ اُس نے سر ہنری سے کہدیا کہ سوائے گذراوقات کے اور کچھ اُن کے لئے منظور نہیں کیا جاسکتا۔ گذارے کی مقدار کا بعد بحث تصفیہ ہو سکتا ہے مگر اُن کی جائداد بحق سرکار ضبط کی جائے گی تا تصفیہ اُن کو کسی جگہ زیر حراست رکھا جاوے لیکن جب تک اُن کے لئے جائے قیام کا فیصلہ ہو اُن کے مال و متاع پر قبضہ رکھا جائے۔ اگر وہ بھاگ جائیں تو ہمارا معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔ اگر گرفتار ہونے پر میں اُن کو قید کردونگا۔ فساد کی صورت میں اُن کو پھانسی پر چڑھاؤنگا اور یہ ایسی ہی یقینی بات سمجھنی چاہئے جیسے اسوقت اُن کی زندگی اور اُن کی پھانسی کے بعد میری زندگی یقینی ہے ٭
۱۸۵۷ء کی بغاوت کے زمانے میں پنجاب کو برطانوی افواج سے خالی کرنے اور وہاں کی فوجوں کو دہلی کے محاصرے کے لئے کام میں لیکر بغاوت کا استیصال کر سکنے کا صرف یہ باعث ہے کہ لارڈ ڈلہاؤزی نے اُن سکھ سرداروں کو جو ۱۸۴۸ء میں ہمارے خلاف جانفشانی سے لڑے تھے نہایت سختی کے ساتھ پامال کر دیا تھا۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے خوب دیکھ لیا تھا کہ اگر سر ہنری لارنس کی ناقص حکمت عملی پر عمل کیا جائے تو الحاق ہو جانے کی صورت میں بھی پنجاب قریباً اُسی قدر غیر محفوظ ہوگا جتنا کہ ۱۸۴۸ء کے معاہدے کے زمانے میں تھا ماسوا اس کے کہ اب اُنکا توپخانہ چھینا جا چکا تھا۔ مگر باوجودیکہ لارڈ ڈلہاؤزی سکھوں کی قوم کو کامل طور پر کمزور کر دینے پر مصر تھا وہ اس کارروائی کے ساتھ ساتھ اس حد تک نرمی کرنے پر آمادہ بھی تھا جو صوبہ سلامتی کے لئے موزوں ہو ٭
جون لارنس نے گورنر جنرل کو احکامات کے عملدرآمد ہو جانے کے بعد تحریر کیا کہ "جاگیروں (جنگی خدمات کے عوض میں عطا شدہ اراضیات) کے متعلق جو انتظامات کچھ عرصے پیشتر حضور کے پاس سے موصول ہوئے تھے وہ نہایت قابل اطمینان ثابت ہوئے ہیں بلکہ توقع سے بھی

بڑھ کر ہیں۔ ایک سکھ سردار نے مجھ سے کہا کہ اُن کو اُس سے بہت زیادہ مل گیا ہے جو رنجیت سنگھ اُن کو دیتا تھا۔ اور خاص کر اُس حالت میں کہ اس کے عوض میں اُن سے کوئی خدمت بھی نہیں لی جائے گی"۔ میں مکرر یہی کہونگا کہ غدر کے زمانے میں پنجاب کے محفوظ اور فارغ رہنے کا باعث یہی عاقبت اندیشانہ اور زبردست حکمت عملی تھی جس پر لارڈ ڈلہاؤزی نے لاہور بورڈ کے صدر سر ہنری لارنس کو عمل کرنے پر مجبور کیا تھا ۔

لارڈ ڈلہاؤزی کے حسب ہدایات مالی اور عدالتی اُمور کے متعلق اُس کے نائبوں نے پنجاب میں جو قاعدے جاری کئے تھے اُن میں بھی اُس نے کم دلچسپی نہیں لی۔ سکھوں کے زمانے میں انصاف۔ رشوت اور حرص کے ہم معنی تھا۔ اس زمانے کے ہندوستانی جج اپنے اہل مقدمہ کو اُس نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے کوئی انگریز بیرسٹر اپنے موکل کو آمدنی کا جائز وسیلہ سمجھ کر دیکھتا ہے۔ انسداد جرائم کی حالت یہ تھی کہ عظیم الشان سکھ حکمران رنجیت سنگھ سزائے موت کے خلاف تھا اور اس کی بجائے اُس نے جرمانوں یا عضو کاٹ ڈالنے کے مخصوص قواعد جاری کر رکھے تھے۔ ہز ہائینس کے نزدیک قید کرنا ایک فضول قاعدہ تھا جس میں مجرموں کو سرکاری خرچ پر رکھنا پڑتا تھا۔ اُس کی بجائے اس نے قطع اعضا کے باقاعدہ درجے مقرر کر رکھے تھے جن میں چوری کی سزا کے لئے ناک کاٹ ڈالنے سے شروع کر کے ڈاکہ زنی کے واسطے قطع ید اور رات کو نقب زنی کے لئے سزائے تازیانہ مقرر تھی۔ سلطنت برطانیہ کو دیوانی اور فوجداری کے کل طریق داد گستری کو از سر نو ترتیب دینا پڑا تھا مالی انتظامات کو ترتیب دینے کا کام اور بھی زیادہ دشوار تھا۔ حکومت کے لئے رنجیت سنگھ صرف دو آلات یعنی لڑنے والوں اور محصول کنندوں کی ضرورت کو تسلیم کرتا تھا اپنی حکومت کے آخری سال میں اُس نے ایک ادنیٰ درجہ کا مرکزی دفتر حساب بھی ضرور قائم کیا تھا۔ مگر یہ دفتر محاسبات جس درجہ ناکارہ تھا اُس کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سکھ افواج صدر محاسب نے انگریزی تسلط سے ۱۹ سال پیشتر کے دوران میں کوئی حساب کتاب پیش نہیں کیا تھا اور بلاشبہ مولراج اور اُس کے باپ نے بھی ملتان کے وسیع صوبے کے متعلق کوئی ایسے حساب پیش نہیں کئے جن کو کسیطرح مکمل کہا جا سکے جسوقت رنجیت سنگھ پورے عروج پر تھا تو اس کو مالی ادائیگی کے متعلق ایک نشان لگی ہوئی لکڑی کی امداد سے خود اپنے ہی حافظے پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا ۔

گو سرکاری حسابات کے لئے ایسا ناقص طریقہ جاری تھا مگر عوام الناس پر سخت اور بے شمار ٹیکسوں کی طویل فہرست میں زمین کا لگان (جس کی مقدار کل پیداوار سے نصف اور بعض سالوں میں نصف سے زائد ہوتی تھی) اور راہداری کا وہ محصول بھی تھا جو ہر شہر کے دروازے پر از سر نو وصول کیا جاتا تھا اور مال کی گٹھریوں کو ایک صوبہ قطع کرنے سے پیشتر بارہ مرتبہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ ڈلہاؤزی کے قائم مقاموں نے ان کی تعداد میں تخفیف کر کے نصف درجن تک اتار دیا۔ لیکن ان ہی محصولوں سے دیانتدارانہ طریقۂ وصولیابی اور سرکاری حسابات کی درست جانچ پڑتال کے باعث اس رقم سے زائد آمدنی ہونے لگی جو سکھوں کے خزانے میں پہنچتی تھی۔ پنجاب میں زمین کے لگان کے قواعد کو زیادہ بہتر بنیادوں پر قائم کیا گیا۔ ہر ایک گاؤں اور کھیت کی پیمائش کی گئی اور ہر ایک زمیندار کی زمین کے متعلق اُس کے استحقاق کو چھان بین کے ساتھ معلوم کیا گیا۔ یہی "حقوق نامہ"، پنجاب کا میگنا چارٹا (استحقاقنامہ منجانب سرکار) اور ڈومزڈے بک ہے۔ اور اسی کو برطانوی حکومت کی برکات کی ابتدا سمجھنا چاہیئے۔

سڑکوں اور آبپاشی کے زبردست ذرائع سے تجارت اور کاشتکاری پنجاب کو خوشحالی اور ترقی کے اسباب میں کچھ کم دخل نہیں ہے۔ بیکار زمینوں کو کار آمد بنانے کے لئے اہل دیہ کو روپیہ دیا جاتا تھا۔ لارڈ ڈلہاؤزی کی ذاتی تحریک پر سرکاری جنگلات کا محکمہ قائم کیا گیا۔ پرانی نہروں کی مرمت کی گئی اور نئی نہروں کو بنانے کا کام زور شور سے شروع کیا گیا۔ آبپاشی کے اُن بڑے بڑے کاموں میں سے ۱۸۹۲ء کی ایک نہر جاری دوآب ہے جو اب مع اپنی شاخ در شاخ معاون نہروں کے ۱۲۰۰ میل رقبہ کو شاداب کرتی ہے جن پر پندرہ لاکھ کی رقم صرف ہوئی تھی اور سالانہ ۵ لاکھ ایکڑ زمین اس سے شاداب ہوتی ہے۔ زمین کی قوت کاشت کو اس طرح قابل تعریف طور پر بڑھانے کے ساتھ ہی ساتھ پنجاب کے تمام ارض میں سڑک اعظم (گرینڈ ٹرنک روڈ) کو وسعت دی گئی۔ یہ سڑک شاہراہوں اور آمد و رفت کے دیگر راستوں کے سلسلے کو آپس میں ملاتی ہے۔

تعلیم عامہ کے کام کی طرف بھی توجہ کی گئی اور دس سال گزرنے سے پیشتر ہی مشرقی اور مغربی طریقۂ تعلیم کے مدارس تمام اضلاع میں جا بجا نظر آنے لگے۔ رعایا بھی

صوبے میں اس بسرعت پھیلنے والی نئی اخلاقی زندگی کے اثر کو فوراً محسوس کرنے لگ گئی امرتسر کے مقدس شہر کے ایک عظیم جلسے میں سکھ امراء فرقہ مذہبی اور عوام کے نمائندوں نے شادی کے ان کثیر اخراجات میں تخفیف کرنے کا اتفاق کیا جو لڑکیوں کی شادی کے موقع پر فراہمی سامان کی مشکلات کی زیادتی کے باعث دخترکشی کے منجملہ دیگر بڑے اسباب کے تھے۔ ایسے ہی جلسے پنجاب کے دیگر حصص میں معاشرتی اور اخلاقی اصلاحات کے لئے بکثرت منعقد ہوئے ان اصلاحات کے پس پشت بھی لارڈ ڈلہاؤزی کی زبردست قوت ارادی تھی ؎

وہ کارروائیاں جو گزشتہ صفحات میں مفصل تحریر کی گئی ہیں اور نیز اور بہت سی کارروائیاں جن کی طرف اشارہ ہی کر سکتا ہوں لارڈ ڈلہاؤزی کی تجاویز استحکام کا ایک جزو تھیں جن پر اس کے قائم مقام اس کی کامل نگرانی میں عملدرآمد کرتے تھے۔ لیکن لارڈ ڈلہاؤزی کا اطمینان اپنے ماتحتوں کے آگے محض کاغذی ضوابط کے مقرر کر دینے سے نہیں ہوتا تھا بلکہ کسی معاملے کے در پیش ہوتے ہی وہ خود اس طرف متوجہ ہوتا تھا اور اپنے ہی قلم سے اس کا تصفیہ کرتا تھا۔ اس نے اس صوبے کے ہر حصے کا خود معائنہ کیا۔ سال بھر میں کئی ماہ تک یہاں کے پہاڑی صدر مقام شملے میں قیام کرتا تھا۔ دیوانی اور فوجداری قوانین۔ محصول اور مال۔ سکے اور زبانوں کی ابتری اور سڑکوں اور ذرائع آمد و رفت کے نہ ہونے کے باعث اس نے سکھوں کے ممالک کو نہایت پریشان اور پراگندہ حالت میں پایا تھا۔ دیوانی اور فوجداری عدالتوں کے یکساں انتظام محصولوں اور آمدنی کے یکساں طریقوں۔ ہر جگہ ایک ہی طرح کے سکوں۔ ملک کے قدرتی طور پر تقسیم شدہ حصوں میں ایک مسلمہ کاروباری زبان اور ملی ہوئی سڑکوں اور شاہراہوں کے ایک زبردست سلسلے کے ذریعے اس نے ان متفرق ممالک کو باہم ملا کر پنجاب کے موجودہ برطانوی صوبے کی شکل میں کر دیا ؎

پنجاب کی مقامی گورنمنٹ کے افراد کیسے ہی ہوں۔ بورڈ کے ممبر کوئی بھی ہوں اور خواہ کسی بورڈ کا وجود تھا بھی یا نہیں مگر استحکام یا نظم و نسق کے متعلق لارڈ ڈلہاؤزی کی پالیسی کسی سدِ راہ کی متحمل نہ ہوئی۔ ۱۸۵۰ء کے آخر میں عدالتی نظام کی بنیادیں رکھنے کے بعد مسٹر مینسل اپنی اس وقت طلب درمیانی حالت سے سبکدوش ہوا جو اپنے ہر دو جھگڑالو شریکوں کے باعث

اس کے ذمے تھی اور ناگپور کی رزیڈنسی پر اُس کی ترقی ہوگئی۔ اُس کے بجائے بورڈ میں سر رابرٹ منٹگمری مقرر ہوا۔ دو سال کے بعد یہ بورڈ توڑ دیا گیا اور پنجاب میں چیف کمشنر مقرر کر گیے یہاں کا انتظام لارڈ ڈلہاؤزی نے جون لارنس کے سپرد کردیا۔ لیکن ایسے معتمد قائم مقام کے ہاتھوں میں سپرد کرنے کے بعد بھی پنجاب میں گورنمنٹ ہند کی پالیسی کا سرچشمہ خود گورنر جنرل ہی تھا۔

پنجاب میں لارنس کی چیف کمشنری کے زمانے میں لارڈ ڈلہاؤزی کے ساتھ اُس کے جو تعلقات تھے اُن کی بابت لارڈ لارنس کے سوانح نویس نے جو تذکرہ کیا ہے وہ اگرچہ کسی قدر طویل ہے مگر میرے نزدیک اس کا یہاں نقل کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے:

"پنجاب کا صوبہ جو جان لارنس کے چارج میں تھا لارڈ ڈلہاؤزی کو بہت عزیز تھا یہ ملک گویا خود اسی کا اپنا بچہ تھا اور خود اسی کا حاصل کیا ہوا تھا۔ جون لارنس اگرچہ یہاں کا چیف کمشنر تھا تاہم اگر اُس نے (لارنس نے) کبھی اس امر کو فراموش کیا ہو کہ وہ یہاں کا اعلیٰ ترین حکمراں نہیں ہے تو وہ واقعی قابل ملامت تھا۔ اگر کبھی اس نے یہ بات بھلائی اور خود اپنی ذمے داری پر ان علیحدہ حدود کے اندر اپنے کسی دوست کو ملازمت کی خاطر بلا لیا یا اُن حدود سے باہر کسی سرحدی جھگڑے میں پھنس جانے سے پیشتر اس نے گورنر جنرل کو اطلاع نہ دی تو اُس سے سخت باز پرس کی جاتی تھی اور اُسے بھی لارڈ ڈلہاؤزی کے غصے کو محسوس کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ایسی صورت میں اُس کی دانائی اور حکام کی فرماں برداری اُس پر غالب آجاتی تھی۔ گورنمنٹ کے فرائض کی بجا آوری کا اُس کے نزدیک ایسا درجہ تھا جس کی امید ہوبز* کے کسی معتقد سے کی جا سکتی لیکن لارنس جیسے ہمدرد عوام اور طاقتور شخص سے بہ مشکل اس کی توقع کی جا سکتی تھی۔ ان ہی خیالات کا باعث تھا کہ سرکاری فرائض میں وہ اپنے افسر اعلیٰ کی گاہ بیگاہ لعنت و ملامت کسی اور جانب سے نازل ہوتی تو وہ مقابلے پر آمادہ ہوتا اور اپنے مدمقابل کے پرخچے اڑا ڈالتا"۔

لیکن لارڈ ڈلہاؤزی ایسا شخص ہی نہ تھا کہ وہ اپنے ماتحتوں سے اُن کے

* ٹامس ہوبز۔ سترھویں صدی کا ایک فلاسفر تھا جس نے جہالت سے اس اُصول کی اشاعت کی تھی کہ سچے اخلاق اور مذہب کے متعلق جو رائے بادشاہ کی ہو وہی سب سے مقدم ہے (مترجم)

دلی خیالات کے صاف صاف اظہار کی خواہش نہ کرتا۔ جون لارنس نے ہمیشہ یہی کیا۔ لارڈ ڈلہاؤزی کی طرف سے پنجاب میں جو کارروائی ہوئی۔ جو تقریر اُس نے کیا یا جو خیال اُس سے ظاہر ہوا اُن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس سے اتفاق نہ کرنے کی صورت میں جون لارنس نے اپنی دلیرانہ سادگی کے ساتھ ردوقدح نہ کی ہو۔ ایسا کرنے کے بعد بھی اپنے افسر اعلیٰ کی رائے میں ترمیم نہ کر سکنے پر وہ اُس پر عملدرآمد کرنے کے لیے نہ صرف آمادہ ہوتا تھا بلکہ اُس پر عمل کرنے کو اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا۔ اطاعت اور مخالفت۔ وفاداری اور صلاحیت عمل صاف بلکہ درشت گوئی کا اس طرح باہم مل جانا اور اُن کے ساتھ اُس کی دیگر بہترین صفات کا شامل ہونا ہی ایک ایسا امر تھا جس کو لارڈ ڈلہاؤزی کی طبیعت سے عین مناسبت تھی۔ اگر میں نے اُن کے مزاجوں اور خط و کتابت کو صحیح طور پر سمجھ لیا ہے تو یہی سبب تھا کہ ایسے دو عالی دماغ شخصوں کا ایک ہی حلقے میں بغیر کسی خطرناک تصادم کے رہ سکے اور ایک دوسرے کے قدردان رہے ؎

مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اُس کی اس بارعب اور اکثر اوقات حکیمانہ شخصیت کو ظاہر کر دوں جس کے ذریعے لارڈ ڈلہاؤزی اپنی پالیسی کے مطابق تیار کیے ہوئے منصوبوں پر عمل کراتا تھا اور یہی وہ منصوبے تھے جن کے باعث پنجاب اپنی موجودہ حالت تک پہنچ گیا۔ وہ اپنے حاوی ہو جانے کے وصف کو اس قدر سمجھتا تھا کہ زبردست طبیعت کے ماتحتوں کا انتخاب کرتے ہوئے اُسے کچھ خوف نہ تھا۔ پنجاب کے لئے اُس کے بہت سے ماتحتوں کا ایسا معقول انتخاب ہوا تھا۔ وہ ماتحت خود ایسے ممتاز لوگ تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انھوں نے ایسے شاندار کام کیے۔ ان میں سے اکثر کے حالات زندگی ایسے قابل تعریف اور پر لکھے گئے ہیں (حالانکہ خود لارڈ ڈلہاؤزی کے کاغذات ابھی تک مقفل پڑے ہوئے ہیں) کہ ان باتوں پر غور کرتے ہوئے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ۱۸۴۹ء میں پنجاب کے الحاق سے لیکر ۱۸۵۶ء تک جب لارڈ ڈلہاؤزی اپنے عہدے سے دست کش ہوا تھا۔ اُس وقت تک وہ سب صحیح طور پر لارڈ ڈلہاؤزی کے ماتحت تھے اور خود لارڈ ڈلہاؤزی کی نگرانی اور بعض اوقات سخت نگرانی میں اُس کی پالیسی پر عملدرآمد کرتے رہے ؎

وہ سب شریف مزاج کارگزار اور پوری عزت کے مستحق ہیں لیکن وہ دن بھی آئیگا جبکہ لارڈ ڈلہاؤزی کی کارگزاریوں کا مرقع عوام کے سامنے ہوگا اور اس باب میں جو کچھ میں لکھ چکا ہوں وہ اس وقت

(۱) بوسورتھ سمتھ کی "لائف آف لارڈ لارنس" جلد اول۔ باب ۱۵ صفحہ ۴۱۹ - ایڈیشن ۱۸۸۵ء

اس سے بھی زیادہ صاف اور روشن ہو جائیگا کہ ۱۸۵۷ء میں جس شخص کی بدولت پنجاب "ہندوستان کا نجات دہندہ صوبہ" کہلایا وہ نہ تو سر ہنری لارنس تھا نہ خود جون لارنس نہ ہربرٹ ایڈورڈز تھا نہ نکلسن یا ان کے دیگر بہادر جنگجو ساتھی۔ بلکہ وہ مارکوئس آف ڈلہاؤزی تھا۔

باب پنجم

لوئر برما کی فتح

لارڈ ڈلہاؤزی کی عظیم الشان فتح یعنی تسخیر برما کا حال بیان کرنے سے پیشتر میں اسی کے متعلق ایک اور درمیانی واقعے کا مختصراً ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ پنجاب کے بعد جس سرحدی علاقے کا اِس گورنر جنرل نے الحاق کیا وہ سکم کا چھوٹا سا دور اُفتادہ قطعۂ زمین تھا۔ یہ کارروائی تہدیداً عمل میں آئی تھی اور اسکی ضرورت یہ آ کر پڑی تھی کہ ۱۸۴۹ء میں ہمارے پولیٹکل افسر ڈاکٹر کیمپبل اور مشہور و معروف ماہر علم نباتات سر جوزف ہکر کو جبکہ وہ راجہ کی اجازت سے سکم میں سفر کر رہے تھے دغابازی سے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس سبب سے ایک فوجی مہم کی ضرورت لاحق ہوئی اور سزا اور تاوان کے طور پر کوہستان کے دامن میں ایک چھوٹا سا قطعۂ زمین معہ چند پہاڑیوں کے راجہ سے چھین لیا گیا ؎

برطانوی حدود میں ڈلہاؤزی کی تیسری توسیع بعد کے زمانے سے وابستہ ہے اور یہ زیادہ وسیع پیمانے پر ہوئی۔ ۱۸۲۴-۲۶ء میں برما کی پہلی لڑائی میں برما کا ساحلی حصّہ جو خلیج بنگالہ کے مشرقی ساحل پر واقع ہے وہ معہ دیگر ممالک کے ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ معاہدہ ینڈابو کی رو سے ۱۸۲۶ء میں لڑائی کے ختم ہونے پر برطانوی سوداگر رنگون میں جو دریائے اراوادی کا بندرگاہ ہے آباد ہو گئے تھے۔ مگر رنگون مع ڈیلٹا اراوادی اور اُس کی بالائی وادی کے سلطنتِ برما کا جزو رہے۔ کوہ یوما کے بلند مقامات اور اُسکی دور افتادہ شاخیں خلیج بنگال کے ساحلی قطعۂ زمین کو برما کے اندرونی مقامات سے جدا کرتی رہیں۔ برما کے اندرونی دارالحکومت آوا میں ایک برطانوی رزیڈنٹ معاہدے کی پابندی کرتا اور ہماری سرحدوں کی حفاظت کرتا تھا ؎

شہنشاہ برما کے لئے ۱۸۲۶ء کے معاہدے کے سب سے زیادہ ناگوار شرط

یہ تھی کہ اسے اپنے پائے تخت میں انگریزی سفیر کے قیام کی اجازت دینی پڑی تھی۔ یہ بدھ مذہب کا پیرو بادشاہ شیخیؔ اپنے آپ کو "خاقانِ چین کا بڑا بھائی" اور شہنشاہانِ عالم کا سردار" کہا کرتا تھا۔ ایک وحشی قوم کے سفیر کی موجودگی کو وہ ذاتی ہتک تصور کرتا تھا جس سے اُس کا متبرک دارالسلطنت ناپاک ہو رہا تھا۔ جس بادشاہ سے ہمارا معاہدہ ہوا تھا اُس کے اقتدار کے زمانے تک تو معاہدے کی شرائط پر بخوبی عملدرآمد ہوتا رہا لیکن ۱۸۳۷ء میں خاندان شاہی کے تبدیل ہو جانے پر کامیاب غاصب سلطنت نے سابق فرمانروا خاندان کے ارکین کو قتل کر دیا اور برطانوی ریزیڈنٹ کے ساتھ عمداً ایسے ہتک آمیز برتاؤ کیے کہ وہ شاہی دارالحکومت آوا سے رنگون کی بندرگاہ میں چلے آنے پر مجبور ہوا۔

۱۸۴۰ء میں رزیڈنٹ کو شاہ برما کی سلطنت سے سرکاری طور پر واپس بلا لینا ضروری ہو گیا۔ اس کے بعد ہمارے سوداگروں کے ساتھ سخت بدسلوکیاں اور حصول بالجبر عرصے تک جاری رہیں۔ اور اس مدت میں مظلوم لوگ برطانوی ساحلی علاقے کے کمشنر کے توسط سے دادرسی کی بیفائدہ کوشش کرتے رہے۔ بارہ سال تک برما سے براہ راست سفارتی تعلقات منقطع رہے۔ آخر کار ۲۷ ستمبر ۱۸۵۱ء کو رنگون کے سوداگروں نے ظلم و ستم کے دو جدید اور ناقابل درگزر واقعات سے تنگ آکر اپنی شکایات کو گورنر جنرل ہند کے سامنے پیش کیا۔

انھوں نے شکایت کی کہ "انفرادی مظالم کے علاوہ معاہدۂ ینڈابو کی دانستہ خلاف ورزی کی جاتی ہے اور معاملات اب ایسی حد تک پہنچ گئے ہیں کہ اگر آپ نے حمایت نہ کی تو آپ کے درخواست کنندگان ملک چھوڑنے پر مجبور ہونگے اور اس صورت میں ان کو اپنے مال ومتاع سے بھی ہاتھ اُٹھانا پڑیگا"۔ انھوں نے یہ بھی تحریر کیا کہ "یہاں جان و مال دونوں خطرے میں ہیں کیونکہ رنگون کے گورنر نے اپنے ماتحت ملازموں سے علانیہ کہدیا ہے کہ اُس کے پاس اُن کا حقِ خدمت ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہے اور اُن کو اجازت دیدی ہے کہ باشندوں کو لوٹیں اور جس طرح اُن سے بن پڑے روپیہ حاصل کرلیں"۔ آخر میں یہ بھی لکھدیا کہ "آپ کے فریادی معاہدۂ ینڈابو کی رو سے یہاں مقیم ہیں اور نہایت ادب اور عجز کے ساتھ آپ سے دادرسی کے ملتجی ہیں"۔

لارڈ ڈلہاؤزی ایسے مطالبے کی طرف سے روگردانی کرنے والا شخص نہ تھا خصوصاً جبکہ وہ معاہدے کی روسے عطا شدہ حقوق پر مبنی ہو۔ بلکہ نہ ہندوستان کا کوئی گورنر جنرل اس قسم کی کسی درخواست کے جواب میں خاموشی اختیار کرنے پر اپنے عظیم الشان عہدے کے قابل ہو سکتا ہے۔

ایک بحری افسر مع تین جہازوں کے ان شکایات کی تحقیق کے لیئے رنگون بھیجا گیا۔ اُس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ بطریقۂ احسن مخالفت کرے اور خوش اخلاقی سے کام لے۔ اور صرف سوداگروں کے اصلی مصدقہ نقصان یعنی تقریباً نو ہزار روپے کی رقم اور رنگون کے مقامی برمی گورنر کی موقوفی کا مطالبہ کرے۔

مگر برمی حکومت کی طرف سے کسی قسم کی تلافیِ مافات نہیں کی گئی۔ جب انگریزی افسر نے دوسری ملاقات کی خواہش کی تو اول تو اس بنا پر انکار کیا گیا کہ "گورنر سورہا ہے" جلتی ہوئی دھوپ میں انتظار کرنے کے بعد اس بحری سفیر نے اپنی عمداً اعتدال آمیز درخواست پر پھر زور دیا مگر کچھ سود مند نہ ہوا۔ اور مزید اشتعال آمیز کارروائیوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ وحشی انگریزی اسلحہ کے استعمال کے بغیر کوئی تلافی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور لارڈ ڈلہاؤزی کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ برما کے ساتھ جنگ کرنے پر مجبور ہو۔

اس کے بعد کی کارروائیوں میں لارڈ ڈلہاؤزی نے اُن تجربوں سے فائدہ اُٹھایا جو ۲۶-۱۸۲۴ء میں برما کی پہلی جنگ سے حاصل ہوئے تھے۔ اُس نے معلوم کیا کہ برما کی کسی مہم میں دشمن کی جنگی قوت اسقدر نقصانات کا باعث نہیں ہے جس قدر اس ملک کے ملیریا (بخار) اور دھوپ اور بارش کی سختیاں۔ اس کے علاوہ اُس نے یہ بھی نہایت اچھی طرح سمجھ لیا کہ جب تک شہنشاہ برما کو اُس کے ملک کے اندرونی دور افتادہ دارالحکومت میں پہنچکر یہ بات بخوبی ذہن نشین نہ کرادی جائیگی کہ وحشی انگریزوں میں اپنا حق حاصل کر لینے کی قوت موجود ہے اُس وقت تک حقیقی طور پر کوئی حق حاصل نہیں ہو سکتا۔

اول الذکر مشکل کو لارڈ ڈلہاؤزی نے اس طرح حل کیا کہ اُس نے ۱۸۵۲ء میں اپنی فوج کے لئے ایسا سامان فراہم کیا جو موسم کا مقابلہ کر سکے اور یہ ایسی دور اندیشی تھی جس پر

اگر پہلے عمل کیا جاتا تو ۱۸۲۵ء میں برما کی پہلی لڑائی کے موقع پر ہزاروں جانیں بچ جاتیں۔
جنرل گوڈون نے جس کی کمان میں لارڈ ڈلہاؤزی نے ۱۸۵۲ء کی یہ مہم روانہ کی تھی تحریر کیا
کہ "جو احتیاط اور خوراک کے انتظام میں موسم کے مقابلے کے قابل بنانے کے لیے
کیے گئے ہیں ان میں والدین کی سی محبت اور نگہبانی ہے۔ کھانا پکانے کے لیے
مکانات ہیں اور تازہ گوشت برابر بھیجا جا رہا ہے۔ میری امداد کے لیے ایمہرسٹ میں
شفاخانے موجود ہیں اور بیماروں کو وہاں تک لے جانے کے لیے انتظامات کیے گئے ہیں۔
سمندر کے کنارے لکڑی کی جھونپڑیوں کے ڈھانچے جوڑ کر کھڑے کر دیئے گئے تھے
اور ان کے لگانے کے لیے فوج کے ساتھ بکثرت بڑھئی روانہ کیے گئے تھے"
سامان رسد کی افراط کے باعث ہی اپنے عہدۂ گورنر جنرلی کے اختتام پر لارڈ ڈلہاؤزی
یہ تحریر کر سکا کہ اس نے "صبح کی شراب خوری کو موقوف کر دیا ہے اور جنگ برما کے
دوران میں اس کے تجویز کردہ انتظامات ہندوستانی فوج کی حفظان صحت میں
بے نظیر کامیابی کا باعث ہوئے ہیں"۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے یہ دیکھ کر کہ موسم سے بھی
مقابلہ کرنا پڑیگا اپنی فوجوں کو اس دشواری سے برسر آنے کے لیے ایسی ہی احتیاط کے ساتھ
تیار کیا تھا جس طرح دشمن سے مقابلے کے لیے احتیاط برتی گئی تھی۔
سیاسی صورت حالات کو بھی وہ خوب اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ شروع ہی میں
اس نے تاڑ لیا تھا کہ شہنشاہ برما کو ساحل کے بعید فاصلے پر چند شکستیں دیدینے سے
کچھ سبق نہیں حاصل ہوگا اور اس لیے اس نے لکھا کہ "مجھے خوف ہے کہ یہ جنگی
کارروائیاں اس وقت تک ختم نہیں کی جا سکتیں جب تک کہ ہم اس کارروائی کے
دوران میں دوبارہ دار السلطنت کے دروازے تک نہ جا پہنچیں"۔ اس نے تصفیہ
کر لیا تھا کہ کسی قسم کی مراجعت یا عارضی پسپائی کو کمزوری کی علامت تصور کیا جائیگا
اس لیے اس نے یہ اصول قائم کر دیا کہ ایسی بیہودہ مفسد۔ شریر۔ مغرور اور متکبر قوم کے
ساتھ معاملہ پڑنے کی صورت میں سب سے بہتر بات یہ ہے کہ جو کچھ فتح کیا جائے اس کا
الحاق بھی کر لیا جائے اس مقصد کو ابتدا ہی سے صاف طور پر پیش نظر رکھ کر اس نے اس
مہم کو ایسے سانچے پر ترتیب دیا جس سے کامل فتحیابی یقینی ہو اور وہ شہنشاہ برما کی
کورانہ غرور کی آنکھیں بھی کھول دے۔

اس کے ساتھ ہی اُس نے شہنشاہ پر جنگ کے تمام اخراجات کا بار ڈالنے کا بھی مصمم ارادہ کر لیا کیونکہ یہ جنگ بادشاہ کے تلافی کرنے سے انکار کر دینے پر ہی برپا ہوئی تھی۔ اور اس لئے اس کا ذمہ دار وہ خود ہی تھا۔ چنانچہ اب لارڈ ڈلہاؤزی نے صرف رنگون کے مقامی افسر کو سزا دینے یا رنگون کے سوداگروں کے نو ہزار روپے کے اصلی نقصانات کو پورا کر دینے ہی کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اُس نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ شہنشاہ نہ صرف اپنے رنگون کے گورنر کے افعال پر اظہار ناراضی کرے بلکہ خود معافی کا طلبگار ہو۔ رنگون میں برطانوی رزیڈنٹ کا رکھنا منظور کرے اور دس لاکھ روپے بطور تاوان جنگ ادا کرے ؎

کلکتے اور مدراس کی علیحدہ علیحدہ سپاہ مع بمبئی کے دستے کے اس مہم کی افواج میں شامل تھیں۔ کلکتہ اور مدراس کے اُن افسروں کی جانب سے جو میدان جنگ میں افواج روانہ کرنے کے ذمہ دار تھے کسی قدر کم درجے کی اور مقابلتہً کم عرصے تک وہی ناقابلیت ظاہر ہوئی جو ۱۸۴۸ء میں پنجاب کے فتنہ و فساد کے زمانے میں ظاہر ہوئی تھی۔ کلکتے کے متعلق تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوجی حکام کو جو اطلاعیں دی گئی تھیں وہ مکمل نہ تھیں۔ سوائے چھ یا سات رجمنٹوں کے کلکتے کی تمام دیسی فوج صرف ہندوستان ہی میں جنگی خدمات ادا کرنے کے لیئے بھرتی کی گئی تھی۔ لیکن اس امر کا پورا لحاظ نہ کر کے لارڈ ڈلہاؤزی کے ذمہ دار صلاح کاروں نے اُس کو اجازت دیدی کہ ایک دیسی فوج کو سمندر پار برما میں خدمات کی انجام دہی کے لئے نامزد کر دے۔ وہ لوگ اس پر معترض ہوئے اور بھرتی کی شرائط کا عذر پیش کیا۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے اس غلطی کا اعتراف کیا اور ۳۸ ویں ہندوستانی پیدل فوج کے بحری سفر کا حکم منسوخ کر دیا ؎

مدراس میں فوجی مشکلات اس سے زیادہ اہم معلوم ہوتی تھیں۔ سر ہنری پوٹنگر نے اس بات پر جل کر کہ اُس کو مہم کے متعلق مشورے میں شریک نہیں کیا گیا تھا مدراس کی فوجوں کو سوائے گورنر جنرل کی اپنی ذمہ داری کے روانہ کرنے سے انکار کیا۔ مدراس کی فوجیں فی الواقعی عام خدمات کے لیئے بھرتی کی گئی تھیں اور قانون کی رو سے اُن کی نقل و حرکت کا ذمہ دار گورنر جنرل تھا۔ گورنر مدراس کے زخم خوردہ غرور کا

تدارک بھی کر دیا گیا اور بلا شبہ اُس کے واسطے سوائے تعمیل حکم کے چارہ نہ تھا۔ مگر اس کی حیل حجت پریشانی اور تاخیر کا باعث ہوئی اور مقام اجتماع پر مدراس کی افواج کا بنگال کی فوجوں سے قدرے دیر کر کے پہنچنا کسی قدر باعثِ پریشانی ہوا تو اپریل ۱۸۵۲ء میں یہ حملہ آور افواج دریائے اراوادی کے دہانوں پر متصرف ہو گئیں۔ مرتبان کے کمزور استحکامات تنجانۂ رنگون کے ناقابل قلعے اور بسین کے نہایت مستحکم بندرگاہ پر یکے بعد دیگرے قابض ہو جانے کے باعث تمام ساحلِ بحر اور دہانۂ اراوادی کی زیریں اراضی حملہ آوروں کے ہاتھ آگئی۔

اُن کا نہایت شاندار جنگی کارنامہ اور جدید طرز جنگ کی ایک نہایت زبردست کامیابی رنگون کا دھاوا تھا۔ بنجاب یعنی لارڈ ڈلہاؤزی کے اول الحاق عظیم میں جس طرح ملتان کا مقام فی الحقیقت ایک قلعہ بند گدام تھا اُسی طرح رنگون کا بتکدہ تھا جو برما میں لارڈ ڈلہاؤزی کی دیگر فتوحات کے لیئے کنجی تھا۔ اور اگر قلعے کی بجائے اُس کو ایک عظیم الشان مستحکم مندر کی گڑھی کہیں تو زیادہ درست ہوگا۔ مٹی اور اینٹوں کے اس مضبوط تودے کے نیچے کھڑے ہوئے بھی لارڈ ڈلہاؤزی کے اس دلی تعجب کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا جو لڑائی کے اختتام کے بعد رنگون میں آنے پر اُس نے ظاہر کیا تھا کہ "جنرل۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے آدمی کس طرح اس کے اندر داخل ہو گئے" مگر وہ داخل ضرور ہوئے اور ہوئے بھی محصورین کی لاتعداد فوجوں کے علی الرغم برما کی فوج کے آٹھ ہزار آدمی شہر اور رنگون کے بتکدے کی محافظت کر رہے تھے اور انگریزی صرف ۵۷۰۰ آدمیوں کو حملے کے لئے لا سکے تھے۔ برمی فوج میں وہ گنے چنے محافظ بھی شامل تھے جو "سنہری ملک کے غیر فانی لوگ" کہلاتے تھے اور جو اپنی تربیت اور تعلیم کے لحاظ سے اپنے مقام پر فنا ہو جانے پر مجبور تھے۔ معمولی افواج کی جرات کو قائم رکھنے کا بھی انتظام کر لیا گیا تھا کیونکہ بادشاہ نے شادی شدہ سپاہیوں کے بیوی بچوں کو بطور یرغمال کے رکھ لیا تھا اور مجرد سپاہیوں کو توپوں اور قلعے کی فصیل کے ساتھ زنجیروں سے باندھ دیا تھا۔ حملہ آور فوج تیز دھوپ اور مندر کی بھاری توپوں کی مہلک گولہ باری کے باوجود آہستہ آہستہ بڑھتی رہی۔ ایک افسر نے کہا کہ "ہمارے آدمی گر رہے ہیں اور اب اگر ہمارا نقصان دس آدمیوں کا ہے مگر ہلہ کرنے کی صورت میں صرف ایک آدمی کا

نقصان رہ جائیگا" آخر کار وہ اُن ڈھلوان اور تنگ سیڑھیوں پر جھپٹ کر چڑھ گئے جس پر سے اہل برما کی توپیں اُن کو ہوا میں اڑا دیتیں مگر اُن کے اس ناگہانی حملے کے تند و پر شور نعروں سے شاید مدافعین کے دلوں میں خوف بیٹھ گیا تھا جس وقت حملہ آور فوج ایک طرف کے دروازے توڑ کر گھسی تو اہل برما کی فوج دوسری طرف کے دروازے سے نکل گئی اور "غیر فانی" مع اپنے چمکدار سنہری سامان جنگ کے بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھے۔ وہ بدحواسی میں اُن چند عورتوں اور بچوں کو بھی نہ کھول سکے جو مدافعت کنندگان کی بہادری کی ضمانت کے طور پر توپوں سے باندھ دیئے گئے تھے۔

لیکن اس تباہ کن سبق سے بھی برما کے حکام نے عقل حاصل نہ کی۔ رنگون کے بھگوڑے گورنر نے انگریزی سپہ سالار کو گستاخانہ تحریر کرتے ہوئے نصیحت کی کہ "وہ واپس چلا جائے تاوقتیکہ واپس جانا اُس کے اختیار میں ہے" لارڈ ڈلہاؤزی پر یہ کھل گیا کہ تمام ساحل پر قبضہ کر لینے سے بھی شہنشاہ برما کو عقل نہ آئیگی اس لئے اس نے جنگ کی کارروائیوں کو ملک کے اندر تک بڑھانے کا ارادہ کیا اور اپنی شرائط کو اور زیادہ وسیع کر دیا۔ ۰۰۰ روپیے کے اصلی نقصانات اور دس لاکھ روپیہ بطور جرمانہ جو جنگ کے شروع میں طلب کئے گئے تھے اُن کے بجائے اب اس نے پندرہ لاکھ روپے معہ نیگریس یا جزائر ڈائمنڈ اور ساحل بحیرہ مرتبان کے ضلع کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے ہز میجسٹی (بادشاہ) سے صاف صاف کہلا بھیجا کہ اگر یہ شرائط قبول نہ کی گئیں تو جہاں جہاں برما کی افواج ہیں اُن کو شکست دیکر برطانوی فوج مستقر تک پہنچ جائیگی"۔

اہل چین کا یہ "برادر بزرگ" اس پر بھی اپنی عورتوں اور مصاحبوں کی خوشامدانہ تسلّی و تشفی میں مطمئن اور جو موقع اُسے دیا گیا تھا اُس سے منحرف رہا۔ اور اسی باعث سے روپے کے مزید خرچ اور بیماری کے باعث چند جانیں ضائع کر کے جنگ کو ملک کے اندر تک پھیلانا پڑا۔ ۱۸۵۲ء کے موسم خزاں میں شہر پروم کے بزور مسر ہونے سے شاہی دارالسلطنت آوا تک پہنچنے کا دریائی راستہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا جنگی کارروائیوں کو پایۂ تخت کی طرف بڑھا کر انتہائی حد تک پہنچا دیا جائے یا نہیں۔ لندن کی کمیٹی صیغہ راز کے بیان کے بموجب کورٹ آف ڈائرکٹرز نے بادشاہ کے

اُن شرائط کو قبول نہ کرنے کی صورت میں جو اُس کے سامنے پیش کی گئی تھیں اس انتہائی کارروائی کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر لارڈ ڈلہاؤزی نے اس سے زیادہ معتدل درجے کی کارروئی کو ترجیح دی۔ ایک پرائیویٹ چٹھی میں اُس نے تحریر کیا کہ "آوا پر چڑھائی کرنے پر بھی امن وامان اس وقت تک نہیں نصیب ہوسکتا جب تک کہ فوج کو آوا میں نہ رکھا جائے جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہیں کہ جب تک ہم تمام سلطنت برما کو ہضم نہ کرجائیں"۔ اس جنگ کے انتہائی نتائج کو بیّن طور پر مدنظر رکھ کر جواب قریب الختم تھی لارڈ ڈلہاؤزی نے یہ بھی تحریر کیا کہ "کبھی نہ کبھی اس ضرورت کا پڑنا بھی ممکنات سے ہے مگر مجھے امید واثق ہے کہ اس قسم کی ضرورت میرے زمانے میں نہیں پڑیگی"۔ چنانچہ اُس نے اپنا ہاتھ روک لیا اور چونکہ شہنشاہ نے شرائط کے قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اس لئے لارڈ ڈلہاؤزی نے پیگو پر آخری قبضہ کرلینے کے بعد ایک اعلان کے ذریعے لوئر برما کو ممالک برطانیہ میں شامل کرکے لڑائی کو بند کردیا ؛

شہنشاہ برما کی متکبرانہ مزاج کی نخوت کو ۲۰ دسمبر ۱۸۵۲ء کی اُس تحریر نے انگریزی گورنر جنرل کے اُس سے زیادہ پر تکبر اعلان کے ذریعے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ؛

اُس اعلان میں مرقوم تھا کہ "جب دربار آوا نے اُن نقصانات اور اہانتوں کی تلافی سے انکار کردیا جو برطانوی رعایا نے دربار مذکور کے ملازموں کے ہاتھوں برداشت کی تھیں تو ہندوستان کے گورنر جنرل باجلاس کونسل نے بزور شمشیر تاوان وصول کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا ؛

ساحل کے کنارے پر جس قدر قلعے اور شہر تھے اُن پر فوراً حملہ کرکے قبضہ کرلیا گیا۔ برمائی افواج جہاں مقابل ہوئیں اُن کو منتشر کردیا گیا۔ اور پیگو کے صوبے پر اب برطانوی افواج قابض ہیں ؛

بادشاہ نے حکومت ہند کے معتدل اور انصاف پر مبنی مطالبات کو پورا کرنے سے انکار کیا۔ اُن نقصانات کی تلافی کے لیئے اُس کو جو کافی موقع دیا گیا تھا اس سے بے پروائی برتی۔ اور اطاعت جو اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچا سکتی تھی اب بھی نہیں کی گئی ؛

اس لیئے گزشتہ نقصانات کی تلافی اور آئندہ امن کی بہتر ضمانت کی خاطر
گورنر جنرل باجلاس کونسل نے فیصلہ کرلیا ہے اور اعلان ہذا کی رو سے مطلع کرتا ہے
کہ اب پیگو کا صوبہ مشرقی برطانوی مقبوضات کا ایک حصہ ہے اور آئندہ رہیگا۔
برمائی جو افواج اب تک صوبے میں باقی ہونگی اُن کو نکال دیا جائیگا۔
حکومت دیوانی فوراً قائم کی جائیگی اور مختلف اضلاع کے امور کی انجام دہی کے لیئے
افسر مقرر کر دیئے جائینگے۔
گورنر جنرل باجلاس کونسل نے جو تاوان وصول کیا ہے وہ اس کو کافی
سمجھتا ہے اس لیئے برما میں مزید فتوحات حاصل کرنی نہیں چاہتا اور وہ اس بات پر
رضامند ہے کہ حریفانہ کارروائیاں روک دی جائیں۔
لیکن اگر شاہ آوا برطانوی حکومت کے ساتھ سابقہ تعلقات کی تجدید میں
قاصر رہا یا جس صوبے کو اب بذریعہ اعلان حکومت برطانیہ نے اپنی ملکیت قرار دیا ہے
اُس کے امن میں خلل انداز ہونے اور اس پر قبضہ کرنے کی خاطر ناعاقبت اندیشی سے
کوئی جھگڑا کھڑا کیا تو گورنر جنرل باجلاس کونسل ان اختیارات سے جو اُسے حاصل ہیں
پھر کام لیکر مظالم جاری رہنے کی صورت میں اُن کا پورا پورا انتقام لیگا اور اس کا
لازمی نتیجہ سلطنت برما کی بربادی اور بادشاہ اور اُس کی نسل کی تباہی اور جلاوطنی کی
صورت میں نمودار ہوگا"۔

اس طرح ۱۸۵۲ء میں لوئر برما برطانوی حکومت کے ماتحت ہوگیا۔ میں
اُن چاروں دوروں کا ذکر کرچکا ہوں جو لارڈ ڈلہاؤزی نے بذات خود اس جزیرہ نما میں
اس امر کے اطمینان کے لیئے کیئے تھے کہ اُس کی پالیسی اور طرز حکومت پر اچھی طرح
عملدرآمد ہو رہا ہے یا نہیں۔ جدید برطانوی ملک برما اُس کا ذاتی حاصل کیا ہوا
ملک ہونے کے لحاظ سے تین سال پیشتر کے نئے برطانوی صوبۂ پنجاب سے
کسی درجے کم نہ تھا۔ لیکن ہر دو صوبوں میں تدابیر سلطنت کا مختلف ہونا لازمی تھا۔
پنجاب میں تو لوگ کسی نہ کسی حکمران جماعت کی اطاعت کے عادی تھے اور
لارڈ ڈلہاؤزی نے اُن کی اطاعت کا رخ دیسی حکمران جماعت کی طرف سے پھیر کر
برطانوی حکومت کی طرف کردیا تھا۔ اس کارروائی سے پنجاب کی سابقہ حکمران جماعت کی

قومیت میں سے فوجی عنصر تلف ہو گیا تھا لیکن سوسائٹی میں اُن کی اہمیت باقی تھی اور وہ اب بھی حکومت اور عوام الناس میں بیچ بچاؤ لینے کا کام دیتے تھے۔

برما میں اس قسم کی کوئی حکمران جماعت نہ تھی۔ صرف بادشاہ تھا۔ اُس کے قدموں کے نیچے کچلے جانے کے لئے رعایا تھی یا اُس کے افسر جو اُس کے مظالم کیلئے بطور آلے کے کام دیتے تھے۔ رعایا کے دلوں میں اُن افسروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کا کوئی خیال بلکہ اُن کی طرف سے سوائے تنفر کے اور کسی قسم کا احساس نہ تھا۔ برما میں افسروں کے طبقے کا تقرر یا موقوفی۔ قید۔ ترقی۔ سزائے قطع اعضاء یا قتل کا باعث یا تو بادشاہ کی تلون مزاجی یا زنانے محل کی سازشوں کے نتائج ہوا کرتے تھے۔ اس لئے جب ۱۸۶۲ء میں انگریزوں نے برما کے ساحلی ٹکڑے پر قبضہ کر لیا تو اُن کو کسی موروثی حکمران فریق یا دیسی امراء سے سابقہ نہیں پڑا جو اُن سے اور اُن کی نئی رعایا کے درمیانی کارکن بن جاتے۔ اور ۱۸۵۲ء میں لوئر برما کے الحاق کے وقت بالکل یہی دقت لارڈ ڈلہاؤزی کو پیش آئی یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو لارڈ ڈفرن کے الحاق پر برما کے بعد بالکل اسی سوال کے نتائج کے دیر میں برآمد ہونے کے باعث لگاتار کوشش میں لگے رہنے والے برطانوی عہدہ داروں کی ہمت کو پست کر دیا۔

اس دشواری کے ساتھ برما کے معاملے میں یہ امر بھی شامل تھا کہ تمام آبادی دیسی حکومت کی طویل بدنظمی کے زمانے کو دیکھتے دیکھتے ابتری کی حالت کو سوسائٹی کے لئے ایک ناگزیر امر سمجھنے کی عادی ہو گئی تھی۔ برما کے اُن اہل دیہات کے نزدیک بھی جو اگرچہ خود محنتی اور صاحبِ اولاد ہونے سے با امن باشندوں کی زندگی گزارتے اور اپنی زمینوں کی کاشت کرتے تھے ڈکیتی ایک مردانہ شغل تھا جس میں برما کے ہر ایک پرجوش نوجوان کو کبھی نہ کبھی شریک ہونا ضروری تھا۔ ۱۸۵۲ء کے بعد کے زمانے میں لارڈ ڈلہاؤزی کو اسی قسم کے مفسد جذبات سے سابقہ پڑا جو ہر ایک کے دل میں اُترے ہوئے تھے۔ اور بعد ازاں ۱۸۸۶ء کے بعد لارڈ ڈفرن کو بھی عوام کے ان ہی جذبات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے سحر کے زور سے ان لوگوں کی حالت کی یکایک کایا پلٹ نہیں کر دی تھی بلکہ اُس نے یہ مقصد انگریزوں کی ایک منتظمہ جماعت کے

ذریعے سے پورا کیا تھا جو نہایت زبردست تھی اور جو اس ابتری کے عناصر کی
بیخ کنی نہایت صبر کے ساتھ کرتی رہی۔ لیکن اسکے قابل قائم مقام سر آرتھر فیرے کو
اہل برما کے دلوں میں رفتہ ہی رفتہ یہ خیال جمانا نصیب ہوا کہ برطانوی حکومت میں
جرائم کی نسبت با امن مشقت کے ذریعے زیادہ آسانی سے روزی کمائی
جا سکتی ہے۔

میں ان انتظامات کے شاندار نتائج کا تذکرہ لکھنے سے سبکدوش کر دیا گیا
ہوں جو اس وقت لارڈ ڈلہاؤزی نے برما میں جاری کیے تھے کیونکہ یہ تمام کارنامے
برما کے متعلق ہر بیان میں نہایت روشن اور بیّن طور پر لکھے ہوئے ملینگے۔ چنانچہ
گزیٹیر برما جس مقام پر ان شاندار ترقیوں کا حال تحریر کرتا ہے وہاں وہ اپنے خشک
سرکاری طرز بیان کو قدرۃً ترک کر دیتا ہے۔ ۱۸۵۲ء میں لارڈ ڈلہاؤزی کے الحاق کے
وقت سے رنگون کے باشندوں کی تعداد ۱۵ گنی ہو گئی ہے۔ اس بندرگاہ کی تجارت
جو الحاق کے بعد بہ مشکل ۲۰ لاکھ سے زائد تھی ۱۸۸۳ء میں ایک کروڑ تیس لاکھ تک
پہنچ گئی۔ دیہاتی مقامات کی خوشحالی میں بھی اسی قدر ترقی ہوئی۔ ۱۸۵۵ء کے
زمانے سے اب تک ضلع ایمہرسٹ کی آبادی ۶ گنی زیادہ ہو گئی ہے۔ ضلع اکیاب
اور اسی نام کی بندرگاہ میں جس کا الحاق ۱۸۲۶ء میں ہوا تھا آئندہ پچاس سال کے
اندر آبادی تقریباً تین سو گنی ہو گئی۔

اب میں اُن لڑائیوں کا حال تحریر کر چکا ہوں جن کے ذریعے لارڈ ڈلہاؤزی
نے برطانوی حدود کو ہندوستان کی دو مختلف اطراف کی انتہائی سرحدوں تک
پہنچا دیا۔ پنجاب، لوئر برما اور سکم کے دور افتادہ اضلاع کا الحاق کر کے لارڈ ڈلہاؤزی نے
ہندوستان کی برطانوی حکومت میں انگلستان اور ویلز کے رقبے سے دوچند رقبہ
بڑھا دیا۔ لیکن زمین کا اضافہ لارڈ ڈلہاؤزی کی سرحدی لڑائیوں کے منجملہ دیگر نتائج میں
سے صرف ایک چوتھا اور وہ بھی کچھ زیادہ اہم نتیجہ نہ تھا۔

پنجاب پر قبضہ کر کے لارڈ ڈلہاؤزی نے اس قدیمی سدِ راہ کو بیچ میں سے
ہٹا دیا تھا جو برطانوی ہندوستان اور بیرونی حملہ آوروں کے درمیان حائل تھی۔
اُس نے سکھوں کی جنگجو قوم کو جو پیشتر ہمارے اور وسط ایشیائی اقوام کے درمیان

حدِّ فاصل تھی برطرف کردیا۔ اُسی زمانے سے برطانوی افواج اس وسیع سرحدی لائن پر قائم کی گئی ہیں۔ اس طرح برطانوی ہندروس کی ملکی جدوجہد سے ٹکرانے لگی اور مسلح غیر جانبداری کے اس گراں نظام میں داخل ہوگئی جس کو ہم یورپ میں قوموں کا اتحاد کہکر خوش ہوتے ہیں۔ پہاڑی کے دامن میں سکم کے ملک پر قبضہ کرکے لارڈ ڈلہاؤزی نے برطانوی حکومت میں ایک ایسا ملک ملادیا جس کی پیداوار چائے کی قابلیت نے انگریزوں کی الوالعزمی کے لیئے ایک جدید واہم شعبۂ تجارت کھول دیا ؎

لوئر برما پر قبضہ کرکے اُس نے مشرق میں چاول اور ساگوان کی لکڑی کی تجارت کو اہلِ برطانیہ کے ہاتھوں میں سونپ کر اس وسیع اور اُجڑے ہوئے ملک کو ایشیا کے نہایت خوشحال اور ترقی پذیر صوبوں میں شمار کرادیا۔ لیکن یہاں بھی ملکی توسیع سیاسی ذمہ داری میں زیادتی کا باعث ہوئی۔ پہلے بھی یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ملک سکم کے ساتھ انگریزی تعلقات کے باعث انگریزی اور تبتی تعلقات ہمیشہ خوشگوار نہیں رہے۔ سلطنت برما کے معدوم ہوجانے کی وجہ سے سلطنت چین کے ساتھ انگریزی تعلقات پیدا ہوگئے ہیں اور اس بنا پر ہندوستانی گورنمنٹ ضروری تجاویز یعنی افیون کے آئندہ محصولات۔ مشرق کی جانب مجوزہ تجارتی راستوں کی تکمیل اور جنوب مشرقی حدود کی پہاڑی ریاستوں کی نگرانی بغایت متاثر ہوئی ہے ؎

باب ششم

ہندو ریاستوں کا الحاق

اس چھوٹی سی کتاب کے موضوع کے مطابق جس کا اظہار اس کے پہلے باب میں ہو چکا ہے میں نے ایک مسلسل بیان کی شکل میں لارڈ ڈلہاؤزی کی سرحدی فتوحات کا ذکر کر دیا ہے تاکہ میں اب اُس کے اندرونی نظم و نسق کی پالیسی پر مجموعی طور پر اور ربط و تسلسل کے ساتھ بحث کر سکوں۔

نظم و نسق کی اس پالیسی کا نہایت نمایاں رخ دیسی ریاستوں کے ساتھ اسکا برتاؤ تھا۔ مگر اس کو سب سے زیادہ اہمیت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ حقیقی جانشینوں یا سلطنت کے انتخاب کردہ جائز وارثوں کی عدم موجودگی کے وقت ہندو ریاستوں کے لئے انضمام کے اصول کو عائد کرتے ہوئے لارڈ ڈلہاؤزی نے محض اس مسلمہ اصول پر عمل کیا تھا جو اُس کے اس ملک میں آنے سے سالہا سال پیشتر گورنمنٹ آف انڈیا نے نہایت غور و خوض کے بعد مقرر کیا تھا۔

لیکن اس قسم کی کارروائیاں کرتے وقت لارڈ ڈلہاؤزی اس امر سے بیخبر تھا کہ صدی کے ابتدائی زمانے یا دوسرے الفاظ میں لارڈ ڈلہاؤزی کے زمانے کے پرانے ہندوستان کو ۱۸۵۸ء میں ملکہ کے زمانے کا جدید ہندوستان تیار کرنے میں خود اس کو بڑا دخل ہے۔ حکومتِ ہند۔ انگلستان میں مجلس نظماء اور انگریزوں میں سے وہ تھوڑے سے لوگ جو مشرق میں انگریزی مملکت کو کچھ بھی دلچسپی کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ رفتہ رفتہ اس نتیجے تک پہنچ گئے تھے کہ

ہندوستان کے فرضی اور برائے نام حکمرانوں کے ذریعے سلطنت کرنے کا پرانا طریقہ اب مطلق کام نہیں دے سکتا اور جب پارلیمنٹ اور برطانوی قوم نے اس اصول کو قبول کر لیا کہ ہندوستان پر حکومت کرتے وقت حکمرانوں کا فائدہ مدنظر نہ ہونا چاہیئے بلکہ عوام کی بہبودی پر نظر رکھنی چاہیئے تو انھیں رفتہ رفتہ اس اصول کو بھی قبول کرنا پڑا۔"[۱]

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ لارڈ ویلزلی نے ۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۵ء انگریزی حکومت کے ماتحت دیسی والیان ریاست کی حکومت کو برقرار رکھنے کے پردے میں ہندوستان پر برطانوی افواج اور برطانوی عہدہ داروں کے ذریعے حکومت کرنے کی پالیسی کو حد کے درجے تک پہنچا دیا تھا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کم و بیش نصف صدی تک چھوٹے چھوٹے ایسے خود سر حکمراں ہوئے جو اپنی زندگی کو غفلت اور دائمی اوباشی میں گذارتے رہے اور جب کبھی اپنی غفلت سے چونکتے تھے تو ظلم و ستم پر کمر باندھ لیتے تھے کیونکہ برطانوی اسلحہ کی حمایت میں وہ اپنی حکومت کے نتائج ہند کی طرف سے مطمئن تھے۔ سر ہنری لارنس نے تحریر کیا تھا کہ "جب یہ حکمراں اجنبیوں کو نہیں لوٹ سکتے تو اپنی رعایا کو لوٹتے کھسوٹتے ہیں تمام ہندوستان میں یہی دستور رواج پکڑ گیا ہے۔"

اخبار ٹائمز نے ۱۸۵۳ء میں اس طریقۂ حکومت کو مندرجۂ ذیل عبارت میں مجمل طور پر تحریر کیا تھا "اگرچہ ہم تمام ساحل بحر پر حکمراں ہیں لیکن ہم نے ابھی تک بہت سے اندرونی زرخیز صوبوں کو دیسی حکمرانوں کی برائے نام حکومت کے سپرد کر رکھا ہے۔ سوائے راجپوت راجاؤں کے یہ حکمراں عموماً بلند مرتبہ یا قدیم حکمراں خاندان سے نہیں ہیں۔ اپنے مقبوضہ ممالک پر ان کا حق ہمارے حقوق سے کسی صورت میں بہتر نہیں ہے مگر ہم میں اور ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ اگرچہ انھوں نے ہماری طرح یہ ملک تلوار کے زور سے حاصل کیئے ہیں مگر ہماری

۱۔ یہ اقتباس سر ایڈون آرنلڈ کی کتاب موسومہ "مارکوئس آف ڈلہوزی کا دوران حکومت" جلد دوم صفحات ۳۸۲ تا ۳۸۴ - ایڈیشن ۱۸۶۵ء سے لیا گیا ہے۔

تلوار کے برعکس اُن کی تلوار بجائے مظلوموں کی حمایت کے صرف ظلم و ستم کے لئے نیام سے نکالی جاتی ہے۔ ہم نے ان کمزور نکمے اور برائے نام حکمرانوں کو اُن بُرے انجاموں سے مطمئن کر رکھا ہے جو ایک مشرقی بے اصول سلطنت کے اجزاء لاینفک ہیں۔

ایشیا کی ہر ایک چیز کے مانند ایشیائی حکومتوں کی تاریخ بھی یکساں اور غیر متغیر ہے۔ کسی خاندان کا بانی جو ایک بہادر سپاہی اور انتہا درجے کا سازش کرنے والا ہوتا ہے کسی پرانے خاندان کے کمزور اور حقیر وارثوں کو تخت پر سے ہٹا دیتا ہے۔ اُس کے لڑکے میں اپنے باپ کی کسیقدر صفات ہوں تو ہوں مگر دو یا تین پشت کے اندر ہی اندر عیش پرستی اور کاہلی اپنا اثر کر لیتی ہیں اور کسی مشہور و معروف شخص کے یہ کمزور نام لیوا کسی نئے جانباز کے ہاتھوں تخت سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ اور یہی انجام بعد اس نو وارد کے جانشینوں کو ورثے میں پہنچتا ہے۔ اسی طرح بغاوت اور تخت سے محرومی ہر بد آئین سلطنت کا علاج بنجاتی ہیں۔ اور اہلِ مشرق کو اسی طرح وقتاً فوقتاً بغاوت اور خانہ جنگی کے ذریعے سے مختلف اوقات میں قابل اور بہادر حکمراں نصیب ہوتے رہے ہیں۔

ہم نے ہندوستان کی اُن ریاستوں کے لوگوں کو جن پر ابتک ویسی حکمرانوں کی حکومت ہے مندرجۂ بالا فائدے سے محروم کر دیا ہے جس کسی نے یہ کہا ہے خوب کہا ہے کہ ان والیان ملک کو ہم نے ایسی قوت عطا کی ہے جو ذمہ داری کے بوجھ سے آزاد ہے۔ باوجود ان کی کمزوری۔ اُن کے عیوب اور اُن کے جرائم کے ہمارا آہنی پنجہ اُن کو تخت پر تھامے ہوئے ہے اور اس کا نتیجہ اکثر ریاستوں میں نہایت مذموم بدعملی کی صورت میں رونما ہوا ہے جس کے باعث دائمی فتنہ و فساد جاری رہتا ہے اور ریاست کا خزانہ اہل لشکر اور اہل دربار کی بدولت تباہ ہو جاتا ہے۔ بدقسمت رعایا پر جو سخت اور ظالمانہ محصولات لگائے جاتے ہیں وہ بنی نوع کے ذلیل ترین اور حقیر ترین افراد کی شکم پروری میں صرف کیئے جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہاں اصول مسلّم معلوم ہوتا ہے کہ حکومت رعایا کی خاطر نہیں بلکہ حکمراں کے لیئے ہے اور جبتک ہم ایک

فرائض شکن مسند آرا کو اُس کی مسند پر برقرار رکھتے ہیں اس وقت ہم گویا اُن تمام فرائض کو
ادا کر رہے ہیں جو بحیثیت شہنشاہ ہندوستان کے ہم پر اُس کی رعایا کے ہیں جو
درحقیقت ہماری اپنی رعایا ہے"
ہم نے ۱۸۵۳ء کے اخبار ٹائمز سے یہ قابل ذکر مگر کسی قدر طویل عبارت
اس لیے نقل کی ہے کہ جس صورت میں ٹائمز کو اصلاحات کی ضرورت کا ایسا صریح
یقین تھا تو واقعی یہ ضرورت واضح در نہایت اہم تھی۔ مورخین میں سے بعضے ایسے بھی ہیں
جنھوں نے لارڈ ڈلہاوزی کو اس قسم کا اختراع پسند لکھا ہے جس نے محض عام اصولوں پر
دیسی والیان ریاست کے توسط سے ہندوستان کی حکومت کے پرانے طریقے کی تنسیخ کا قطعی
ارادہ کیا تھا اور دوسری قسم کے مورخ لکھتے ہیں کہ اس ضروری اور اٹل انقلاب کے لیے وہ تقدیر کے
ہاتھ میں محض ایک بیجان آلے کے مثل تھا"
حقیقت یہ ہے کہ لارڈ ڈلہاوزی نے نہ تو کسی اصول میں اختراع کی اور نہ وہ
تقدیر کے ہاتھوں میں بے جان آلہ تھا۔ حکومت میں جو تغیرات اُس کے ہاتھوں سے
ہوئے اُن سے گریز ناممکن تھا اور اگر اُس کا قدم ہندوستان کی سرزمین پر نہ آتا
تو بھی غالباً یہ تغیرات تقریباً اُسی وقت عمل میں آتے مگر اُس نے یہ تغیر و تبدل بیدلی
سے ہرگز نہیں کئے بلکہ اُس نے یہ فعل ایسے حکمران کی حیثیت سے کیا تھا جو اُن
تغیرات کے حق بجانب ہونے کا دل سے یقین رکھتا ہو اور جس نے تہیہ کر لیا ہو
کہ ہر جائز موقع سے فائدہ اُٹھا کر اُن کو جاری کرے۔ لارڈ ڈلہاوزی نے غور و تامل
کے بعد اس اصول کو ہندوستان میں جاری کیا تھا جس کو اُس نے اپنے
آغاز شباب میں انگلستان میں کامیاب ہوتے دیکھا تھا۔ یہ وہ اصول ہے جس کو
اب ہر سیاسی فریق کا انگریز مدبر اختیار کر لیتا ہے اور جس کو کوئی لارڈ ڈلہاوزی
جیسا بیدار مغز کنسرویٹو فریق کا شخص تو نہایت شوق سے جاری کرے گا۔ اور
وہ اصول یہ ہے کہ بادشاہوں کے اغراض کو مدنظر رکھ کر حکومت کے نظام کی ترتیب
نہیں دی جاتی بلکہ اُس سے محض رعایا کی بہبودی مراد ہوتی ہے"
لارڈ ڈلہاوزی کو اگر ایک خالی مدبر کہہ سکتے ہیں تو اُس کا مفہوم پاکیزہ ہی ہو سکتا
ہے مزید شبہوں کو رفع کرنے کے لیے ہم خود اُس کا جواب پیش کرتے ہیں۔

اپنے[1] عہد حکومت کے ابتدائی ایام میں اس نے ایک سرکاری مراسلے میں لکھا تھا
کہ ہماری سلطنت کی حدود کی توسیع کی کارروائیوں سے اگر اجتناب ممکن ہو تو مجھسے
زیادہ کوئی شخص اجتناب نہ کرے گا بشرطیکہ ہماری اپنی سلامتی اور ہمارے مقبوضہ
ممالک میں قیام امن کی خاطر ایسا کرنا لازمی نہ ہو جائے۔ لیکن میرے خیال
میں یہ کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ ان ممالک کے استحکام کے لیئے
جو جائز موقع ہاتھ آئے اس سے فائدہ اُٹھانے کی پالیسی سے منکر ہو جو
ہماری ہی ملکیت ہیں اور اس غرض کے لیئے ان ریاستوں پر قبضہ کر لینا پڑے
جن کا خود بخود معدوم ہو جانا ممکنات سے ہو یا ایسے موقع سے فائدہ اُٹھا کر
ان چھوٹی چھوٹی درمیانی ریاستوں سے جو محض باعث تکلیف و پریشانی ہونیکے سوا
میرے نزدیک کبھی باعث تقویت نہیں ہو سکتیں پیچھا چھڑا لیا جائے۔ سرکاری
خزانے کے ذرائع آمدنی کو بڑھا لینے کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے
اور اپنے نظام حکومت کو ان لوگوں کے بہبودی کی خاطر وسیع پیمانے پر جاری
کر دیا جائے جن کو فائدہ پہنچانا ہمارا عین مقصد ہے۔ بلحاظ اپنے فرائض
اور اپنی پالیسی کے گورنمنٹ مجبور ہے کہ ایسے ہر موقع پر نہایت ہی دیانتداری
اور حد درجے کی ایمانداری سے کام لے اور شک و شبہ کی ذرا سی جھلک
کے ساتھ ہی فوراً دعوے سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔

ان اصولوں کا اعلان کرتے ہوئے لارڈ ڈلہاؤزی نے کوئی نیا مسئلہ جاری
نہیں کیا[2] بلکہ ایک مختلف الاصول مدبر یعنے ڈیوک آف ارگائل کے قول کے مطابق
اس نے محض اس اصول کا اعادہ کیا تھا جس پر حکومت ہند برابر عمل کرتی رہی تھی
اور جس کے مطابق حقیقی وارثوں کی عدم موجودگی کے ہر سابقہ موقع پر چھوٹی چھوٹی
ریاستوں ملکوں اور جاگیروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مجلس نظماء نے بھی تقریباً
۲۰ سال پیشتر اور ان ہی الفاظ میں اس قاعدے کو جاری کیا تھا۔

---

[1] یہ اقتباس ایڈنبرا ریویو کی اشاعت ۱۸۶۳ء میں ڈیوک آف آرگائل کے مشہور مضمون سے لیا گیا ہے جو ۱۸۶۵ء میں دوبارہ طبع ہوا تھا۔

[2] دیکھو ڈیوک آف آرگائل کے ایڈنبرا ریویو کے مضمون کی طبع ثانی موسومہ "ہندوستان بعہد ڈلہاؤزی و کیننگ" صفحہ ۲۷ - لونگ مینز ۱۸۶۵ء

لارڈ ڈلہاؤزی نے اتنا ضرور کیا کہ اس اصول کو یکساں طور پر سب جگہ مروج کر دیا۔ نہایت اہم اور اصولی سوال یہ تھا کہ حقیقی وارثوں کی عدم موجودگی میں کیا حکومت کو کسی ماتحت ریاست کی حکومت بھی محض ذاتی جائداد کی طرح کسی متبنٰی کو قابض ہو جانے کی اجازت دینی چاہیے؟[1] مجلس نظماء نے خاص حالات کے تحت میں ایک ریاست کے حقیقی وارثوں کی عدم موجودگی کے وقت متبنٰی کو جانشین بنانے کے لیئے ایک مرتبہ اجازت بھی دی تھی۔ مگر ۱۸۳۴ء میں اس اجازت کی بابت اعلان کیا گیا تھا کہ اس قسم کی اجازت کو صرف ایک مستثنیٰ امر سمجھنا چاہیئے نہ کہ عام قاعدہ۔ اور تا وقتیکہ خاص عنایات یا اظہار تحسین کی ضرورت ہو ایسی اجازت ہرگز نہ دینی چاہیئے جب ان برائے نام حکمرانوں کے ذریعے حکمرانی کے اس پرانے طریقے کی خرابیاں اور زیادہ واضح ہونے لگیں تو حکومت ہند نے ۱۸۴۱ء میں ایک یکساں طریقہ نظم و نسق کے اجرا کا تہیہ کر لیا اور بالاتفاق یہ اصول قائم کیا گیا تھا کہ حصول ملک و دولت کے متعلق صرف اس ایک واضح اور سیدھے طریقے پر عمل کرنا چاہیئے کہ کسی جائز اور معقول موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی حقداروں کے تمام دعووں کی پوری قدر ملحوظ رکھی جائے،،۔[2]

"قانون قدیم کے قانون کی رو سے ہر ایک ہندو کو حق حاصل تھا" کیا تھا۔ زمانہ قدیم کے قانون کی رو سے ہر ایک ہندو کو حق حاصل تھا کہ صلبی وارثان نرینہ کی عدم موجودگی میں کسی کو متبنٰی بنالے۔ متبنٰی بنانا ان مذہبی رسوم کی ادائگی کے لیئے لازمی تھا جن پر متوفی باپ کی دوسری زندگی کی بہتری کا دار و مدار ہوتا ہے۔ یہ متبنٰی جو عموماً خاندان ہی کے خردوں میں منتخب ہوتا ہے اپنے متبنٰی کرنے والے باپ کا روحانی جانشین مانا جاتا ہے اور اس کی جائداد کا وارث ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ خاندان کے خردوں ہی میں سے منتخب کیا جائے۔ لیکن یہ اصول متوفی کے سیاسی اختیارات پر عائد نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ اختیارات کسی متبنٰی لڑکے تک صرف سلطنت بالادست کی خاص منظوری سے پہنچ سکتے تھے۔

[1] کیا تاج اور سلطنت حکومت اور بنی نوع انسان کی سلامتی ایسی ادنٰی اور حقیر چیزیں

[2] اقتباس از "لیڈی جیلین گرے"، ایکٹ ۲۔ پہلا سین۔ مصنفہ رڈ

ہیں کہ وہ اس طرح دوسروں کو تحفے میں دیدی جائیں۔ جیسے کوئی دوست جدا ہوتے وقت
کوئی بیش قیمت کھلونا۔ انگوٹھی یا کوئی دل آویز جواہر بطور تحفہ دوسرے کو دیدیتا ہے
کیا بادشاہ ایسا کر سکتے ہیں کہ ایک قوم اپنی اولاد کو ترکے میں دے ڈالیں ؟

اس مسئلے کے متعلق جس شخص کی قانونی رائے سب سے زیادہ اہم سمجھی جاسکتی
ہے اس نے لکھا ہے کہ جب کوئی ہندو کسی ایسی ریاست کا حکمراں ہو جو کسی بالاتر
سلطنت کے ماتحت ہو یا اس سلطنت نے بطور انعام عطا کی ہو تو ایسی ریاست
کی جانشینی کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ متبنیٰ بناتے وقت اس بالاتر حکومت
کی منظوری حاصل کرلی جائے۔ مگر ذاتی جائداد اس متبنیٰ لڑکے کو ہی ملے گی خواہ اس بالاتر
حکومت نے اس کو متبنیٰ بنانے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ مگر متذکرہ اجازت
کی عدم موجودگی میں وہ ریاست ہی اس بالاتر حکومت کی طرف عود کرائے گی۔"؎

کسی ماتحت ریاست کی جانشینی کے لیے متبنیٰ کرنے کی اجازت نہ دینے
کی بابت تو حکمران سلطنت کا قانونی حق تسلیم کیا گیا ہے مگر ایسا کرنے کی ضرورت
کی بابت کوئی صراحت نہیں کی گئی تھی۔ اس کے متعلق برطانوی سلطنت ہند میں
بہت مختلف طور پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ لارڈ ویلزلی نے غور و فکر کے بعد اس
طریقے میں ترقی کر کے درمیانی ریاستوں کو دوامی بنا دیا تھا۔ سرجان میلکم کی
سیدھی سادی تجاویز یہ تھیں کہ متبنیٰ بنانے کی اجازت کے حق کو ذریعہ آمدنی بنا کر
روپیہ وصول کیا جائے اور کورٹ آف ڈائریکٹرز کے سب سے مختلف احکام
یہ تھے کہ متبنیٰ بنانے کی اجازت "عنایتہً" دی جائے؎

اس لحاظ سے لارڈ ڈلہاؤزی نے جو کچھ کیا اس کو ہندوستان کے قانون
میں کسی اصول کا ایجاد کرنا نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہ ایک پرانے اصول کو
مستحکم طور پر استعمال یا عائد کرنا تھا۔ اس پر عملدرآمد کرتے وقت اس نے اس
فیصلے پر عمل کیا جو اس کے ہندوستان میں آنے سے سات سال پیشتر گورنر جنرل

ع۱ - اقتباس از کتاب موسومہ "ہندوستان میں لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد حکومت کی حمایت" مصنفہ
سر چارلس جیکسن (سابق ایڈووکیٹ جنرل بنگال) صفحہ ۵ - ایڈیشن ۱۸۶۵ء"

باجلاس کونسل نے نہایت غور و فکر کے بعد کیا تھا۔ وہ یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اصل مسئلۂ زیر بحث یہ ہے کہ غیر ذمہ دار درمیانی حکمرانوں کے ذریعے ہندوستان پر حکمرانی کرنے کے رواج کو عمداً طول دینے کی ضرورت ہے یا نہیں کیونکہ ماتحت ریاستوں میں متبنیٰ جانشینوں کو اجازت دیئے جانے کے معاملے کو لارڈ ڈلہاؤزی یہ سمجھتا تھا کہ ماتحت ریاست یا حکومت کو نئے آدمیوں کے ہاتھ میں دیکر وہ اس طریقۂ حکومت کو مصنوعی طور پر طول دے رہا ہے۔ یہ جھگڑا وراثت کا نہ تھا بلکہ برطانوی حکومت اور رعایا کے مابین درمیانی حکومت کے ازسرِنو قائم کرنے کا تھا۔

سب سے پہلا واقعہ جو لارڈ ڈلہاؤزی کے آنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس اصول کے اجرا کے لیے پیش آیا وہ ستارہ کی دیسی ریاست کا تھا۔ ۱۸۱۸ء میں مرہٹوں کے عام زوال پر سلطنت برطانیہ نے اس مرہٹہ ریاست کو قائم کیا تھا اور ۱۸۱۹ء میں رئیس کے بیٹوں وارثوں اور جانشینوں پر اس کے حق کو منتقل کر دیا تھا ۱۸۲۹ء میں سلطنت برطانیہ نے اپنے شاہی اختیارات سے حکمران رئیس کو بدچلنی کی بنا پر علیحدہ کر دیا اور انھیں حقوق کے ذریعے سلطنت برطانیہ نے اسی وقت معزول رئیس کے بھائی کو تخت نشین کر دیا تھا۔

اسی زمانے میں گورنر بمبئی نے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ نئے راجہ کی کوئی اولاد نہ ہونے کے باعث اس کے مرنے کے وقت اس ریاست کے سلطنت برطانیہ کی طرف عود کرانے کا موقع بہت صریح معلوم ہوتا ہے۔ ہز ایکسلنسی کے اپنے الفاظ کے مطابق "بشرطیکہ تبنیت کے ہندو رواج کے مطابق متبنیٰ کرنے کے ذریعے الاؤرڈسا کی حکومت کے سلسلے کو جاری رکھنا ضروری نہ سمجھا جائے۔ مگر یہ ایسا سوال ہے جس کو ایسے وقوعے کے پیش آنے کے وقت غور کے لیے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں"۔ نئے راجہ کو خود اپنی خالص مرضی سے تاج عطا کرتے وقت جس واقعے کا پہلے سے اندازہ کیا گیا تھا آخر کار اس کا وقت بھی آگیا۔ اور ان سے راجہ نے جس کو ۱۸۳۹ء میں انگریزی حکومت نے تخت نشین کیا تھا ایک لڑکے کے متبنیٰ کرنے کی اجازت مانگی سلطنت برطانیہ نے اس پر غور کرنے کے بعد اجازت

دینے سے انکار کیا مگر ۱۸۴۸ء میں بلا حصول رضامندی حکومت ہند کے راجہ نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں بعجلت تمام ایک لڑکے کو منتخب کر کے متبنیٰ کر لیا۔ یہ واقعہ لارڈ ڈلہاؤزی کے ہندوستان میں آنے کے چند ہی ماہ بعد پیش آیا تھا جس کا اس کو تصفیہ کرنا پڑا ؎

اس نے اور اس کے مشیروں نے متوفی راجہ کے خزانوں اور ذاتی جائداد کے متعلق متبنیٰ کے حق کو تسلیم کر لیا۔ لیکن حکومت ہند نے سات سال پیشتر ۱۸۴۱ء میں جو قاعدہ مقرر کیا تھا اس کے لحاظ سے وہ اس بات کو قبول نہیں کر سکتے تھے کہ ستارہ کی حکومت پر بھی اسے کوئی جائز حق حاصل ہو گیا ہے۔ اس رائے کے جواز قانونی کے متعلق کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کسی متبنیٰ لڑکے "وارث" یا "جانشین" کو کسی ماتحت ملک کی حکومت تفویض کرنے کے لئے حکومت بالاتر کی اجازت ضروری تھی۔ یہ اجازت نہیں دی گئی تھی اور ستارے میں جس لڑکے کو متبنیٰ بنایا گیا تھا جہاں تک حکومت بالاتر کی منظوری کا تعلق تھا وہ "وراثت" کا حق حاصل ہی نہیں کر سکتا تھا۔ ڈیوک آف آرگائل نے لکھا ہے کہ "ہندوستان کے تمام حکام میں صرف اس زمانے کا گورنر بمبئی سر جارج کلرک ہی ایسا شخص تھا جو متبنیٰ لڑکے کی جانشینی کا طرفدار تھا۔ مگر کمپنی کے اس ذی وقار ملازم نے جو وجوہات مشورتاً پیش کیں ان میں ان چند دعووں کا کہیں ذکر نہیں ہے جن کے وجود کی بابت عام طور پر یقین کیا جاتا ہے۔ سر جارج کلرک اس سے منکر نہیں تھا کہ حکومت کو قائم رکھنے کے قابل تبنیت کے لئے اعلیٰ حکومت کی اجازت کی ضرورت ہے۔ نہ اسکا یہ خیال تھا کہ یہ محض ایک سرسری سا معاملہ ہے اور تمام سابقہ واقعات اور مسلسل عملدرآمد کے لحاظ سے ہم اس اجازت کے دینے پر پابند ہیں۔ راجہ کے دربار میں ہمارا جو ریذیڈنٹ متعین تھا اس کو اس نے خود جبریہ حکم دیدیا تھا کہ وہ متبنیٰ کرنے کی

؎ جنوری ۱۸۶۳ء کے ایڈنبرا ریویو کے مضامین کی طبع ثانی جو ۱۸۶۵ء میں لونگ مینز نے "ہندوستان بعہد ڈلہاؤزی و کیننگ" میں ۲۴ سے ۳۵ صفحے تک طبع کی ؎

کسی ایسی کارروائی کو ہرگز تسلیم نہ کرے جس کی رو سے لاولد راجہ کا حکومت کو دوامی بنانے کا منشا پورا ہو اور اپنے ایسا کرنے کی یہ وجہ راجہ کے ذہن نشین کرے کہ اس معاملے کے متعلق برطانوی حکومت کی منظوری ابھی تک حاصل نہیں کی گئی ہے۔

"اس زمانے سے اب تک جس طرح اور بہت سے لوگ کرتے آئے ہیں ان کی طرح سر جارج کلرک نے متبنیٰ کے ان حقوق کو جو ریاست کی حکومت کا حقدار بناتے ہیں ان حقوق میں شامل نہیں کیا جن کی رو سے ذاتی جائداد حاصل ہو سکتی یا جو اس کو فرائض مذہبی کی ادائیگی کے قابل بنا سکتے تھے۔ اس نے نہ صرف اس فرق کو تسلیم ہی کیا بلکہ اس امتیاز پر خاص طور سے زور دیا کہ "چونکہ ہندوؤں کے دستور کے مطابق متبنیٰ کیا جاچکا ہے۔ اس لئے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ وہ متبنیٰ لڑکا سابق راجہ کا جائز وارث ہے اور اسے اس کی تمام ذاتی جائداد کا مالک ہونا چاہیئے"۔ مگر یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا وہ ستارے کے راجاؤں کی حکومت کا بھی حقدار ہے یا نہیں"۔

بمبئی سے روانہ ہونے سے پیشتر سر جارج کلرک نے ذاتی طور پر اس سوال کا جواب اثبات میں دیا۔ لیکن بمبئی کی کونسل پورے غور و فکر کے باوجود اسکی رائے کو تسلیم نہ کر سکی اور متبنیٰ لڑکے کے حق میں ستارے کی حکومت کو منتقل نہ کرنے کے متعلق آنے والا نیا گورنر بمبئی بھی اپنی کونسل سے متفق تھا۔ کلکتے میں گورنر جنرل کی سپریم کونسل نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ اس قسم کے متبنیٰ کرنے کی کارروائی متوفی راجہ کے سیاسی اختیارات میں داخل نہیں ہو سکتی۔ انگلستان میں مجلس نظار نے اس معاملے کے قانونی اور ذاتی پہلوؤں پر مجموعی طور پر مفصلہ ذیل رائے زنی کی۔ "ہم اس امر کی بابت بخوبی مطمئن ہیں کہ ہندوستان کے عام قانون اور دستور کے مطابق ستارا جیسی کوئی ماتحت ریاست کسی متبنیٰ جانشین کو بلا رضامندی حکومت بالاتر کے نہیں مل سکتی اس قسم کی اجازت دینے کے لیئے ہم کسی صریح یا مبہم معاہدے کی رو سے پابند نہیں ہیں اور عوام کی بہبودی جس کے ہم ذمہ دار ہیں وہ اسی کی متقاضی ہے کہ اس کی اجازت نہ دی جائے"۔

اس معاملے میں اور اس کے بعد سے ہر بلا وارث رہجانیوالی ریاستوں کے

معاملے میں اس سوال کا تصفیہ کرتے وقت لارڈ ڈلہاؤزی صرف سلطنت برطانیہ کی فوری ضروریات کا لحاظ کرنے پر اکتفانہ کرتا تھا بلکہ جو مسئلہ اس کے پیش نظر ہوا کرتا تھا وہ یہ تھا کہ کیا یہ امر سلطنت برطانیہ اور ہندوستانی ریاست کے باشندوں ہر دو کے حق میں یکساں طور پر مفید ہوگا کہ درمیانی طریقہ حکومت کی باگ از سر نو کسی متبنیٰ لڑکے کے ہاتھ میں دیدی جائے۔ ستارے کا ماقبل آخر راجہ ظالم اور جابر تھا معزول کردیا گیا تھا۔ اس کے بھائی نے جس کو ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے اس کی بجائے تخت نشین کیا تھا اچھی طرح حکومت کی لیکن لارڈ ڈلہاؤزی نے یہ قرار دیا کہ اسے کوئی حق نہیں ہے کہ ان پر ایک غیر ذمہ وار حکمراں کو تعینات کرکے ستارے کے لوگوں کی ان ہی اتفاقات کا ہدف بنادے۔

اس نے تحریر کیا تھا کہ "مجھے صدق دل سے یقین ہے کہ ہمارا فرض یہی ہے کہ ریاست کے باشندوں کی بہبودی کے لئے ہم ایک انصاف پرور اور نرم حکومت کا حق محفوظ کردیں (جس سے وہ کچھ عرصے سے مستفید ہورہے ہیں لیکن اب اگر ہم راج کو قائم رکھنے کا ارادہ کرکے اسے ایسے لڑکے کے سپرد کردیں جو تاریکی کی حالت میں پلا اور بڑھا ہے۔ جو اتفاقیہ طور پر متبنیٰ کرلیا گیا ہے۔ اور جس کے چال وچلن اور اوصاف کا حال نہ اس راجہ کو معلوم تھا جس نے اسے متبنیٰ کیا اور نہ ہم ہی کچھ اس کی بابت جانتے ہیں تو بلاشبہ ان کو ایک ادنیٰ اور ایسی حکومت سے سابقہ ہوگا جس کے نتائج مشتبہ ہیں" ایک اور جگہ وہ لکھتا ہے "میں یہ جرات نہیں کرسکتا کہ ۱۸۱۹ء میں ستارا کا راج قائم کئے جانے کی پالیسی پر بحث کروں اور اب جس صورت میں کہ بعض واقعات کے باعث وہ پھر ہمارے ہاتھ آگئی ہے میرے نزدیک جن وجوہات پر اس کو قائم کیا گیا تھا وہی وجوہات اب اس کے از سر نو مرتب کرنے کے لئے کارآمد نہیں ہوسکتیں"

مجلس نظماء نے اس معاملے کا تصفیہ کرتے وقت ایمان یا ضمیر کا کوئی سوال درمیان میں نہیں پیدا کیا بلکہ اس کے "قانونی پہلو" اور "ضرورت" کا لحاظ کرکے یہ آخری فیصلہ لکھا:-

میں ان چند فقروں کو مکرر تحریر کرتا ہوں جو پہلے نقل کئے جاچکے ہیں:-

"ہمارے غور و خوض کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ متفق اور بالکل مطمئن ہیں کہ ہندوستان کے عام قانون اور رواج کے مطابق ستارا جیسی کوئی ماتحت ریاست حکومت بالاتر کی رضامندی کے بغیر کسی متبنیٰ وارث تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہم کسی صریح یا مبہم عہد و پیمان کی رو سے اس قسم کی اجازت دینے کے پابند نہیں ہیں اور عوام کی بہبودی جس کے ہم ذمہ دار ہیں وہ اسی کی متقاضی ہے کہ اس کی اجازت نہ دی جائے۔ سابق راجہ کے متبنیٰ لڑکے کے جو حقوق لکھائے گئے ہیں وہ ناقابل سماعت ہیں اور تمام ایک جدیوں کے دعوے اس لیے باطل ہیں کہ وہ سابق راجہ پرتاب سنگھ کی اولاد نہیں ہیں جس کے واسطے یہ ریاست بنائی گئی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جانشینوں کی عدم موجودگی کے باعث ستارے کا ملک اسی حکومت کی طرف منتقل ہو جانا چاہیے جس کا وہ عطیہ تھا اور ہماری مرضی یہ ہے کہ اس ملک کا برطانوی ممالک کے ساتھ الحاق کر لیا جائے"

ستارے کے الحاق کے معاملے کو میں نے کسی قدر طول دیدیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ معاملہ نہ صرف ابتدائی ہی تھا بلکہ ریاستوں کے منتقل کرنے کے مسئلے کو عائد کرنے کے متعلق اس سے دو بڑے اہم پہلو کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں آنے کے تین ماہ بعد لارڈ ڈلہاؤزی نے اپنے مشیروں کو اس مسئلے کے اجرا پر متفق الرائے پایا اور اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ان میں تقریباً سب کے سب ایسے معاملے میں متفق تھے جس میں لطف و عنایت کی گنجائش بھی تھی۔ متوفی راجہ ستارا اچھا حکمراں تھا لیکن گورنمنٹ ہند نے لارڈ ڈلہاؤزی کے ورود سے پیشتر ۱۸۴۱ء میں یہ اصول قائم کیا تھا کہ ایسی موافق حالت میں بھی کسی بستر مرگ پر متبنیٰ بنائے ہوئے جانشین کو کسی ماتحت دیسی ریاست کا جانشین تسلیم کرنا غیر ضروری ہے"

اس کے بعد لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد میں جو الحاق عمل میں آئے ان کے متعلق بحث میں زیادہ اختصار کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ ایسے حالات کے تحت میں ہوئے کہ ان میں نہ تو قانونی لحاظ سے کوئی جائز حق طلب کیا جا سکتا تھا

اور نہ گزشتہ حکومت کی خوش انتظامی کی بنیاد پر کسی خاص لطف وعنایت کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس طور پر خاص برطانوی حکومت میں شامل ہونے والے ممالک میں سے ایک سمبھل پور تھا جو لوئر بنگال کی جنوب مغربی سرحد پر جنگلوں مرغزاروں اور پہاڑوں کا ایک وسیع ملک تھا اور اس الگ تھلگ ریاست کے حکمراں نے جانشین مقرر کرنے سے انکار کر کے یہ صاف کہدیا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی رعایا سلطنت انگریزی کی پناہ میں چلی جائے؛

تاریخی لحاظ سے ایک اور اہم معاملہ جھانسی کا تھا۔ یہ ریاست شمالی ہندوستان میں مرہٹوں کی لوٹ مار کا ایک حصہ تھی اور ۱۸۱۷ء میں پیشوا نے اسے انگریزوں کے سپرد کر دیا تھا۔ اس ریاست کے نئے حکمرانوں نے اسی سال مقامی صوبہ دار کا موروثی خطاب منظور کر لیا تھا اور ۱۸۳۲ء میں اس عہدہ دار کے مرتبے میں اضافہ کر کے اس کو راجہ کا درجہ عطا کر دیا تھا۔ یہ راجہ نہایت ناقص اور ظالمانہ حکومت کرنے کے بعد ۱۸۳۵ء میں لاولد مر گیا۔ برطانوی سلطنت نے اس لڑکے کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جس کو اس نے متبنیٰ کیا تھا اور سلطنت کے چار دعویداروں میں سے ایک کو منتخب کیا جو راجہ کے رشتے کا چچا تھا۔ اس کے مختصر عہد حکومت میں بھی ظلم اور بد انتظامی رہی اور آخر الامر اسے اپنے قرضے کی ادائگی کے لئے اپنے ملک کے ایک حصے کو رہن کرنے کے یہ بھی گزر گیا۔ چار دعویدار پھر کھڑے ہوئے اور گورنمنٹ برطانیہ نے جھانسی کی ریاست کے لئے ان میں سے ایک کو منتخب کیا لیکن اس اثناء میں ملک کی حالت ایسی ابتر ہو گئی کہ برطانوی حکومت کو انتظام خاص اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ انتظامات قائم کرنے اور ریاست کی مالی حالت کو درست کرنے کے بعد ۱۸۴۲ء میں ریاست کا انتظام اس راجہ کے سپرد کر دیا گیا جس کو انگریزوں نے منتخب کیا تھا۔ اہل ملک کے موازنے کے مطابق یہ راجہ اپنی حکومت کے آخری سالوں میں ایک اچھا حکمراں ثابت ہوا۔ ۱۸۵۳ء میں اس کے مر جانے پر حکومت انگریزی کو یہ تصفیہ کرنا پڑا کہ وارث نرینہ کی عدم موجودگی میں ریاست کی حکومت متبنیٰ لڑکے کو ملنی چاہئے یا نہیں؛

اس سوال کا تصفیہ لارڈ ڈلہاوزی اور اس کے مشیروں نے اُن مصائب کو پیش نظر رکھکر کیا جو ماتحت دیسی رؤسا کی بدانتظامی کے باعث سابقہ تیس سال کے عرصے میں جھانسی اور اس کے موجودہ شمالی ضلع جلاؤن کے باشندوں کو برداشت کرنے پڑتے تھے سلطنت بالادست ہونے کے لحاظ سے حکومت برطانیہ ریاست کے انتظام میں اس ابتری کی ذمے دار تھی مگر پھر بھی وہ اس کا انسداد نہ کرسکتی تھی۔ جھانسی میں انگریزوں کے بٹھائے ہوئے پہلے دو راجاؤں کی بدانتظامی کے باعث کاشتکار تباہ اور برباد ہو کر نکل گئے اور مالگزاری ۔ ۸۰۰۰۰ پونڈ سے گھٹکر ۳۰۰۰۰ پونڈ رہ گئی - جلاؤن کی بابت جہاں ۱۸۳۲ء میں ایک متبنیٰ جانشین کی اجازت دی گئی تھی لارڈ ڈلہوزی نے یہ نتائج تحریر کیے ہیں "۱۵ یا ۱۶ سال کے زمانے میں زمین نہایت اندھا دھند طور پر منتقل کی گئی ہے۔ ۳۰ لاکھ کے قرضے لیے گئے ہیں۔ اور ان کی کفالت میں نہایت وسیع اضلاع رہن کر دیئے گئے ہیں۔ ہر ایک گاؤں لٹیروں کے رحم پر پڑا ہے اور وہ ملک جو زرخیز اور خوشحال تھا روز بروز ویران ہوتا جاتا ہے"[1]

لارڈ ڈلہاوزی نے تحریر کیا تھا کہ "ان نتائج سے متنبہ ہو کر میں فیصلہ کرتا ہوں کہ بے عیب پالیسی اور فرائض مشترک ہو کر مجبور کرتے ہیں کہ جھانسی کے معاملے میں سلطنت برطانیہ کو اپنے حقوق کے لحاظ سے عملدرآمد کرنا چاہیئے اور اسے متبنیٰ بنانے کی کارروائی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دینا چاہیئے اور لاوارث اور قابل ضبطی جائداد سمجھکر جھانسی پر قابض ہو جانا چاہیئے۔" متوفی راجہ کی بیوہ کے لیے معقول پنشن مقرر کرنے کے بعد ملک کو گورنمنٹ ہند کے خاص انتظام کے ماتحت کر لیا گیا۔

وارثوں کی عدم موجودگی میں ریاستوں کو منتقل کرنے کے اس اصول کو لارڈ ڈلہاوزی نے کئی اور ماتحت ریاستوں پر بھی عاید کیا اور اسی باعث سے جیت پور

[1] اقتباس از کتاب موسومہ "مارکوئس آف ڈلہاؤزی کے عہد حکومت ہند کی حمایت" مصنفہ سر چارلس جیکسن - صفحہ ۱۹ - ایڈیشن ۱۸۶۵ء

واقع بندھیلکھنڈ پنجاب میں باغات کی ۳۰ مربع میل رقبے کی چھوٹی سی پہاڑی ریاست اودے پور لوئر بنگال کی مغربی سرحد پر اور خاندیش میں بڈا اول برطانوی حکومت کی خاص عملداری میں شامل ہو گئے۔ اگرچہ تنجور کی فوجی ریاست اور قلعے لارڈ ڈلہاؤزی کے ہندوستان سے رخصت ہو جانے کے بعد سلطنت میں شامل کیئے گئے مگر یہ کارروائی بھی اسی کی گورنمنٹ کی قائم کردہ بنیادوں پر کی گئی تھی۔ سندھ کے امرا میں سے ایک کی جاگیر ایک ایسی جعلی دستاویز کے باعث ضبط کی گئی جس کے ذریعے سے اس نے قریب دیگر چند انگریزی اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا۔ ملک کے دو ٹکڑے ایک کچھار میں اور دوسرا اڑیسہ میں وہاں کے حکمراں کی بدچلنی اور باوجود فہمائش انسانی قربانیوں کو جاری رکھنے کی وجوہات پر ضبط کیئے گئے۔ صوبجات وسطی کے عظیم معاملے پر آئندہ باب میں علحدہ بحث کی جائیگی۔

لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد کی ان کارروائیوں کی بابت جنھیں متفرق الحاقوں کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے میں نے ممکن ترین اختصار سے کام لیکر ان کو ایک ہی پیرے میں درج کر دیا ہے۔ کئی معاملوں میں تو الحاق کی کارروائی سے عملی طور پر پرہیز ممکن نہ تھا مگر اس سے اس امر میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لارڈ ڈلہاؤزی نے عمداً لاوارث رہ جانے والی ہندو ریاستوں پر الحاق کا سابق اصول نافذ کیا تھا۔ اپنے آنے سے پیشتر اس نے حکومت ہند اور انگلستان میں مجلس نظماء ہر دو فریق کو اسی اصول پر یکساں عملدرآمد کرتے دیکھا تھا۔ اس اصول کو اس نے ہندوستان کی بااختیار دیسی ریاستوں پر عائد نہیں کیا بلکہ اس کے اثر کو صرف انھی ماتحت دیسی ریاستوں تک محدود رکھا جن کے وجود کا باعث خود سلطنت برطانیہ تھی۔ جس طرح اس سے پیشتر لارڈ ہارڈنگ نے خلاف مصلحت قرار دیا تھا اسی طرح اس نے بھی وارثان نرینہ کی عدم موجودگی میں کسی ریاست میں از سر نو ایسی حکومت قائم کرنے کو خلاف مصلحت قرار دیا جو عوام اور برطانوی حکومت کے مابین ایک ایسی ماتحت حکومت کی حیثیت رکھتی ہو جس کے قیام و بقا کا دارومدار تو بالکل سلطنت برطانیہ پر ہو لیکن نگرانی اور انتظام کے لحاظ سے برائے نام حکومت انگریزی کے ماتحت ہو۔

مگر اس اصول کی عام ترویج میں لارڈ ڈلہاؤزی بلاشبہ اپنے پیشرو گورنر جنرل سے

ایک قدم آگے بڑھ گیا تھا۔ اٹھارھویں صدی کے دوران میں جبکہ ہندوستان میں ہماری
حالت کمزور تھی اس وقت برطانوی عہدہ داروں کو سلطنت مغلیہ کے ٹکڑے ٹکڑے
ہوتے دیکھ کر صرف اپنی سلامتی کی پڑی ہوئی تھی اور کسی کے حقوق کے جواز یا عدم جواز کی
بابت سوچنے کی ان کو مہلت نہ تھی مگر جب سلطنت مغلیہ کی بجائے سلطنت برطانیہ
پوری حاوی و حاکم ہوگئی تو اس نے آہستہ آہستہ مگر ایک لازمی اور ناقابل گریز طور پر
اس مسئلے پر توجہ کرنی شروع کی۔ موجودہ صدی (انیسویں صدی) کے پہلے
نصف زمانے میں اس نے رفتہ رفتہ ایک نہایت مستحکم بنیادی اصول کی صورت
اختیار کرلی تھی کہ ماتحت دیسی ریاستوں میں متبنیٰ بنانے کی کارروائی کے موقع پر
ذاتی مال و متاع اور ملکی فرائض و عہدے کے مابین امتیاز و لحاظ ضروری ہے۔
اس اصول کے قانونی جواز اور سابق گورنر جنرلوں کے اس سے متفق ہونے کی
بابت اب کوئی شبہ نہیں ہو سکتا ؎
لیکن ایک جائز اصول کے مان لینے کے بعد اس کے مستقل اجرا تک
غیر محدود وقت صرف ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ لارڈ ڈلہاؤزی کے ہندوستان میں
پہنچنے سے پیشتر کئی سال تک رہا۔ میں نے دیسی ریاستوں میں متبنیٰ بنانے کی
کارروائیوں کے متعلق سرکاری خط و کتابت کو ۱۳۲۵ء کے زمانے سے شروع کر کے
نہایت غور سے پڑھا ہے۔ ان کاغذات میں مختلف آرا درج ہیں اور ان میں
سے دو اصول آہستہ آہستہ پیدا ہوتے ہوئے مجھے معلوم ہوتے ہیں ؎
پہلا اصول ہندوستان کی بااختیار دیسی ریاستوں کی بابت یہ ہے کہ
سلطنت برطانیہ نے اس امر کو نہایت ہی اہم سیاسی معاملہ قرار دیا تھا کہ ہر ایک
حکمران کے انتقال پر جانشینی کا ایک باقاعدہ سلسلہ جاری رہے۔ اس لئے
گورنمنٹ کی کوششوں کا اصول یہ تھا کہ تخت خالی ہونے کے موقعے پر
ایک نہ ایک وارث دستیاب ہو جانا چاہیے خواہ وہ عوام کی جانب سے ہو۔
وصیت نامے کی رو سے ہو یا متبنیٰ ہو ۱۸۲۶ء میں سندھیا کی موت

؎ بنگال کے سیاسی مشورے۔ مورخہ ۶ اکتوبر ۱۸۲۶ء۔ گورنمنٹ ہند کی ڈپٹی سیکرٹری کی چٹھی بنام
نائب رزیڈنٹ۔ دنجارجہ گوالیار رزیڈنسی فقرہ نمبر ۲

اور ۱۸۳۶ء میں اس کے جانشین کی سخت بیماری کے موقع پر اس سوال کے متعلق برطانوی تشویش نہایت روشن اور بیّن ہے۔ وسطی ہندوستان میں اندور کی ایک اور با اختیار ہندو ریاست میں متبنیٰ کرکے یا کسی دوسرے ذریعے سے جانشین حاصل کرنے کے متعلق بھی ایسی ہی تشویش کا اظہار ہوتا ہے۔ جب ہلکر نے کسی جانشین کا اعلان نہیں کیا اور نہ کسی کو متبنیٰ کیا تو حکام انگریزی نے ملکی ضروریات کے لحاظ سے اس ریاست کے لئے کسی جانشین کا فوراً مقرر کرنا نہایت ضروری خیال کیا مگر اس کے لئے یہ شرط مقرر کردی کہ جو مہاراجہ مقرر کیا جائے اس کا گدی پر کوئی حق سوائے ان حقوق کے نہ ہو جو انگریزی حکومت کی جانب سے اس کے اس جگہ بٹھائے جانے کے باعث اسے حاصل ہو جائیں۔ اسی قدر تردد کا اظہار بھوپال کی سلمان با اختیار ریاست کے لئے ۱۸۲۵ء میں جانشین دستیاب کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

اگرچہ ہندوستان کی با اختیار دیسی ریاستوں کے متعلق حکومت ہند کی پالیسی اسی کی مقتضی تھی کہ کسی نہ کسی ذریعے سے جانشینی کے سلسلے کو برقرار رکھا جائے لیکن ماتحت دیسی ریاستوں کے متعلق اس کا عملدرآمد کسی صورت میں یکساں نہ تھا۔ جبتک لارڈ ویلزلی کے عہد حکومت کا اثر باقی رہا اس وقت تک ماتحت دیسی ریاستوں میں بھی سلسلۂ جانشینی کو برقرار رکھنے کا رجحان رہا لیکن صدی کے دوسرے ربع میں گورنمنٹ برطانیہ نے رفتہ رفتہ اس موخرالذکر فریق کے معاملات پر اپنے شاہانہ اختیارات کے

۱۔ گورنمنٹ ہند کے محکمۂ خارجہ کا مراسلہ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۸۳۶ء۔ فقرات ۱۷۱ و ۱۷۲ بنام کورٹ اوف ڈائریکٹرز۔

۲۔ مراسلہ منجانب گورنمنٹ ہند۔ محکمۂ خارجہ۔ بنام کورٹ اوف ڈائریکٹرز۔ مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۸۴۱ء۔ پیرا ۹۴۔ نیز مراسلہ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۸۴۳ء۔ فقرہ دوم۔

۳۔ مراسلہ مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۸۴۴ء منجانب گورنمنٹ ہند پیرا نمبر ۱۵ بنام کورٹ اوف ڈائریکٹرز۔

۴۔ مراسلہ مورخہ ۸ جولائی ۱۸۲۵ء منجانب گورنمنٹ ہند بنام کورٹ اوف ڈائریکٹرز۔ فقرہ نمبر ۱۲۔ اور متعلقہ کاغذات۔

اجرا کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مثالاً ۱۸۴۱ئہ میں کولابا اور ۱۸۴۲ئہ میں منڈوی کا الحاق کر کے اس نے اس ارادے کو پورا کیا۔ جن صورتوں میں گورنمنٹ نے تبنیت کے ذریعے کسی ماتحت دیسی ریاست کی جانشینی کے سلسلے کو جاری رکھنا منظور کیا تھا ان میں یا تو خاص اسباب تھے یا محض الطاف و عنایات کے طور پر ایسا کیا گیا تھا۔

ان الفاظ سے زیادہ واضح عبارت نہیں ہو سکتی جو ماتحت دیسی ریاستوں کے متعلق اس اصول کو جاری کرنے میں استعمال ہوئے ہیں۔ مجلس نظماء نے ۱۸۴۱ئہ میں کولابا کے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ ایک ایسے ملک کو متبنیٰ بنانے کی اجازت دینا محض عطیہ کرم دے ڈالنے کے برابر ہوگا جو بلاشبہ حکومت برطانیہ کی طرف حکومت بالادست ہونے کے لحاظ سے منتقل ہو چکا ہے[۱]۔

جہاں تک میری تحقیقات کو دخل ہے صرف ایک مرتبہ گورنمنٹ ہند نے ایک با اختیار دیسی ریاست پر اس اصول کے اجرا کا خیال کیا تھا۔ ۱۸۴۳ئہ کی مجلس نظماء کے مقرر کردہ اصول کی بنیاد پر گورنر جنرل اور اس کی کونسل نے ۱۸۴۱ئہ میں بالاتفاق اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ حصول ملک و دولت کے متعلق صرف ایک واضح اور سیدھے طریقے پر کوشاں رہنا چاہئے کہ کسی جائز اور معقول موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے مگر اس کے ساتھ ہی تمام موجودہ دعویداروں کے حقوق کی حرمت بھی مدنظر ہونی چاہئے[۲]۔ ۱۸۴۳ئہ میں لارڈ ہارڈنگ کی حکومت نے اندور کی با اختیار ہندو ریاست پر اس اصول کو عائد کرنے کی تیاری کی اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''ریاست کی وراثت صرف نئے مقرر شدہ حکمراں

---

[۱] مراسلہ مورخہ ۲۵ مئی ۱۸۴۱ئہ منجانب گورنمنٹ اوف ڈائریکٹرز بنام گورنر بمبئی اور خط و کتابت جو اس کے بعد ہوئی۔

[۲] اجلاس کونسل فقرہ ۹۔ مراسلہ مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۸۴۲ئہ منجانب کورٹ اوف ڈائریکٹرز بنام گورنر بمبئی نقرہ نمبر ۲ اور مراسلہ مورخہ ۲ اگست ۱۸۴۳ئہ فقرہ نمبر ۳۹ وغیرہ وغیرہ۔

[۳] مراسلہ مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۸۴۳ئہ منجانب گورنمنٹ ہند بنام کورٹ اوف ڈائریکٹرز۔ پیرا نمبر ۲۷۔ پولیٹیکل۔

اس کی صلبی نرینہ اولاد کے لیئے قانوناً جائز ہوگی اور کسی دوسرے کو نہیں پہنچ سکتی۔ اور اس طرح متبنیٰ بنانے کے امکان ہی کو باقی نہ رکھا“؂

اس اصول کو با اختیار دیسی ریاستوں پر عائد نہ ہونے دینے کے متعلق لارڈ ڈلہاؤزی نہایت احتیاط کرتا تھا بلکہ صاف الفاظ میں اس کو ”چھوٹی چھوٹی درمیانی حکومتوں“ تک محدود کر دیا تھا؂

جب ۱۸۵۴ئہ میں یہ کوشش کی گئی کہ اس مسئلے کے متعلق اس کی منشا کے غلط معنی لیئے جائیں اور اس کے دائرہ عمل کو زیادہ وسعت دی جائے تو لارڈ ڈلہاؤزی نے ہر شخص کے لیئے جو صرف اس کے الفاظ کو پڑھنے کی تکلیف گوارا کر سکتا تھا اس معاملے کو شک وشبہ کے امکان سے بالکل پاک کر دیا اس نے کہا کہ ”جو رائے میں نے دی تھی وہ صرف ان ماتحت ریاستوں اور زیر فرمان علاقوں تک محدود تھی جو یا تو در اصل خود سلطنت برطانیہ کی ساختہ پرداختہ ہونے کی حیثیت سے یا اپنی سابقہ حالت کے لحاظ سے گورنمنٹ کے ساتھ ایسے تعلقات رکھتی ہیں جن کی وجہ سے متبنیٰ کو وارث مقرر کرنے کے تمام سوالوں کا حق حکومت عالیہ کو حاصل ہے۔ جو رائے میں نے دی تھی وہ صرف ”ماتحت ریاستوں“ اور ”زیر فرمان حکومتوں“ کے متعلق تھی مثلاً ستارا کی ریاست اور دوسری ریاستیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں“؂

جس طرح ۱۸۳۷ئہ میں سر چارلس مٹکاف نے کیا تھا اسی طرح لارڈ ڈلہاؤزی نے بھی ہندوستان کی دیسی ریاستوں کی تقسیم دو قسموں میں کر دی تھی اول با اختیار یا قریباً با اختیار ریاستیں جو سلطنت مغلیہ کے زمانے سے یا اس سے بھی زیادہ

؂۱ ناگپور کے متعلق لارڈ ڈلہاؤزی کی یادداشت مورخہ ۲۸ جنوری ۱۸۵۴ئہ ستارا کی بابت اس کی یادداشت کی مطبوعہ کاپی میں بد قسمتی سے لفظ ”با اختیار“ ایک نہایت ضروری موقع پر بجائے ”ماتحت“ کے لکھا گیا تھا۔ لیکن اگر اس کے منشا کے متعلق کبھی کوئی شبہ بھی تھا تو اب اسے خود لارڈ ڈلہاؤزی نے مٹا دیا ہے۔ (کیونکہ اس فقرے میں صاف صاف ”چھوٹی چھوٹی درمیانی ریاستوں“ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)؂

قدیم زمانے سے قائم تھیں یا سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد فوراً ہی ان کا آغاز ہوگیا تھا۔ دوم ماتحت دیسی ریاستیں جن کو خود انگریزوں نے برطانوی حکومت کی ماتحتی میں قائم کیا تھا۔ پہلی قسم میں نہ صرف بڑی بڑی مسلمان راجپوت اور مرہٹہ ریاستیں شامل تھیں بلکہ لارڈ ڈلہاؤزی کی رائے میں چھوٹے رقبے کی وہ ریاستیں بھی تھیں جن کی قدامت ان کی نیم خود مختارانہ حیثیت کی مؤید تھی۔ قرولی کے مجوزہ الحاق کے موقع پر اس امر کو اس کی یادداشت میں صاف طور پر دکھایا گیا ہے۔ یہ ریاست سلطنت مغلیہ میں شامل ہوگئی تھی پھر مغلوں کے زوال پر یہ مرہٹوں کی باجگذار ریاست بن گئی اور ۱۸۱۷ء میں مرہٹوں نے اسے ہماری طرف منتقل کردیا۔ ۱۸۵۲ء میں حقیقی وارثوں کی عدم موجودگی پر یہ سوال زیر بحث تھا کہ کیا اس ریاست کو بھی برطانوی حکومت کے ساتھ ملایا جائے یا نہیں؟

خود لارڈ ڈلہاؤزی نے اس ریاست کے الحاق کے خلاف دلیل کے طور پر یہ بات ظاہر کی کہ "اگرچہ یہ بہت پرانی ریاست نہیں تاہم یہ ایک راجپوت ریاست ہے اور موجودہ مسلمان یا مرہٹہ خاندانوں سے برعکس قدامت کا لحاظ اس کا معاون ہے[1]" اسی بیان میں اس نے کسی دوسری جگہ تحریر کیا ہے "میں خیال کرتا ہوں کہ حکومت ہند ان قدیم راجپوت ریاستوں کی جانشینی کے رواجوں میں مداخلت کا کبھی ارادہ نہ کرے گی" اگرچہ اس مسئلے کی بحثوں کے متعلق لارڈ ڈلہاؤزی کی رائے یہ تھی کہ وہ دلائل و براہین قرولی کے الحاق کی تائید کرتے ہیں لیکن اس نے موافق اور مخالف تمام آرا کو مجلس نظماء کے پاس بھیجدیا۔ اور کچھ عرصے کے بعد ان کا جواب موصول ہونے پر اس کے فیصلے کے مطابق عمل کیا جو ریاست کو دیسی حکمراں کے ماتحت جاری رکھنے کی تائید کرتا تھا۔

ماتحت دیسی ریاستوں میں متبنٰی کرنے کی بابت یا الحاق کے مسئلے کو واضح کرنے کی صورت میں جو جو کارروائیاں عمل میں آتی رہی ہیں انکی بابت میرے نزدیک یہ نہایت ضروری تھا کہ اصلی کاغذات میں سے اقتباس کروں کیونکہ غدر کے بعد عوام کی جانب سے جو بہت سے بے بنیاد الزام لارڈ ڈلہاؤزی پر تھوپے گئے تھے ان میں ایک اس اصول کا ایجاد کرنا بھی تھا۔ اب میں نے مفصلۂ ذیل چھ امور میں

[1] اقتباس از کتاب موسومہ "لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد حکومت ہند کی حمایت" مصنفہ سر چارلس جیکسن صفحات ۲۲-۲۴- ایڈیشن ۱۸۶۵ء

شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی ہے‘‘

اول یہ کہ ’’اصول الحاق‘‘ کو لارڈ ڈلہاؤزی نے ایجاد نہیں کیا۔ دوم متوفی کی ذاتی جائداد کا وارث بننے اور اس کی بہبودی کے لیئے مذہبی فرائض ادا کرنیکے متعلق متبنیٰ بنانے کے حق میں کبھی مداخلت نہیں کی۔ سوم ماتحت دیسی ریاستوں کی جانشینی کے متعلق اس نے اس مسلمہ اصول پر عمل کیا جس کو اس کے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے سے پیشتر یکے بعد دیگرے گورنر جنرلوں اور مجلس نظماء نے بنیادی اصول قرار دیا تھا یعنی متبنیٰ کرنے کے ساتھ ہی اگرچہ متبنیٰ کو متوفی کی ذاتی جائداد اور ذاتی مرتبے پر وراثت کا حق حاصل ہو جاتا ہے لیکن تاوقتیکہ حکومت بالادست کی منظوری نہ ہو متوفی کے سیاسی اختیارات اور ریاست کی جانشینی اس حق کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتی۔ چہارم یہ کہ لارڈ ڈلہاؤزی کے ہندوستان میں آنے سے پیشتر گورنمنٹ ہند فیصلہ کر چکی تھی کہ صاف اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ ماتحت دیسی ریاستوں کو متبنیٰ بنانے کی اجازت نہ دی جائے۔ پنجم یہ کہ الحاق کے اصول کو با اختیار دیسی ریاستوں پر جاری کرنے کے متعلق لارڈ ڈلہاؤزی نے اپنے پیشرو لارڈ ہارڈنگ کی ہدایت پر عمل کرنے سے پرہیز کیا تھا۔ ششم یہ کہ جو کچھ لارڈ ڈلہاؤزی نے کیا وہ یہ تھا کہ جو اصول وقواعد اس سے پیشتر حکومت ہند اور مجلس نظماء نے مقرر کر دیئے تھے ان کو ثابت قدمی کے ساتھ جاری کیا۔

یہ امر ملکہ کی حکومت ہند کی قسمت میں تھا کہ وہ اس سے بھی بہتر طریقہ دیسی ریاستوں کے متعلق دریافت کرے لیکن جیسا کہ میں لارڈ میو کے متعلق اپنی کتاب میں واضح کر چکا ہوں اس بہتر طریقے پر عملدرآمد بھی لارڈ ڈلہاؤزی کی انہی کارروائیوں کی وجہ سے ممکن ہوا‘‘

باب ہفتم

ناگپور۔ خاندان کرناٹک۔ ناناصاحب برار

لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد حکومت میں جو سب سے بڑا ملک ورثا کی عدم موجودگی کے باعث سلطنت انگریزی کے ساتھ شامل کیا گیا وہ وسط ہند کا وسیع ملک ناگپور تھا۔ مرہٹوں کا یہ علاقہ اب صوبجات متوسط میں شامل ہے۔ سرحدوں کی بے شمار تبدیلیوں کے بعد (۱۸۸۱ء میں) اس کا رقبہ ۱۱۳۲۷۹ مربع میل اور اس کی آبادی ۱۲۰۰۰۰۰۰ آدمیوں کی تھی ۱۸۵۴ء میں جن ممالک کا لارڈ ڈلہاؤزی نے الحاق کیا تھا وہ موجودہ صوبجات متوسط کا تقریباً ۲/۵ حصہ تھے ؎ ان صوبجات کے دور تک پھیلے ہوئے پہاڑوں۔ جنگلات اور میدانوں میں قدیمی باشندوں کے نہایت زبردست خاندان حکمراں رہے تھے جن کو گزشتہ صدی میں مرہٹوں نے پامال کر دیا تھا۔ ۱۷۸۱ء میں وہاں کے گونڈ نسل کے راجاؤں کی مرہٹوں کے ہاتھوں کامل تباہی کے بعد جو زمانہ آیا وہ ممالک متوسط کے لئے نہایت سخت مصیبت کا زمانہ تھا۔ مرہٹوں نے لوگوں کو اس قدر دکھ اور اذیت دی کہ کسانوں کو سوائے بھاگ جانے کے اور کوئی چارہ باقی نہ رہا۔ کاشتکاروں کی بڑی تعداد یا تو دوسرے ممالک میں چلی گئی یا انھوں نے جنگل میں بھاگ کر پناہ لی۔ ان مفروروں نے وہاں جاکے جرگے بنا لئے اور رہزنی اختیار کی اور مغربی ہند کے لئے سخت خطرے کا باعث ہو گئے موجودہ صدی کے پہلے ربع میں پنڈاری گروہوں کی تعداد بڑھاتے اور ان کی مدد کرتے رہے ۱۸۰۳ء میں ناگپور کے نوخیز حکمرانوں سے برطانوی قوت کا تصادم ہوا اور ڈیوک آف ولنگٹن نے اسئی کے میدان میں ان کی قوت کو توڑ دیا ۱۸۱۷ء میں

ریاست کے چوتھے راجہ نے سلطنت برطانیہ کے خلاف سازش کر کے دغابازی سے ہمارے رزیڈنٹ پر حملہ کیا مگر شکست کھائی اور اس کا قصور معاف کر دیا گیا۔ مگر اس کے بعد بھی سازشوں کے سلسلے جاری رہے جن کا نتیجہ اس کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد وہ فرار ہونے پر مجبور ہوا اور عمر بھر جلاوطن رہا۔

اس طرح ۱۸۱۸ء میں ناگپور کی ریاست سلطنت برطانیہ کے رحم پر بلا حکمراں رہ گئی۔ مارکوئس آف ہیسٹنگز نے ملک کے کچھ حصے میں ایک ماتحت دیسی ریاست قائم کر کے ایک بچے کو جو اس ریاست کے دوسرے راجہ کی اولاد میں سے تھا برائے نام اس پر حکمراں کر دیا لیکن دراصل اس کا انتظام ایک انگریزی رزیڈنٹ سر رچرڈ جنکنز کے سپرد تھا۔ اس بچے کی نابالغی کے زمانے کو بہ لحاظ ایک نہایت ہی بہتر زمانے کے اہل ناگپور عرصے تک یاد کرتے رہے۔ جب ۱۸۳۰ء میں یہ لڑکا بالغ ہوا تو زمانے کا رخ بدل گیا۔ فوراً ہی اس کی جانب سے کاروبار منصبی سے بے پرواہی اور ذلیل ترین اوباشیوں کی طرف رجحان کا اظہار ہونے لگا۔ جس قدر اس کی عمر بڑھتی گئی اسی قدر وہ اس خزانے کو اڑاتا گیا جو اس کی خورد سالی کے زمانے میں جمع ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی رعایا پر اپنے گزشتہ مرہٹے بزرگوں کی طرح لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔

۱۸۵۳ء[1] میں ہمارے رزیڈنٹ متعینہ ناگپور نے تحریر کیا کہ "گزشتہ چند سال سے راجہ اور اس کے مورد عنایت وزرا کی تمام تر توجہ اس مقصد پر صرف ہوتی ہے کہ نذروں۔ جرمانوں۔ رشوتوں۔ مرنے والوں کی جاگیروں کی ضبطی۔ سرکاری مجرموں سے کچھ لے دے کر فیصلہ کرنے یا ان کے مال متروکہ کو فروخت کرنے اور اسی قسم کے اور ذرائع سے دو لاکھ یا اس سے بھی زائد سالانہ آمدنی سے اپنی جیبوں کو پُر کریں۔ اس طرح راجہ نے لالچ کے ہاتھوں تمام شریفانہ جذبات کو بیچ دیا ہے اور اپنے ان نہایت بے اصول ملازموں کے ہاتھوں میں پڑ گیا ہے جو ملک کو لوٹتے ہیں۔ انصاف کو اپنے نفع کی خاطر فروخت

---

[1] مسٹر مینسل کی رپورٹ مورخہ ۱۶۔ دسمبر ۱۸۵۳ء۔

کر دیتے ہیں مگر اس لوٹ میں سے بہت معمولی حصہ راجہ کے ہاتھ لگتا ہے۔ اس سے کثیر التعداد ونی المانہ افعال سرزد ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے بہکانے سے جنھوں نے اس کو نذرانے دیئے ہیں اس نے اپنے فوجی جاگیرداروں کے علاقوں کو بھی جنگ وجدال کا نشانہ بنا دیا ہے۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ قانونی چارہ جوئی کے موقعوں پر فریقین کی جانب سے رشوت کی بولی بولے جانے پر ایسے احکام یکے بعد دیگرے جاری ہوئے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل برعکس تھے اور یہ تمام کارروئیاں دراصل خود راجہ کی فطرتی بدنفسی کے باعث عمل میں آتی ہیں مقصود یہ ہے کہ جائز یا ناجائز کسی ذریعے سے کچھ وصول ہو جائے کسی بدنصیب بیوہ کے متعلق یہ فیصلہ کر دینے کے بعد کہ وہ اپنے خاوند کی متروکہ جائداد کی مستحق نہیں ہے راجہ کا بہترین شغلہ اس جائداد کو نیلام کے ذریعے فروخت کرنا ہوتا ہے۔" یہ الفاظ اس دھیمے اور منصف مزاج مینسل کے ہیں جو پنجاب کے بورڈ میں ہر دو لارنس بھائیوں میں بطور حکم کے رہتا تھا اور جو الحاق کا مخالف تھا۔ اس معاہدے کے متعلق جس کی رو سے وہ والی ملک بنایا گیا تھا راجہ صرف اسی قدر جانتا تھا کہ اپنی رعایا کے انتقام سے محفوظ رہنے کے لیئے برطانیہ کی حمایت اس کو اسی معاہدے کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے۔ اپنے ایک نئے وزیر سے اس نے یہ الفاظ کہے تھے کہ "اب تم جا کر معاہدے کی شرائط پر غور کرو۔ تم کو یہ معلوم ہو گا کہ وہ میری محافظت کی غرض سے اس لیئے منضبط کی گئی ہیں کہ میں رقص و سرود کے وہ لطف حاصل کرتا رہوں جو لڑکپن سے مجھے مرغوب ہیں" یہ قابل نفرت شخص ۱۸۵۳ء میں مرگیا اور کوئی لڑکا یا کوئی صحیح النسب لڑکی اپنے پیچھے نہیں چھوڑ گیا۔ چونکہ مسٹر مینسل گود لیئے ہوئے کے جانشین بنائے جانے کا حامی تھا اس لیئے وہ راجہ پر اس کی زندگی کے آخری دو سال میں کسی کو متبنیٰ بنانے کے لیئے زور دیتا رہا تھا مگر راجہ نے کبھی اس پر عمل ہی نہ کیا۔ مسٹر مینسل رزیڈنٹ کی تحریر ہے کہ "راجہ کی یہ خاموشی اس کا ایک دانستہ فعل تھا" بلاشبہ مسٹر مینسل نے یہ تسلیم کیا تھا کہ "سوائے اپنی جائز نرینہ اولاد کے راجہ کو اپنی ریاست کے کسی اور کی طرف منتقل کرنے کا حق نہیں ہے" تاہم مسٹر مینسل نے خیال کیا کہ راجہ کے مرنے کے بعد

اس کی بیواؤں میں سے کسی کو متبنیٰ بنانے کی اجازت دیگر مصنوعی طور پر جانشین بنالینا مناسب ہوگا۔ مگر لارڈ ڈلہاؤزی نے جو نتیجہ نکالا تھا وہ اس کے برعکس تھا۔

اس نے تحریر کیا تھا کہ "ناگپور میں ایک راجہ مقرر کر کے ہم نے اسے وہ تمام مراعات عطا کر دی تھیں جو کسی دیسی والیٔ ریاست کو مل سکتی ہیں۔ لڑکپن میں اس کی تربیت ہماری نگرانی میں ہوئی تھی ایک قابل اور محترم رانی اس کی نگران اور ریاست کی قائم مقام حکمران تھی۔ اس کے بچپن میں دس سال تک ہم نے اس کے ملک کے انتظام کو سنبھالے رکھا۔ اور جب ہم نے اس کا ملک اس کے حوالے کیا تو اس میں نظم و نسق کا ایک نہایت اچھا طریقہ بخوبی رائج تھا۔ فوج تربیت یافتہ تھی اور اس کو معقول تنخواہ ملتی تھی۔ خزانہ معمور اور رعایا مطمئن تھی۔ لیکن اس زمانے کو اب بیس سال سے کچھ ہی زائد زمانہ ہوا ہے کہ اس حکمران نے انتقال کیا ہے اور اپنے پیچھے ایسا کارنامہ چھوڑ گیا ہے جو بطور حکمران اور بہ حیثیت انسانیت اس کو نہایت ہی بدنام کرنے والا ہے۔ جو اس قدر مورد لطف و عنایات تھا اور جس کی ہر طرح کی امداد کی جاتی تھی وہ اخیر دم تک انصاف فروش۔ دائم الخمر اور حد درجے کا اوباش رہا۔

اب سلطنت برطانیہ کے لیئے کونسی بات باقی رہ گئی ہے جس سے وہ اپنا اور ناگپور کی رعایا کا اطمینان کرے کہ کوئی اور جانشین اس بری مثال کی پیروی یا تائید نہ کریگا۔ اور اگر آئندہ بھی ایسا ہی ہوا تو اس یقینی اور سخت مصیبت کو ناگپور کے لوگوں کے سر پر سے ٹالنے کے لیئے اپنے اختیارات سے کام نہ لینے کا حکومت ہند کے پاس کونسا عذر ہو سکتا ہے۔"

الحاق کے اس مسئلے کو ناگپور کی ریاست کے لیئے جاری کرتے وقت لارڈ ڈلہاوزی نے یہ احتیاط برتی کہ راجہ کے جواہرات اور اسکی ذاتی جائداد کو اس کے خاندان کے لیئے محفوظ کر دیا۔ بیوہ رانیوں نے متروکہ مال و دولت میں سے بڑے حصے کو اپنے ذاتی فائدے کے لیئے چھپا کر محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ لارڈ ڈلہاوزی پر جو جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں ان میں رانیوں کی مخالفت اور اس مخالفت پر غلبہ حاصل کرنے اور اس غائب کیئے ہوئے

مال و دولت کو وصول کرنے کی ضروری تدابیر کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ مجلس نظماء نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ راجہ کا کل مال و اسباب (جو اس نے ریاست کے روپے سے خریدا تھا)۔ بروئے انصاف حکومت کی ملکیت ہے۔ چونکہ لارڈ ڈلہاؤزی ذاتی حقوق کے متعلق ہمیشہ نرم دلی پر مائل رہتا تھا اس لیئے اس نے نہایت فراخ حوصلگی سے اس رائے سے اختلاف کرنے کی ساری ذمہ داری کو اپنے سر پر لیا تاکہ اس مال و متاع کو راجہ کے لواحقین کی خاطر محفوظ کیا جا سکے۔ اس[1] نے تحریر کیا کہ "اس مطلب کے لیئے میں تجویز کرتا ہوں کہ جواہرات مال و اسباب اور دیگر ذاتی ملکیت جو ان کے شایان مرتبہ ہے وہ رانیوں کو دینے کے بعد باقیماندہ جواہرات وغیرہ کی قیمت حاصل کر لی جائے اور اس قیمت کو خاندان بھونسلا کے رفاہ کے لیئے ایک فنڈ کی صورت میں قائم کر دیا جائے۔" ؎

اس صورت سے خاندانی قرضے کی بیباقی کے بعد (۲۰۰۰۰) پونڈ کی رقم بھونسلا فنڈ کے لیئے جمع ہو گئی اور ۸۷۰۰ پونڈ سالانہ کے وظائف (جو آخر میں ۹۸۲۰۰ پونڈ تک پہنچ گئے تھے) راجہ کی بیواؤں۔ عزیزوں اور متعلقین کیلیئے مقرر کر دیئے گئے۔ برطانوی کمشنر نے اس کے متعلق معاملات کو نہایت ہی تحمل اور برداشت کے ساتھ انجام دیا کیونکہ لارڈ ڈلہاؤزی نے یہ احکام جاری کیئے تھے کہ بیوہ رانیوں کے ساتھ ان کے شایان مرتبہ برتاؤ کیا جائے ان کی جنس اور ان کی تبدیل شدہ حالت کو بہر صورت ملحوظ خاطر رکھا جائے خواہ وہ کیسا ہی اشتعال دلائیں۔ مگر اسی کارروائی کو جو لارڈ ڈلہاؤزی نے علانیہ راجہ کے خاندان کو فائدہ پہنچانے کے لیئے کی تھی بعد ازاں انگلستان میں "محلات ناگپور کی غارتگری" کے نام سے مشہور کیا گیا۔ ؎

اس بات کو سمجھنے کے لیئے بہت دماغ لڑانا پڑیگا کہ گزشتہ صدی کے وسط میں ہندوستان کے کسی مشہور معاملے پر ایسا غلط رنگ چڑھا دینا کیونکر

[1] لارڈ ڈلہاؤزی کی یادداشت مورخہ ۱۵ جون ۱۸۵۴ء ؎

ممکن تھا۔ لیکن کمپنی کے عہد میں ہندوستان کے متعلق عوام کی ناواقفیت اس درجہ شدید ہوئی تھی کہ کسی مافوق العادت قصے کو بھی بلا خوف تردید شہرت دی جاسکتی تھی کیونکہ اگرچہ اس تمام معاملے سے انکار کیا جانا ممکن تھا مگر عوام الناس مشکوکانہ انداز سے اپنا سر ہلا دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے متعلق یہ ایک اور نیا افترا ہے مگر بہر حال وہ یہ نہ بتلا سکتے تھے کہ آخر حقیقت اور صداقت امر کیا ہے۔ پارلیمنٹ میں ہندوستان کے متعلق کسی مباحثے میں بسا اوقات ایسے بیانات پیش ہوتے تھے جو ایک دوسرے کی تردید کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان معاملات کے متعلق بھی جن کو اب ہم "اعداد و شمار کے متعلق ابتدائی سوالات" خیال کرتے ہیں پبلک کے دماغ میں مختلف قسم کے خیالات موجزن رہتے تھے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوستان کی پہلی عام مردم شماری ۱۸۷۲ء سے پیشتر یعنی کمپنی کے عہد حکومت کے ۱۳ سال بعد تک نہیں کی گئی تھی۔ اس مردم شماری میں صرف بنگال کے صوبے کی سابقہ سرکاری رپورٹ کی تعداد کی نسبت ۲۵۰۰۰۰۰ نفوس کے فرق کی غلطی تھی۔ کوئی ایسی مستند کتاب بھی نہ تھی کہ ہندوستان کے لوگوں یا حکمران رؤسا کے متعلق حوالہ دینے کی ضرورت ہوتی تو عوام یا سرکاری حکام اس سے کام لے سکتے۔ ان مقامات کو جواب دار السلطنت سے صرف نصف یوم ریل کی مسافت پر ہیں "کلکتہ ریویو" میں جس قدر یقین کے ساتھ "غیر تحقیق شدہ اضلاع" لکھدیا جاتا تھا اس کا یقین کر لینا ناممکن ہے۔ "ریویو ڈیس ڈی مونڈیس" نہایت مشہور اخبار تھا مگر صحیح واقعات بیان کرنے کے لئے اپنی کوششوں کے باوجود ہندوستان کے متعلق ایسے غلط بیانات کو بھی شائع کر دیا کرتا تھا جو اب محض مضحکہ انگیز سمجھے جائیں گے لیکن اس زمانے میں اس کی تردید اور افشائے راز کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ قحط سالیوں۔ زمین کی بابت تنازعات۔ قبائلی یا مذہبی تحریکات غرض حکومت ہند کی بابت ہر طرح کے وقتاً فوقتاً پیش آنیوالے واقعات حکومت اور عوام دونوں کو یکساں متحیر کرتے رہتے تھے۔ کسی برطانوی ضلع کی آمدنی اور انتظام ایسے سرکاری راز تھے جن کی تہ تک کوئی باہر والا

نہیں پہنچ سکتا تھا۔

باجگزار ریاستوں کے ساتھ حکومت ہند کے تعلقات کے بارے میں اس سے بھی زیادہ گہری رازداری کا خیال رکھا جاتا تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہونے کے چار سال بعد ہی دیسی ریاستوں کے ساتھ اسکے معاہدے اور باہمی تعلقات کسی قدر صحیح اور مکمل حالت میں اہالیان انگلستان تک پہنچ سکے۔ جب کسی باجگزار ریاست کے حکمراں کو کوئی شکایت ہوتی تھی تو وہ اپنے کسی رازدار کو مع ناتراشیدہ جواہرات اور روپیوں کی تھیلیوں کے انگلستان بھیجتا تھا تاکہ وہ لنڈن میں اس کی طرفداری میں ہیجان پھیلائے۔ اگر وہ کوئی بہت ہی بڑا حکمراں ہوتا تھا اور اگر وہ اپنی اغراض کے لئے مناسب سمجھتا تھا تو وہ اکثر ان بکثرت انگریزوں میں سے کسی کی خدمات حاصل کر لیا کرتا تھا جن کو خود بھی کمپنی کے خلاف شکایتیں ہوا کرتی تھیں۔

وارن ہیسٹنگز کے زمانے سے آج تک انگلستان میں ہندوستان کے متعلق جس قدر جھوٹی باتیں مشہور اور شائع کی گئی ہیں اگر ایچسن کی کتاب موسومہ "معاہدات" اور "دی امپیریل گزیٹیر" پر نظر ڈالی جائے تو ان میں کم از کم نصف کی فوراً تردید ہو جائیگی یہ کتابیں مکمل اور مستند ہیں اور بآسانی ہر شخص کو دستیاب ہو سکتی ہیں۔ مگر کمپنی کے عہد کے اختتام سے پیشتر ان میں سے ایک بھی موجودہ صورت میں مرتب نہیں کی گئی تھی اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کتابوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے متعدد موقعوں پر اعلیٰ ترین افسروں کو بدنام کرنے کا موقع عوام کے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے علاوہ اپنے اقتدار کے زمانے میں اگرچہ کمپنی نے حلفیہ بیانات شائع کر کے اپنی بریت کی بے سود کوشش تو کی لیکن یہ کبھی نہ کیا کہ عام طور پر مسلمہ اور تحقیق شدہ واقعات کو پیش کر کے یہ مطلب حاصل کیا جاتا۔

مذکورہ بالا امر کی نہایت پرزور تائید ان غلط بیانات سے ہوتی ہے جن کو لارڈ ڈلہاؤزی کے متعلق اس وقت کامیابی کے ساتھ شہرت دی گئی تھی جب غدر کا ذمہ دار بنانے کے لیے کسی مجرم کی تلاش تھی۔ جھوٹ پہلے ہی چھوٹ چکا تھا اور اس سے پیشتر کہ صداقت اس جھوٹ کا تعاقب کر کے

اُس کا گلا دبائے اس جھوٹ نے صفحات زمانہ کے لٹریچر میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ تاریخ کی سنجیدہ کتابیں بھی جو ہم سے پوری عزت کی طالب ہیں اب تک اُس زمانے کی بعض بعض حماقت آمیز دروغ بیانیوں کو بیان کرتی ہیں۔ میں یہ دکھا چکا ہوں کہ کس طرح خاندان بھونسلا کے لیئے ایک فنڈ قائم کرنے کی بابت لارڈ ڈلہاؤزی کی فیاضانہ کوششوں کو انگلستان میں "محلات ناگپور کی غارت گری" سے تعبیر کیا گیا تھا اور اس سے بھی عجیب تر غلط بیانی وہ یہ ہے جو اب تک کرناٹک کے محض برائے نام حکمرانوں کے متعلق لارڈ ڈلہاؤزی کی کارروائیوں کی طرف منسوب کی جاتی۔ ۱۸۰۱ء[1] کے معاہدے کی رو سے نواب کرناٹک کے لیئے چند ذاتی اعزازات اور ذرائع آمدنی اُس وقت منظور کیئے گئے تھے جب ہندوستان میں ملکی حیثیت سے اُسکی قوت کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ ۱۸۱۹ء میں بوجوہات خاص اُس کے لڑکے کو اُس کا جانشین ہونے دیا گیا مگر اس کو صاف طور پر یہ بھی بتادیا گیا کہ معاہدے کی رو سے اُس کے اعزازات اُس کے خاندان کے لیئے موروثی نہیں ہیں ۱۸۲۵ء میں وہ بھی مرگیا اور اُس کے لڑکے کے لئے جانشینی کی اجازت دی گئی۔ سر ایڈون آرنلڈ کے الفاظ کے مطابق یہ تیسرا نواب نہایت شرمناک زندگی کے بعد "اکتوبر ۱۸۵۵ء میں طوائف اور بیکاری کے ہاتھوں لاولد مرگیا"* مدراس کی مقامی گورنمنٹ نے مصنوعی طور پر جانشین بنانے کو خلاف مصلحت قرار دیا۔ سابقہ نوابوں کی پنشن کی منظوری ذاتی حیثیت سے تھی۔ مدراس کے گورنر لارڈ ہیرس نے اُن کل عیوب و نقائص کو جو اُس حالت کو برقرار رکھنے سے پیدا ہوتے تھے اور جس سے عوام الناس تک متنفر تھے۔ اسطرح بیان کیا ہے۔

"اول اس عام اصول کے لحاظ سے کہ کل اختیارات شاہی قوت کے کسی کے ہاتھ میں دینا مضحکہ خیز اور سخت مضر ہے۔ دوم اس وجہ سے کہ اگرچہ یہاں کی حکومت حقیقتہً غیر مشترکہ ہے اور کوئی برابر کی طاقت اس ملک کی حکومت میں شریک نہیں ہے جس کا قطعی تصفیہ ۱۸۰۱ء[1] کے معاہدے میں ہوچکا تھا تاہم ایک نیم شاہانہ وضع کے خاندان اور دربار کو باقی رکھ کر اس مضر دستور کی کچھ صورت اب تک قائم رکھی گئی ہے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ اس خاندان کو

[1] کتاب موسومہ "ہندوستان اور دیگر ممالک کے متعلق معاہدے۔ باہمی قول و قرار اور سندیں" مصنفہ سر چارلس ایچیسن جلد پنجم صفحہ ۲۴۴۔ مطبوعہ ۱۸۷۶ء۔

*دیکھو تبصرہ جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔

قانون اور عدالت سے الگ رہنے کا دعویٰ ہے۔ اور وہ قانون کے پابند نہیں ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ایسے دربار کا جانشین شاید کسی وقت بغاوت اور بے چینی کی روح رواں بن جائے۔ پانچویں یہ دربار خود ذلیل ترین حرکات کا منبع بنا ہوا ہے" ٭ کیا آجکل کسی کو اس بات کا یقین آئیگا کہ لارڈ ہیرس گورنر مدراس کے ان الفاظ کی بابت انگلستان میں یہ بیان کیا گیا کہ یہ " لارڈ ڈلہاؤزی کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے الفاظ ہیں" یا کیا کوئی اس بات کا یقین کریگا کہ ۱۸۰۱ء کے معاہدے کا وہ فقرہ جس کی رو سے " متذکرہ نواب کے گزارے کے لئے وظیفہ مقرر کیا گیا تھا"۔ یہی تاریخ میں اب تک صرف اس امر کے دکھانے کے لئے لکھا جاتا ہے کہ " نوابی کے مرتبے کو قائم رکھنے کی خاطر اس وظیفے کو دائمی قرار دیا گیا تھا" دائمی کے لفظ کے نیچے خط کھینچکر جو اس پر زور دیا گیا ہے اُس کو میں نے اصل عبارت میں اسی طرح پایا تھا۔ محلات ناگپور کی غارت گری اور خاندان کرناٹک کی لوٹ یہی دونوں ایسی مثالیں ہیں جو غالباً اُن غلط الزامات کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہونگی جن کے باعث عوام کے شور و غوغا نے اُس سب سے بڑے پرو کونسل (نائب السلطنت) کی زندگی کے آخری ایام کو تلخ کر دیا تھا جس نے اپنی زندگی کو ہندوستان کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔

خاندان کرناٹک کے متعلق لارڈ ڈلہاؤزی نے حکومت ہند کے فیصلے کو مختصر الفاظ میں اس طرح ادا کیا ہے کہ " میں لارڈ ہیرس اور قلعہ سنٹ جارج کے ارکان حکومت کے اُس اعلان سے بالکل متفق ہوں کہ ۱۸۰۱ء کے معاہدے کی رو سے جانشینی موروثی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا تعلق محض ایک شخص کی ذات سے ہے۔ معاہدے میں کسی جگہ وارثوں یا جانشینوں کا ذکر نہیں آیا ہے۔ اور سوائے نواب عظیم الدولہ کے اور کسی کو اس میں کچھ دینے دلانے کا ذکر نہیں ہے"۔ دوسری جگہ تحریر کیا ہے کہ " چونکہ جس عہد و پیمان کی رو سے کرناٹک کی مسند ہز ہائنس کے پیش روؤں کو عطا ہوتی رہی وہ بالکل ذاتی نسبت رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں نواب نے کوئی وارث نرینہ بھی اپنے بعد نہیں چھوڑا ہے اور چونکہ اُس نے اور اُس کے خاندان نے اپنے ذاتی وقار پر بدنامیوں کے داغ لگائے اور خزانہ عامرہ میں سے جو معقول رقم

٭ دیکھو تبصرہ جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔

اُن کو ملتی تھی اس کو بدکاریوں میں صرف کرتے رہے اس لیئے مجلس نظماء کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ نوابی کے خطاب کو منسوخ کر کے خاندان کرناٹک کے متعدد اراکین کے لیئے مناسب وظائف مقرر کرو۔"[1]

سر چارلس ایچسن نے جس کی صاف گوئی میں کبھی کسی کو کلام نہیں ہوا لکھا ہے کہ "اس خاندان کے گزارے کے لیئے نہایت فراخ حوصلگی سے انتظام کیا گیا تھا۔ اعظم جاہ کے لیئے جو لاولد متوفی نواب کا چچا تھا ڈیڑھ لاکھ روپے (۱۵ ہزار پونڈ) کی پنشن مقرر کر کے اُس کو مدراس میں اول درجے کے دیسی رئیس کا مرتبہ عطا کر دیا گیا تھا" بعد ازاں اُس کی پنشن کو مع دیگر وظائف کے خاندان مذکور کے دیگر اراکین اور متعلقین پر مستقل کر کے ۰۰۰ ۳ پونڈ سالانہ تک بڑھا دیا گیا تھا۔ اس خاندان کی رقوم قرض کو بھی حکومت برطانیہ نے ادا کیا تھا جس کی مقدار ۰۰۰ ۲ پونڈ تھی۔[1]

لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد میں ایک اور پنشن خوار کے مرجانے پر اُس کی گراں بہا پنشن بند کر دی گئی تھی۔ خاندان کرناٹک کے معاملے میں تو شاید اس غلط فہمی کا ازالہ ایک بڑی حد تک کاغذات متعلق کرناٹک کے مطالعے سے جو کہ ۱۸۶۱ء میں ہاؤس آف کامنز (دار العوام) کے حکم سے چھاپے گئے تھے ہو سکتا ہے اور اس بنا پر اس غلط فہمی کے متعلق کوئی عذر یا حیلہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اُس الزام کے متعلق کوئی وجہ بیان کرنی مشکل ہے جو مسٹر کے نے ۱۸۶۵ء میں لارڈ ڈلہاؤزی پر اس شخص کے ساتھ "سخت برتاؤ" کرنے کی بابت لگایا ہے جو بعد میں بدمعاش نانا صاحب کے نام سے مشہور ہوا۔ مگر چونکہ یہ الزام اب بھی کبھی کبھی لگایا جاتا ہے اور چونکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۱ء میں جو بدسلوکی اس نے نانا صاحب کے ساتھ کی تھی اُس کے نتائج کے باعث لارڈ ڈلہاؤزی بھی ایک حد تک ۱۸۵۷ء کے غدر کا ذمہ دار تھا اس لیئے مجھ پر یہ فرض ہو گیا کہ اصل واقعات مختصراً بیان کروں۔[2]

---

[1] معاہدے وغیرہ مصنفۂ ایچسن جلد پنجم صفحہ ۲۹۸ مطبوعہ ۱۸۷۶ء

[2] کتاب موسومہ "ہندوستان میں سپاہیوں کی جنگ کی تاریخ" جلد اول صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ ۱۸۶۵ء مصنفۂ جان ولیم کے

۱۸۱۸ء میں مرہٹوں کے پیشوا نے میدان جنگ میں کامل شکست کھانے کے بعد اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ سر جان میلکم نے جو کہ اُس وقت دکن میں گورنر جنرل کا ایجنٹ تھا اُس کو اپنی پناہ میں لے لینے کا یقین دلایا اور یہ بھی یقین دلایا کہ اُس کو ۸۰۰۰۰ پونڈ سالانہ بطور امدادی وظیفے کے دیئے جانے کے لیئے وہ کوشش کریگا۔ لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل کی رائے میں[1] یہ رقم نہایت کثیر تھی لیکن وہ اس سے روگردانی بھی نہ کر سکتا تھا۔ خاصکر ایسی صورت میں کہ سر جان میلکم نے یہ دلیل بھی پیش کر دی تھی کہ اگر لڑائی تھوڑے عرصے بھی جاری رہتی تو اس کا خرچ باجی راؤ کی عمر بھر کی رقم وظیفہ سے کہیں زیادہ بڑھ جاتا۔ جنرل میلکم نے بذات خود ہی اس تمام معاملے کو طے کیا تھا۔ اور اُس کے[2] یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ وظیفہ "عمر بھر کے لیئے" منظور کیا گیا تھا بلاشبہ اس میں ذرا بھی دھوکا نہیں ہو سکتا کہ یہ پنشن محض ذاتی وظیفے سے زائد کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی اور اول سے آخر تک نہایت احتیاط کے ساتھ وارثوں کے ذکر سے اس میں قطعی پرہیز کیا گیا ہے۔ کاغذات سے یہ امر ظاہر ہے کہ سابق پیشوا باجی راؤ بھی اس امر سے بخوبی واقف تھا۔

باجی راؤ ۱۸۵۱ء تک زندہ رہا اور اپنے متبنیٰ نانا صاحب کے لیئے دولت کثیر چھوڑ گیا جس کی مقدار کو ۲۸۰۰۰۰ پونڈ تسلیم کیا گیا ہے اگرچہ شمال مغربی صوبہ جات کی حکومت کو تو اس رقم کے اس سے بہت زیادہ ہونے کا یقین تھا۔ حکومت ہند نے اس معقول ورثہ کے متعلق متبنیٰ کے حق کو فوراً تسلیم کر لیا اور اسکے ساتھ نہایت فیاضی سے صوبجات شمال مغربی کی اُس جاگیر کو بھی شامل کر دیا

---

[1] ۹ جون ۱۸۱۸ء کی یہ چٹھی خالصاً عمر بھر کی پنشن کے منشا کو ظاہر کرتی ہے۔ مسٹر کے کو اس کا علم تھا اور اُس نے اپنی کتاب موسومہ "سر جان میلکم کی سوانح زندگی" کی دوسری جلد کے ۲۵۹ صفحے پر اس کو نقل کیا ہے اور خود مسٹر کے نے بھی اس کتاب میں باجی راؤ کو پنشن خوار لکھا ہے۔

[2] ایچیسن کی کتاب موسومہ "معاہدات۔ باہمی قول و قرار" جلد پنجم صفحہ ۳۰ مطبوعہ ۱۸۷۶ء۔

جہاں اُس کا باپ سکونت پذیر تھا۔ لیکن پنشن جو دراصل محصول ادا کنندگان سے وصول کی جاتی تھی وہ پنشن خوار کے مرتے ہی بند ہو گئی۔ اس معاملے میں لارڈ ڈلہاؤزی نے صوبجات شمال مغربی کی مقامی حکومت کی رائے پر عمل کیا حکومت ہند کے سیکرٹیری نے اس معاملے کو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔ "تینتیس سال تک پیشوا کو علاوہ جاگیر کی آمدنی کے ۸۰ ہزار پونڈ کی رقم نقد ملتی رہی ہے۔ اس عرصے میں اُس کو ۲۵ لاکھ پونڈ سے زائد کی کثیر رقم دی جا چکی تھی۔ اُس کے ذمے کوئی ایسی ذمہ داری بھی نہ تھی جس میں کچھ خرچ ہوتا۔ اُس نے اپنے بعد حقیقی بیٹے نہیں چھوڑے اور وہ قریباً ۲۸ لاکھ پونڈ کی مالیت کی جائداد اپنے خاندان کے لیئے چھوڑ گیا ہے۔ جو لوگ باقی ہیں اُن کا کوئی حق حکومت کی عنایت و مہربانی پر نہیں ہے۔ نہ وہ حکومت کی جانب سے کسی مہربانی اور بخشش کے مستحق ہیں کیونکہ جو آمدنی اُن کو ترکے میں مل رہی ہے وہ معقول اور کافی ہے"۔

یہ رئیس اپنی رعایا کو تنگ ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ بہت سی ریاستیں مقروض و نادار ہوتی جاتی تھیں۔ وسط صدی کے قریب پُرانے انتظام کا خاتمہ ہو گیا۔ اس خاتمے کا آنا ناگزیر تھا خواہ ہند میں برطانوی گورنمنٹ کا صدر کوئی بھی ہوتا۔ جنوبی ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستیں اس بات کی مثال پیش کرنے لگیں کہ جب کوئی ریاست مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوتی ہے تو رئیس اور رعایا دونوں کو کیسی دشواریاں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ ۱۷۹۹ئہ میں نواب نظام الملک بہادر کو موقع دیا گیا تھا کہ ٹیپو سلطان کی موت اور سرینگا پٹم کی فتح کے بعد جو تقسیم ملک کی ہوئی تھی اُس سے بڑا حصہ لیں ۱۸۰۰ئہ کے عہد نامے میں اُنھوں نے منظور کر لیا کہ زمانۂ جنگ میں وہ ۶ ہزار پیدل اور ۹ ہزار سوار انگریزوں کے لیئے مہیا کر دیا کرینگے اور لڑائی کے میدان میں ریاست کی پوری حربی قوت سے انگریزوں کی مدد کرینگے۔ لیکن اس اقرار کے مطابق جو فوج مہیا کی گئی وہ پہلی جنگ مرہٹہ میں ناکافی قابلیت کی ثابت ہوئی۔ بعد کو اُس کی اصلاح کے لیئے بہت سی تجویزیں ہوتی رہیں مگر کچھ کامیابی نہیں ہوئی ۱۸۱۳ئہ میں اس فوج میں غدر پڑ جانے سے نئے بٹالین بھرتی کیئے گئے اور اُس کے جوانوں کو کمپنی کے سپاہیوں کی طرح ہتھیار۔ لباس اور باقی کل سامان دیا گیا اور فوج کے جملہ اخراجات کا بار ریاست کے

خزانے پر حسب عہدنامہ ڈالا گیا۔

پھر رفتہ رفتہ وہ وقت آیا کہ ہندوستانی والیان ریاست کو اُس خاص حالت کے مضر اثرات محسوس ہونے لگے جبکہ ایک حاکم ذی اختیار سے وہ جوابدہی اُٹھ جاتی ہے جو اُس کو اپنی رعایا کے سامنے کرنی ہوتی ہے۔ یہی ذمہ داری و جوابدہی وہ چیز ہے جو مشرقی ملکوں میں ایک حاکم مطلق العنان کے اختیارات کامل میں اعتدال اور اُن پر ایک قسم کی روک ٹوک رکھتی ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں ریاستوں کی تاریخ کا خلاصہ رئیسوں کی عیش پسندی اور اُن کی ریاستوں کا مقروض ہونا نظر آتا ہے۔

ریاست حیدر آباد کو محسوس ہوا کہ وہ اُس فوج کے اخراجات ادا نہیں کر سکتی جسکے مہیا کرنے پر از روئے عہدنامہ وہ مجبور تھی۔ چنانچہ یہ اخراجات انگریزی گورنمنٹ اپنے خزانے سے روپیہ قرض دیکر ادا کرتی رہی۔ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے صاف طور پر نواب نظام الملک بہادر کو مطلع کیا کہ انگریزی خزانے کو اس صرفے کی بابت اگر آئندہ بھی روپیہ قرض دینا پڑا تو انگریزی حکومت اس قرضے کے ادا کئے جانے کے لیئے ریاست سے اُسکا کوئی علاقہ ضمانت میں طلب کریگی۔ چنانچہ قرضہ وصول کرنے کی بار بار کوشش کے بعد ۱۸۵۱ء میں انگریزوں نے ضمانت میں علاقہ طلب کیا تاکہ قرضے کی رقم جو اُس وقت ۷ لاکھ ۸۰ ہزار پونڈ ہو گئی تھی ادا کی جاوے۔ نواب نظام الملک بہادر نے اس رقم کثیر کا ایک حصہ ادا کر کے وعدہ فرمایا کہ ریاست کے چند اضلاع کی مالگزاری باقی قرضے کیلئے نامزد کر دی جائیگی۔ مگر انگریزوں نے اس وعدے کو ایک خیالی چیز سمجھا۔

۱۸۵۳ء میں ایک نیا عہدنامہ نواب نظام الملک بہادر سے ہوا۔ اُس کے بارے میں سر چارلس ایچسن لکھتا ہے کہ "انگریزی گورنمنٹ نے منظور کر لیا کہ مددگار جمعیت جس میں ۵ ہزار پیدل اور ۲ ہزار سوار اور چار میدانی توپخانوں سے کم نہ ہوں رکھی جاوے اور اُس کے اخراجات اور چند خاص وظائف اور قرضے پر سود کی ادائی کا وہ خود بندوبست کرے۔ اس کے عوض میں نواب نظام الملک بہادر نے اپنے ملک کے چند اضلاع جن کی مجموعی سالانہ مالگزاری پچاس لاکھ روپے تھی بطور امانت کے انگریزی گورنمنٹ کو تفویض کر دیئے۔ اور یہ قرار پایا کہ انگریزی گورنمنٹ

نواب نظام الملک بہادر کی خدمت میں سالانہ حساب پیش کرتی رہے گی اور جو رقم اخراجات سے فاضل بچیگی وہ ریاست کو واپس ہوتی رہیگی" اس عہدنامے سے حضور نظام کو امدادی فوج اور کنٹنجنٹ کے استعمال کا حق بھی حاصل رہا اور وہ مجبوری جو زمانہ جنگ میں لاتعداد کمک دینے کی سابق سے عائد چلی آتی تھی اُس سے بھی سبکدوشی ہوئی۔ کنٹنجنٹ اب حضور نظام کی فوج کا کوئی حصہ نہیں رہا بلکہ وہ ایک امدادی جمعیت ہوگیا جو انگریزوں کی سپردگی میں حضور نظام کی خدمت کے لیئے ہے ؎

اب اُن اضلاع مفوضہ کی برطانوی حکومت میں اس درجہ ترقی ہوئی ہے اور اُنھوں نے ایک مدت سے اپنے تئیں اس خیال کا کہ برطانوی حکومت کے فوائد سے ہمیشہ متمتع رہنے کے گویا وہ مستحق ہو گئے ہیں اس قدر عادی کرلیا ہے کہ ان اضلاع کا بالآخر حضور نظام کو واپس کیا جانا ہندی سیاسیات کا ایک اہم سوال ہوگیا ہے۔ مگر یہ سوال لارڈ ڈلہاوزی کا اُٹھایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ در اصل وہ نتیجہ ہے اُس ترقی یافتہ منزلت کا جو حضور نظام کو انگریزوں کے زمانے میں حاصل ہوئی ہے۔ اس ترقی کے پیدا ہونے میں آسانی کا باعث زیادہ تر لارڈ ڈلہاوزی کا وہ بندوبست ہے جس سے حیدرآباد میں ایک ایسی قواعد داں فوج کے ذریعے سے انتظام قائم کیا گیا جس کے اخراجات کا وقت پر ادا ہونا ریاست کے خزانے کے ذمے نہیں ہے اور اس بندوبست سے پہلے ریاست کے خزانے پر جو آئے دن سخت بار رہتا تھا۔ اب وہ حضور نظام کی قلمرو سے قطعی محو ہوگیا ہے ؎

باب ہشتم

اودھ کا الحاق

لارڈ ڈلہاؤزی نے جن ملکوں پر تسلط جمایا تھا اُن میں سے آخری اور سب سے وسیع علاقہ صوبۂ اودھ تھا۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ لارڈ ڈلہاؤزی نے وارثوں کی عدم موجودگی کے باعث جن جن دیسی ریاستوں کا الحاق کیا تھا اُن کے معاملے میں اُس نے الحاق کے اُصول کا اختراع نہیں کیا تھا اور نہ اُس نے اس اُصول میں اپنی طرف سے کچھ زیادتی کی تھی بلکہ اُسے حکومت ہند کی خوب سوچی سمجھی ہوئی پالیسی کا جزو سمجھکر اُس پر عملدرآمد کیا تھا۔ جس کو اُس کے آنے سے پیشتر سابقہ گورنر جنرل نے قائم کیا تھا اور جس کو انگلستان میں مجلس نظماء نے منظور کیا تھا۔ اودھ کے معاملے میں ہم یہ دیکھیں گے کہ اُس کے الحاق کر لینے کا حکم انگلستان کی حکومت نے لارڈ ڈلہاؤزی کے مشورے کے خلاف دیا تھا اور اُس نے اس حکم کی تعمیل کی تھی جس کو مجلس نظماء نے خود اُس کی نرم روش کی تردید کرتے ہوئے جاری کیا تھا۔

سنہ ۱۸۰۱ء میں لارڈ ویلزلی کے معاہدے کی رو سے اودھ کا وسیع صوبہ جو دریائے گنگا کے بالائی وسطی میدان میں واقع ہے نواب وزیر کے لئے منظور ہوا تھا اور نواب وزیر نے اُس معاہدے کے بعد حکومت کی رضامندی سے شاہ اودھ کا خطاب اختیار کر لیا تھا۔ سنہ ۱۸۰۱ء کا معاہدہ نواب وزیر کے اس اقرار کے کر لینے کے بعد (دفعہ ۶) ہوا تھا کہ شاہ اودھ نظم ونسق کے ایسے قواعد جاری کریگا جو اُس کی رعایا کی خوشحالی کا باعث اور باشندگان کی سلامتی جان ومال کا موجب ہونگے اور اپنے عہدہ داروں سے اُن پر عملدرآمد کرائیگا۔ نیز شاہ اودھ ہر ایک[عہ] کام مذکورہ انریبل کمپنی کے افسروں کے مشورے سے اور اُن کے ساتھ متفق الرائے ہو کر کریگا ؏

عہ کتاب موسومہ "معاہدات۔ اقرارنامجات اور سندات" جلد دوم صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ سنہ ۱۸۷۶ء۔

نواب وزیر جو کہ نہایت نفس پرست اور اوباش شخص تھا اُن شرائط پر کاربند نہ ہو سکا۔ بجائے ایسا طریقہ حکومت رائج کرنے کے جو اُس کی رعایا کی خوشحالی کا باعث ہوتا اُس نے ظلم و ستم اور ابتری پھیلائے رکھنے پر کمر باندھ لی۔ اور اپنی رعایا کے انتظام سے بچنے کے لئے برطانوی افواج کی حمایت پر بھروسہ کرتا رہا۔ خود لارڈ ویلزلی نے بھی تاڑ لیا تھا کہ انجام کیا ہوگا۔ ۱۸۰۱ء میں اُس نے تحریر کیا کہ "مجھے پورا اطمینان ہے کہ صوبۂ اودھ کو بربادی سے بچانے کے لیئے کوئی عمدہ انتظام نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ اس ملک کی دیوانی اور فوجداری کا انتظام قطعی طور پر کمپنی کے سپرد نہ کردیا جائے اور شاہ اودھ اور اُس کے خاندان کے گزارے کیلئے مناسب تجاویز کردی جائیں"۔[1]

تیس سال گزرنے سے پیشتر یہ واضح ہوگیا کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۸۳۱ء میں لارڈ ولیم بنٹنگ نے بادشاہ اودھ کو متنبہ کیا کہ "اگر اُس کے ملک میں موجودہ طریقوں سے بہتر اُصولوں پر حکومت نہ کی گئی اور لوگوں کی خوشحالی کو خاص طور پر مدنظر نہ رکھا گیا تو کرناٹک اور تنجور کی سابقہ مثالوں کو حکومت اودھ اور تمام ملک کے نظام پر عائد کرکے شاہ کو شاہی قیدی کی صورت میں بدل دیا جائیگا"۔[1]

۱۸۳۷ء میں یہ بدچلن ضعیف بادشاہ مرگیا اور لارڈ آکلینڈ نے جو اُس وقت گورنر جنرل تھا اودھ کو برطانوی حکومت کے ساتھ ملحق کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اسی سال کے نئے معاہدے کی ساتویں دفعہ کی رو سے اس کا اعلان کیا گیا کہ "اگر اُس کے بعد بھی ملک اودھ میں ایسے ظلم و ستم۔ بدنظمی و بیقاعدگی بڑھتی رہی جس سے امن عامہ میں نقص پیدا ہو تو ایسی صورت میں برطانوی حکومت نے اپنے لئے یہ حق محفوظ کرلیا ہے کہ اس ملک کے انتظام کو اپنے افسروں کے سپرد کردیگی"۔ اس معاہدے پر شاہ اودھ نے دستخط کردیئے تھے مگر مجلس نظماء نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن اس معاملے کو شاہ اودھ سے پوشیدہ رکھا گیا۔ اس امر سے جو لارڈ آکلینڈ کی دیگر چال بازیوں میں سے ایک تھا برطانیہ کی نیکنامی پر داغ لگ گیا۔

[1] کتاب موسومہ "معاہدات۔ باہمی اقرارنامجات اور سندات" مصنفہ ایچسن جلد دوم۔ صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ ۱۸۷۶ء

مجلس نظماء نے اپنے مراسلے مورخہ ۱۵- اپریل ۱۸۳۹ء میں یہ ہدایت کی تھی کہ معاہدے کی نامنظوری کی فوراً بادشاہ کو اطلاع دیدی جائے۔ لیکن لارڈ آکلینڈ نے بادشاہ کو صرف یہ اطلاع دی کہ برطانوی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ معاون فوج کے متعلق جو معاہدے کی رو سے قائم کی گئی ہے اُس کو (شاہ کو) چند سخت شرائط سے سبکدوش کر دیا جائے۔ معاہدے کی نامنظوری کی باقاعدہ اطلاع بادشاہ کو کبھی نہیں دی گئی ؂

اس کے دس سال کے بعد ہندوستان میں ایک نہایت دیانت دار گورنر جنرل کا زمانہ تھا۔ ۱۸۴۷ء میں لارڈ ہارڈنگ بذات خود لکھنؤ گیا اور بادشاہ کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ متنبہ کیا کہ اگر دو سال کے اندر بادشاہ انتظام ملک میں اصلاح نہ کریگا تو "حکومت برطانیہ نظم و نسق سلطنت اودھ کو اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہوگی" ؂ لارڈ ہارڈنگ نے اپنے ذاتی پند و نصایح کو اس تحریری اعلان کے ذریعے اور زیادہ وزنی کر دیا کہ معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے اس کے لیے اور کوئی صورت معاملے کی درستی کی نہیں ہے۔ اُس نے تحریر کیا کہ "جب مسلسل بد نظمی پھیل رہی ہو تو گورنر جنرل کو ہدایت ہے کہ معاملات کی صورت جس تدبیر کی مقتضی ہو اس کے مطابق عمل کرے اور فرائض منصبی کی انجام دہی میں اس کی اپنی رائے دخیل نہیں ہو سکتی" ؂

زبان کی پابندی کے متعلق لارڈ ہارڈنگ کی سپاہیانہ باقاعدگی کا ہم کو جو کچھ علم ہے اس کے لحاظ سے اُس میں ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا کہ اگر وہ ہندوستان میں رہتا تو دو سال کے زمانۂ مہلت کے بعد ۱۸۴۹ء میں صوبۂ اودھ انگریزی حکومت میں شامل کر لیا جاتا ؂

مگر اسی اثنا میں لارڈ ڈلہاؤزی ۱۸۴۸ء میں اُس کا جانشین ہو گیا تھا۔ اودھ کی حالت میں کوئی بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن نئے گورنر جنرل نے ارادہ کر لیا تھا کہ لارڈ ہارڈنگ کے فیصلے کو بادشاہ پر جاری کرنے سے پیشتر

؂ کتاب موسومہ "معاہدات - سندات وغیرہ" مصنفۂ ایچیسن جلد دوم صفحہ ۹۳ مطبوعہ ۱۸۶۳ء

اس ہندوستانی خاندان کو اپنے بچاؤ کا ایک موقع اور دینا چاہیئے۔ اس لیئے شاہ اودھ کے ساتھ ایک مرتبہ پھر پند و نصایح سے کام لیا گیا مگر ۱۸۴۹ئہ میں اودھ کو برطانوی عملداری میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس تاخیر کو بادشاہ نے ظلم وستم کی نئی اجازت سے تعبیر کیا۔ آخر کار ۱۸۵۱ئہ میں کرنیل سلیمن نے جو دیسی ریاستوں کے ساتھ اپنی ہمدردی کے لیئے مشہور تھا بہ حیثیت رزیڈنٹ لکھنؤ ایسی رپورٹ ارسال کی جس کو پڑھکر گورنر جنرل اپنے دل سے یہ سوال کرنے پر مجبور رہا کہ ایسی سخت بدانتظامی اور انسانی مصائب کے ایسے نظاروں کا وہ کس قدر مدت مزید تک متحمل یا ذمہ دار رہ سکتا ہے؟

تاہم لارڈ ڈلہاوزی نے اس جانب سے مایوسی کے باوجود بھی امید کو قائم رکھا اور کرنیل اوٹرام سے جو اُس وقت دربار لکھنؤ میں سلطنت ہند کا نمائندہ تھا ۱۸۵۵ئہ میں بہ حالت مجبوری اُس نے اس کے متعلق رپورٹ مانگی کہ سابقہ رزیڈنٹ جن عیوب کا ذکر کرتے رہے ہیں وہ دور کر دیئے گئے یا نہیں۔ اور جن اصلاحات کیلئے ۱۸۴۷ئہ میں لارڈ ہارڈنگ نے دو سال کی مدت لگائی تھی وہ ہو گئی یا نہیں؟ کرنیل اوٹرام کی رپورٹ سے ثابت ہوا کہ نہ صرف کوئی اصلاح ہی عمل میں آئی ہے بلکہ اب اودھ میں حد درجے کی بدعملی اور انتہائی درجے کا ظلم وستم رائج ہے؟

جون ۱۸۵۵ئہ میں لارڈ ڈلہاوزی نے اس معاملے کے متعلق یہ رائے تحریر کی "برطانوی حکومت ایسے اہم معاہدے کی شرائط خلاف ورزی ہوتے دیکھتی رہی اور اُس سے اغماض کرتی رہی۔ اور اس سبب سے جو تمام برائیاں پیدا ہوئی ہیں اور مصائب انسان کو برداشت کرنے پڑے ہیں اُن سب کی وہ پوری پوری ذمہ دار ہے: اس میں شک نہیں کہ حکومت برطانیہ پر ان برائیوں کی طرف سے عدم توجہی کا یا اُن میں تخفیف کرنے یا اُن کے قطعی انسداد کی جانب سے غفلت کرنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا جن کی موجودگی سے وہ بخوبی واقف تھی۔ کیونکہ (۱۸۵۱ئہ) کے معاہدے کے زمانے سے اب تک کی سرکاری یادداشتیں۔ حکومت ہند اور اُس کے نمائندگان بہ حیثیت لکھنؤ کی جانب سے پند و نصایح شکایتوں اور تنبیہاً ہدایات کے ایک طویل سلسلے کو ظاہر کرتی ہیں۔ وقتاً فوقتاً بذریعہ سرکاری چٹھیوں

دوستانہ خطوط۔ رزیڈنٹ کی معرفت زبانی پیاموں پر گورنر جنرل خود والی اودھ کو اُس کی سلطنت کی اندرونی ابتر حالت کی طرف توجہ دلاتا رہا ہے اور اس تمام زمانے میں کبھی نہایت سخت وسست الفاظ کبھی فہمائش اور کبھی دھمکیاں تک دی جاتی رہی ہیں"

لیکن گورنمنٹ ہند نے شاہ اودھ پر سے صرف اپنی مہربانیوں کے ہٹا لینے اور اُس کی سلطنت میں سے اپنی افواج کو اٹھا لینے کے موثر طریقے پر آج تک کبھی عمل نہیں کیا۔ اور انہی وجوہات کا باعث ہے کہ نصف صدی سے زائد زمانے سے والیان اودھ ظلم و تعدی اور حکومت کی ابتری کے نتائج بد سے محفوظ ہیں۔ انھوں نے اپنی رعایا کے مصائب کی طرف کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اُن کی ولدوز چیخ پکار کبھی اُن کے کان تک نہیں پہنچی۔ اپنی ذات کی سلامتی کی طرف سے مطمئن ہو کر اور اپنے تخت و تاج کو محفوظ سمجھ کر یکے بعد دیگرے ہر ایک حکمراں نے اپنی زندگی گویا تو اپنے محل کی چار دیواری میں یا اپنے پائے تخت کے اردگرد کے باغات کے اندر اپنی اپنی ذاتی خواہشات کے پورا کرنے کے سوا ہر دیگر امر کی طرف سے بے پروائی کی حالت میں گزارا ہے۔ ان میں سے ایک لالچ کا بندہ تھا۔ دوسرا درجۂ اعتدال سے گزرا ہوا مے نوش تھا اور موجودہ بادشاہ زنانہ مزاج شہوت پرست اور گویّوں سازندوں اور خواجہ سراؤں کا ولدادہ ہے۔ صرف وہی اُس کے رازدار اور اُس کی حکومت کے رُکن ہیں۔ اگر وہ حمایت واعدادانہ ہو جو بروئے معاہدہ حکومت ہند شاہ اودھ کو اُس کے تمام اندرونی و بیرونی دشمنوں کے خلاف دینے پر پابند سمجھی گئی ہے اور اگر لکھنؤ میں برطانوی افواج مستقل طور پر موجود نہ ہوں تو اہالیان اودھ نہایت جلدی خود اپنی نجات کے ذرائع فراہم کریں۔ اور عام بغاوت کر کے اپنے حکمراں بہترین طور پر دباؤ ڈالیں جس کے باعث مشرقی حکمراں بہترین طور پر قابو میں کر لیئے جاتے ہیں"

آگے چلکر لارڈ ڈلہاؤزی تحریر کرتا ہے کہ "اس اہم معاملے کی تصدیق میں کرنیل سلیمن نے حسب ذیل شہادت دی ہے" وہ تحریر کرتا ہے کہ "مجھے

یقین ہے کہ اگر ہماری افواج (ممالک) اودھ سے ہٹالی جائیں تو زمیندار ایک مہینے کے اندر تمام ملک کو روند پھینکیں گے اور دار السلطنت لکھنؤ کو تاخت و تاراج کر ڈالیں گے۔

"میں معزز مجلس (نظماء) سے مودبانہ التماس کرتا ہوں کہ وہ وقت آگیا ہے کہ معاملات سلطنت۔ اودھ کے متعلق حکومت برطانیہ کی مزید کاہلی کو اب کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا۔ اب اور ہمارے تساہل نے جرم کی صورت اختیار کر لی ہے"[1]

لارڈ ڈلہاؤزی نے اس معاملے میں کارروائی کرنے کے لیے تین طریقے نہایت وضاحت سے بیان کئے تھے۔ یا تو شاہ اودھ کو تخت سے دست برداری پر مجبور کیا جائے اور اُس کے ملک کو برطانوی مقبوضات ہند میں شامل کر لیا جائے یا اُس کے شاہی مراتب کو قائم رکھکر اُسکی حکومت کا انتظام مستقل طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دیا جائے یا اُسے مجبور کیا جائے کہ ایک محدود عرصے کے لئے اودھ کو حکومت برطانیہ کے حوالے کر دے۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے تخت کی حوالگی پر مجبور کرنے کے طریقے کو اس بنا پر انتہائی درجہ قرار دیا تھا کہ اگرچہ شاہان اودھ بطور حکمران اپنی رعایا کی نظروں میں ناپسندیدہ تھے مگر بہ حیثیت دوستی کے وہ انگریزوں کے ساتھ ہمیشہ وفادار رہے تھے۔ اُس نے تحریر کیا کہ "اسی باعث سے میں اپنی جانب سے صوبۂ اودھ کے برطانوی ملک قرار دیئے جانے کے اعلان کا مشورہ نہیں دینا چاہتا میرا اولی مشورہ یہ ہے کہ بادشاہ کے شاہی خطاب اور مرتبے کو برقرار رکھا جائے لیکن اُس کو مجبور کیا جائے کہ اودھ کا تمام ملکی اور فوجی انتظام کمپنی کے ہاتھوں میں دیدے اور اس کے (کمپنی کے) اختیارات بلحاظ زمانہ لامحدود نہایت وسیع ہوں"[تم]

اس نرم پالیسی کے متعلق لارڈ ڈلہاؤزی اپنی ہی کونسل کی رضامندی بھی حاصل نہ کر سکا۔ ممبروں میں سے دو انتہائی کارروائی کے طرفدار تھے اور باقی ماندہ

---

[1] میں نے لارڈ ڈلہاؤزی کی یہ یادداشت کتاب موسومہ "لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد حکومت ہند کی حمایت" مصنفۂ سر چارلس جیکسن کے صفحات ۱۳۱ تا ۱۳۴ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں سے نقل کی ہے۔[تا]

وہ زیادہ معتدل روش چاہتے تھے۔ اُن سب نے علیحدہ علیحدہ تحریریں لکھیں لیکن اس امر پر زور دینے میں سب متفق تھے کہ "اگر سلطنت برطانیہ اہالیان اودھ کے مصائب کو محسوس کر کے ۱۸۵۱ء کے معاہدے کی رو سے دست اندازی کرے تو اُس کا یہ فعل معاہدے کے خلاف ہوگا اور اگر وہ اس معاہدے کو کالعدم قرار دیکر اس ملک سے ہاتھ اُٹھائے اور لوگوں کی دادرسی نہ کرے تو خلاف انصاف ہوگا"[1]

مجلس نظماء اور ملکہ وکٹوریہ کی وزارت نے گورنر جنرل اور اُس کی کونسل کی آرا نہایت غور سے موازنہ کرنے کے بعد سخت تر طریقے کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک مراسلہ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۸۵۵ء میں جس کو "فن تحریر کا ایسا نمونہ قرار دیا گیا ہے جو اہم ہدایات جاری کرنے کے پہلو بہ پہلو اُن کی ذمہ داری سے بھی بچا سکتا تھا" مجلس نظماء نے لارڈ ڈلہاؤزی کی نرم روش کو نامنظور کیا اور اودھ کے الحاق کے متعلق اپنا آخری فیصلہ صادر کر دیا۔ ساتھ ہی اُنھوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ یہ کام خود لارڈ ڈلہاؤزی اپنے عہدے سے علیحدگی سے پیشتر انجام دیدے۔

تھکا ماندہ گورنر جنرل جواب اس قدر لنگڑا ہو گیا تھا کہ بہ مشکل چل پھر سکتا تھا بیماری اور پیش از وقت بڑھاپے کے باعث بالکل معذور ہو گیا تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو وہ اس بارِ عظیم سے جو اُس پر ڈالا جا رہا تھا بخوشی اپنی جان چھڑا لیتا۔ اُس نے مجلس (نظماء) سے صاف صاف جتا دیا تھا کہ حکومت ہند کے مخالف اس کارروائی پر سختی کے ساتھ معترض ہوں گے اور اُس شخص کے خلاف جو اس پر عملدرآمد کریگا اظہار نفرت کرینگے۔ لیکن اُس نے یہ بھی اقرار کر لیا تھا کہ مجلس نظماء کا فیصلہ جو کچھ بھی ہو اُس کو بجائے اسکے کہ وہ گورنر جنرل پر اُس کے ابتدائی ایام میں اس نفرت کے برداشت کرنے کے لیئے چھوڑ جائے وہ اس بدنامی کو خود ہی برداشت کریگا۔

---

[1] از کتاب موسومہ "مارکوئس آف ڈلہاؤزی کے عہد حکومت ہند کی حمایت" صفحہ ۱۴۴۔

اب اُس کے لئے صرف یہ باقی رہ گیا کہ اپنے اس فرض کو نہایت احتیاط سے انجام دے۔ بادشاہ سے کسی قدر بے سود گفت وشنید کے بعد صوبۂ اودھ اعلان مورخہ ۱۳ فروری ۱۸۵۶ئہ کی رو سے خود لارڈ ڈلہاوزی کے الفاظ کے مطابق اس وجہ سے برطانوی ممالک میں شامل کرلیا گیا کہ "سلطنت برطانیہ خدا اور انسان کی نگاہوں میں مجرم قرار دی جائیگی اگر وہ اپنے لطف وعنایات اور امداد سے ایسی حکومت کو اور زیادہ برقرار رکھنے میں معاون ہو جو لاکھوں آدمیوں کی مصیبت کا باعث ہے"۔

اُس نے نہایت راستی کے ساتھ اپنی پرائیوٹ ڈائری میں تحریر کیا کہ "اس احساس کو دل میں لیکر اور اس قادر مطلق کی امداد پر عاجزانہ اعتماد کر کے (جس کی لاکھوں مخلوق کو اس انقلاب سے خوشی اور آزادی نصیب ہوگی) میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے نہایت حلم اور فکر و تشویش کے ساتھ لیکن پورے سکون اور بلا کسی شک وشبہ کے آمادہ ہوں"۔

اس طرح لارڈ ڈلہاوزی کے ہندوستان سے عین رخصت کے وقت اُس کے آخری الحاق کی تکمیل ہوئی۔

باب نہم

جدید اندرونی انتظامات

لارڈ ڈلہاؤزی بخوبی سمجھتا تھا کہ ان وسیع ملکی توسیعات کے باعث ہندوستان کے طریقۂ حکومت اور اُس کو قبضے میں رکھنے کے اُصول میں اہم تغیرات لازمی ہیں۔ میں یہ ذکر کر چکا ہوں کہ اُس کے عہد حکومت سے پیشتر برطانوی ہندوستان ایک جداگانہ ملک تھا اور درمیانی ریاستوں کے باعث وہ تمام زبردست ہمسایہ طاقتوں کے راستے مسدود اور فوجی اغراض کے لئے صرف سمندر کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ مغربی پریسیڈنسی (صوبۂ بمبئی) کے عالیشان بندرگاہ کے زیر اثر تھی اور بندرگاہ کراچی ملک سندھ کی کُنجی تھا۔ مدراس کے کھلے اور لمبے ساحل سے کثیر التعداد راستے نکلتے تھے اور اُس کی جنوبی سرحد کے قریب ٹرنکومالی پر ایک عظیم بحری سٹیشن لنکا کی جانب کے ساحل پر واقع تھا۔ بنگال میں کلکتے کے شاندار بندرگاہ اور اُسکے متعلقہ دریائی سلسلے کے ذریعے جو دریائے گنگا۔ دریائے سندھ اور برہمپتر اپر مشتمل تھا شمالی ہند کے برطانوی مقبوضات کی سرحد کے اندر کی جانب دریائی راستہ تھا۔

دریائے گنگا کے سلسلے سے اس طرف ملک پنجاب کے فتح ہو جانے سے اس سلسلے کی حدود پر واقع ہونے والے صوبۂ اودھ پر قبضہ ہو جانے مشرقی اور مغربی سواحل بحر کے درمیانی وسیع ممالک ناگپور پر تسلط اور ہندوستان کی ریڑھ کی ہڈی پر واقع ہونے والے علاقے پر انتظامی قبضہ ہو جانے کی وجہ سے انگریزوں کی فوجی قوت کے اہم مقامات قطعی تبدیل ہو گئے اور برطانوی ہندوستان کی ایک منقسم اور سمندر سے گھرے ہوئے جزیرہ نما کی ہیئت تبدیل ہو کر ایک اندرونی ایشیائی سلطنت قائم ہو گئی۔

نیا ملکی سوال جو درپیش تھا وہ محض یہی نہ تھا کہ تقریباً ۲۵۰۰۰ مربع میل رقبے کے نئے مقبوضات کو کس طرح مستحکم کیا جائے بلکہ اس حالت کا لحاظ کرتے ہوئے کہ وہ انگریزوں کی بحری فوجی مستقر سے اس قدر دور دراز فاصلے پر تھے اُن کو کس طرح تقویت دی جائے۔ نیا قومی مسئلہ صرف یہی نہ تھا کہ ان نئے لوگوں پر جن کی تعداد اب ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ تک تھی کس طرح حکومت کی جائے بلکہ اُس طریقہ سلطنت کو جو برطانوی رعایا کی مطمئن آبادی میں رفتہ رفتہ مروّج ہوا تھا اُن جنگجو قوموں اور فرقوں کے کس طرح مناسب حال بنایا جائے جن کے دلوں میں ابھی تک ہزیمت کا زخم ہرا تھا۔ نیا ملکی مسئلہ یہ تھا کہ گورنر جنرل کی نگرانی جو ابھی تک زیادہ تر لوئر بنگال کے براہ راست انتظام تک محدود تھی کس طرح اس قدر وسعت دی جائے کہ پنجاب برما اور برار جیسے بے شمار دور دراز نئے صوبجات پر اس نگرانی کو قائم رکھ سکے۔ کیونکہ یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ لارڈ ڈلہاؤزی کے فتح یا الحاق کئے ہوئے ممالک میں سے ایک میں بھی علیحدہ مقامی حکومت قائم نہیں کی گئی۔ ان تمام کو گورنر جنرل باجلاس کونسل کے براہ راست نگرانی میں لوکل ایڈمنسٹریشن (مقامی انتظام) کی صورت میں باقی رکھا گیا۔

اگر اُن تمام طریقوں کو مناسب طریق پر بیان کرنے کی کوشش کی جائے جن کے ذریعے سے لارڈ ڈلہاؤزی نے اُن ہر سہ یعنی ملکی قومی اور سیاسی سوالات کو حل کیا تو اُس زمانے کی ایک نہایت طویل تاریخ لکھنی پڑیگی۔ شاید اُس کے بعد مجھ کو اُس کے متعلق کوشش کرنے اور اُن کارروائیوں کو معلوم کرنے کا موقع مل جائے جن کے ذریعے سے لارڈ ڈلہاؤزی نے لارڈ ویلزلی کے زمانے کے ساکن و جامد ہندوستان کو ہمارے اپنے زمانے کا ترقی پذیر ہندوستان بنا دیا تھا۔ اس کتاب میں نہایت مختصر طور پر میں اُن چند بڑے بڑے اُمور کو ظاہر کرونگا جن کے ذریعے وہ اپنے کار عظیم کو تکمیل تک پہنچا سکا۔

ہندوستان کا وہ برطانوی علاقہ جو لارڈ ڈلہاؤزی نے اپنے جانشین کے حوالے کیا تھا وہ اُس علاقے کے ساڑھے تین گنے حصے سے زیادہ تھا جس کا اس نے عہدۂ گورنر جنرلی کے ساتھ جائزہ لیا تھا۔ اُس کو معلوم تھا کہ اس

ہندوستان کے سیاسی مرکز ثقل میں نہایت اہم تغیر واقع ہوگیا ہے اور اس نے معلوم کیا کہ اب یہ کسی طرح ممکن نہیں رہا کہ ان برطانوی مقبوضات پر بحری طاقت کے زور سے قبضہ برقرار رکھا جائے مسلسل تاریخی واقعات کے باعث بنگال کا گورنری رفتہ رفتہ ہندوستان کا گورنر جنرل ہوگیا تھا۔ لارڈ ڈلہاوزی کے عہد تک گورنر جنرل ہی دریائے گنگا کے زیریں صوبجات کا گورنر اور ان کے نظم ونسق کا ذمہ دار ہوا کرتا تھا اُس کا مستقل دار الحکومت کلکتہ تھا جب گورنر جنرل اس دار السلطنت سے کہیں باہر چلا جاتا تو اُس کی کونسل کا سینیر ممبر عارضی طور پر ڈپٹی گورنر بنگال بن جاتا تھا لیکن سوائے ان اوقات کے بنگال کی مقامی حکومت کی ذمہ داری قانوناً ہندوستان کے گورنر جنرل پر تھی ؛

یہ[1] انتظام عرصے تک نہایت ناقص ثابت ہورہا تھا اور اب لارڈ ڈلہاوزی کی فتوحات اور الحاقات نے اسے بالکل ناکارہ بنا دیا۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے ۱۸۵۳ء کے قانون کی رو سے گورنر جنرل بنگال کی گورنری کی خدمات سے سبکدوش کر دیا گیا۔ لوئر صوبجات بنگال کے لئے ایک لفٹنٹ گورنر مقرر کیا گیا اور اس طرح لارڈ ڈلہاوزی حقیقۃً ہندوستان کا پہلا گورنر جنرل ہوا[2]

سابق انتظامات کی رو سے بڑی بڑی فوجیں کلکتے کے گرد رکھی گئی تھیں اور بنگال کے توپخانے کا مرکز دمدم کے مقام پر سات میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ انتظامات بھی متروک ہوگئے اور پنجاب کی فتح کے بعد ہندوستان کی عظیم ترین فوجی طاقت فاصلۂ بعیدہ پر شمال کی طرف تبدیل ہوگئی۔ اس لئے ۱۸۵۳ء میں لارڈ ڈلہاوزی نے بنگال کے توپخانے کے مرکزی مقام کو کلکتے کے نواح سے میرٹھ میں جو ایک ہزار میل اندرون ملک میں ہے تبدیل کر دیا۔ کلکتے کے

---

[1] اس انتظام کے خراب نتائج کے لئے دیکھو کتاب موسومہ "ہندوستان" مصنفۂ سر جان سٹریچے صفحہ ۳۰۴ تا ۳۰۳ - ایڈیشن ۱۸۸۸ء -؛

[2] "گورنر جنرل ہندوستان" کا خطاب ۱۸۳۳ء کے قانون کی رو سے مقرر کیا گیا تھا۔ اس سے پیشتر سرکاری عہدہ "گورنر جنرل بنگال" یا "گورنر جنرل فورٹ ولیم واقع بنگال" تھا ؛

اور دگر دا در لوئر بنگال کے صوبجات سے پنجاب کی طرف نوجوں کی عام نقل و حرکت شروع ہوگئی۔ یہ نقل و حرکت ۱۸۵۶ء میں اودھ کے الحاق کی وجہ سے اور زیادہ اہم ہوگئی۔

یہ انتظام رفتہ رفتہ مکمل ہوا ہے۔ بارک پور کی سابقہ عظیم الشان چھاؤنی اب سوداگروں اور انگریز باشندگان کے لئے پائے تخت کا نہایت دلکش نواحی مقام ہے جہاں رنگارنگ کی وردیوں کے نظر فریب نظارے دکھائی دیتے تھے لیکن اب اس جگہ کی اہمیت فوجی معاملات سے زیادہ ریلوے کے ماہانہ ٹکٹوں سے ہے۔ ہگلی سے ۱۵ میل کے فاصلے پر چنسرا انگریزی فوجوں اور بیماروں کے لئے ایک دلکش مقام تھا۔ اب اس کی عظیم الشان سنسان بارکوں میں ایک سپاہی بھی نہیں ہے۔ فوجی مقامات کا وہ دائرہ جو لوئر بنگال کو گھیرے ہوئے تھا اس کے مقامات کو اودھ پنجاب اور صوبجات متوسطہ کے فوجی مقامات کی خاطر خالی کر دیا گیا ہے۔ ہندوستانی سپاہ دریائے گنگا کی زیریں وادی میں جا بجا بکھری ہوئی ہے لیکن فوجی قوت کا قریب ترین مقام دیناپور ہے جو دارالسلطنت سے ریلوے کے ذریعے ۴۴۳ میل اور پرانے دریائی راستوں سے ۴۰۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ میں نے بذات خود بنگال کے ایک خوبصورت وسیع فوجی مکان خورونوش یہ نیلام میں ۴۰ پونڈ کی بولی لگتے ہوئے دیکھا ہے جو آخر کار صرف جھلملیوں اور تہہ ہو جانے والے دروازوں اور کھڑکیوں میں لگے ہوئے شیشوں کی قیمت کی وجہ سے اسی رقم پر فروخت کر دیا گیا۔

ہندوستان کے سیاسی اور فوجی مرکز ثقل میں ان تغیرات کے باعث کلکتے کی حکومت عالیہ (سپریم گورنمنٹ) کا مسلسل صدر مقام بھی نہیں رہا ہے۔ گورنر جنرل کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ شمال مغرب میں اپنی اہم ذمہ داریوں کے مقام کے قریب تر رہے۔ پنجاب میں شملے کا پہاڑی مقام جہاں پیشتر کبھی کبھی محض صحت کی خاطر جانا ہوتا تھا وہ رفتہ رفتہ سال کے بڑے حصے کے لئے حکومت ہند کا صدر مقام بن گیا۔ لارڈ ڈلہاؤزی اس مقام کو ایسی گھات کی جگہ کے طور پہ استعمال کرتا تھا جہاں سے وہ ۱۵۰ چھ نے

ملحق کئے ہوئے علاقوں کو زیر نظر رکھ سکے جو اُس پہاڑی صدر مقام سے نیچے پھیلے ہوئے تھے ۱۸۶۵ئہ میں جب کہ غدر نے چند سال پہلے یہ سبق پڑھا دیا تھا کہ ہندوستان کا ہاتھ میں رہنا یا نہ رہنا صرف شمال کے علاقے میں ہی سطے ہو سکتا ہے تو افواج کے مستقل ہیڈ کوارٹر کو شملے میں منتقل کر دیا گیا۔

فوجی ضروریات کے باعث تبدیلیوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ گورنر جنرل مع کونسل اور سول کے بڑے بڑے محکمے پنجاب کے اُس پہاڑی صدر مقام میں بڑے پیمانے پر جمع ہونے لگے۔ کیونکہ تجربے نے ہندوستان کے ملکی اور فوجی اعلیٰ افسروں کے ایک دوسرے سے علیحدہ اور دور دراز کے فاصلوں پر ہونے کے باعث ہر طرح کی تاخیر اور غلط فہمیوں کے خطرات کو ظاہر کر دیا تھا۔ ۱۸۵۳ئہ کے قانون کی رو سے ہندوستان کا گورنر جنرل چالیس سال کے عرصے سے بنگال کی گورنری سے قطعی علیحدہ کر دیا گیا ہے اور قریباً ۲۵ سال ہوئے کہ فوج کے ہیڈ کوارٹرز شملہ میں مقرر کر دیئے گئے۔ ۲۵ سال کے عرصے سے سوائے قحط کے ایام کے ہر ویسرائے سالانہ ۸ یا ۹ مہینے شملے میں یا دورے میں اور قریباً تین یا چار مہینے کلکتے میں گزارتا رہا ہے۔

اس طرح کلکتہ بالکل واضح طور پر حکومت ہند کا فوجی یا ملکی ہیڈ کوارٹر نہیں رہا۔ آبادی کے لحاظ سے مغربی دار الحکومت بمبئی اس پر سبقت لے جا چکا ہے اور تجارتی دوڑ میں آگے نکلنے کے لئے بھی وہ عظیم الشان بندرگاہ اس کا سخت تعاقب کر رہا ہے۔ عرصۂ دراز سے انگریزی افواج کے اُترنے چڑھنے کا بندرگاہ بجائے کلکتے کے بمبئی ہی ہے۔

لیکن باوجود ان تغیرات اور اس کے مغربی اور نیز دوسرے حریف شہروں کی ترقی کے کلکتہ اپنی شان و شوکت میں برابر ترقی کر رہا ہے۔ ہندوستان کے شمالی اور شمال مشرقی دریائی سلسلوں کے دہانے پر اس کی بے نظیر جائے وقوع کے باعث بنگال کے چاول سن تل اور سرسوں کی زبردست تجارتی منڈی ہونے کا اُس کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہے اگرچہ اب یہ اشیاء بھی دریاؤں کے راستے دیر میں پہنچنے کے باعث بہت کثرت سے

ریلوں کے راستے لائی جاتی ہیں۔ اُس کے سوداگروں اور سرمایہ داروں کی کوششوں کے باعث نہایت وسیع پیمانے پر نئی نئی حرفتیں مثلاً چاء کی کاشت۔ کوئلوں کی کانوں کی کھدائی۔ ڈھلائی کے کارخانے اور بہت قسم کے اسٹیم کے کارخانے جاری ہوگئے ہیں۔ مغرب کی جانب نئی ریلوے کے باعث یہاں کے گندم کی تجارت میں بھی ترقی ہوجائے گی اور بنگال میں لوہے کی صنعت وحرفت کا اعلیٰ مرکز بننے کے لئے یہ شہر صرف اس امر کا منتظر ہے کہ ہندوستانی کوئلے اور کچی دھاتوں کے گلانے کے لئے یورپ کے طریقوں سے اچھی طرح کام لیا جانے لگے۔ اسی اثناء میں کلکتہ اپنے ساحلی مقام پر نہایت اطمینان کے ساتھ متمکن ہے اور دنیا کے شاداب ترین مقامات کی پیداوار کو بکثرت۔ دریاؤں یا دن بدن زیادہ پھیلنے والی ریلوں کے جال کے ذریعے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ اور ہمیشہ اسی طرح دیکھتا رہیگا۔

لارڈ ڈلہاؤزی نے اپنے چارٹرے نئے صوبوں پنجاب برما ممالک ناگپور اور اودھ پر حکومت کے لئے ایک مشترک نظام ترتیب دیا جس کے ذریعے انتظامی معاملات میں اُس نے فوجی قوت اور مستعدی کو سویلین عدل وانصاف اور بیدار مغزی کے ساتھ یکجا کرنے کی کوشش کی۔ اُس کے باعث مقامی منتظم جماعت میں نہ صرف سویلین اور فوجی حکام ہی باہم مخلوط ہوگئے جس کا ذکر ہیں نے پنجاب کے متعلق باب میں کیا ہے بلکہ اس کی وجہ سے قانون اور عدالتی آئین پر نہایت احتیاط کے ساتھ دوبارہ غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو ہر نئے صوبے کی ضروریات کے مناسب حال ہوں۔ پرانے صوبجات کے دقیق عدالتی قوانین کو فوراً ہی اُن نئے مفتوحہ علاقوں میں رائج کردینا نہایت خلاف مصلحت اور ناقابل عمل ہوتا۔ خلاف مصلحت تو اس وجہ سے کہ اُس کے باعث تو مفتوحہ آبادیوں پر ایسے پایے کے ملکی انتظامات عائد ہوجاتے جن کے وہ عادی نہ تھے اور جو شاید ایسا بار عظیم ثابت ہوتے جن کو وہ برداشت نہ کرسکتے۔ اور ناقابل عمل اس لئے ہوتا کہ نئی منتظم جماعتیں جو کہ ناتجربہ کار سول حکام اور فوجی عملے میں سے بعجلت ترتیب دی گئی تھیں اُن سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ پرانے اور زیادہ صحیح ضابطوں کی گوناگوں کیفیتوں پر پوری طرح

حاوی ہو سکیں۔ ٭

اس لئے لارڈ ڈلہاوزی نے اپنے نئے صوبجات کے لئے ایسے جوڈیشل (عدالتی) اور مالی قوانین مرتب کئے جو دو ذرائع سے اخذ کیئے گئے تھے۔ اول مقامی دستور اور رواج جو پیشتر اس صوبۂ ملحقہ میں قانون کی صورت رکھتے تھے مگر یہ دستور اور رواج اسی حد تک جائز رکھے گئے جہاں تک وہ سرکاری پالیسی کے مطابق اور انسانیت کے بنیادی اصولوں کے مزاحم نہ تھے۔ دوم ملک اور اس کی پولیس کے جوڈیشل اور مالی انتظام کے لئے انگریزی سیدھے سادے قوانین۔ آئین اور دستور العمل جو کہ پرانے صوبجات کے مروجہ قوانین میں سے اخذ کئے گئے تھے ان تمام قوانین کی بنیادی تعمیر ہر صوبے کے مقامی دستوروں اور رواجوں پر رکھی جاتی تھی مگر ان کی بالائی تعمیر نہایت غور و فکر کے ساتھ ان نمونوں کے مطابق کی جاتی تھی جو ہندوستان کے انگریزی علاقوں میں رائج تھے۔ ٭

ان صوبوں کے نظم و نسق کے متعلق جو عرصے تک غیر آئینی صوبوں کے نام سے مشہور رہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کے ایسے ہی منصوبے تھے۔ اس انتظام کی مثالیں لارڈ ڈلہاؤزی کے زمانے سے قبل چھوٹے پیمانے پر موجود تھیں مگر نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لارڈ ڈلہاؤزی کے زمانے میں یہ طریقۂ عمل مکمل طور پر رائج ہو گیا تھا۔ بلکہ اس کا اجرا اور تکمیل اس کے بعد کے زمانے میں ہوئی۔ یہ بات بلاشبہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اودھ کا صوبہ اس کے عہد حکومت کے آخری ہفتوں میں سلطنت میں شامل کیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات بیان کر دینی بھی قرین انصاف ہے کہ ہندوستان کا "غیر آئینی" انتظام لارڈ ڈلہاؤزی کا ساختہ و پرداختہ تھا جس کو اس کے تیز اور دور بین دماغ نے اپنے مفتوحہ اور ملحق کردہ ممالک کے لئے مرتب کیا تھا۔ ٭

اس انتظام کے ماتحت اہل ہند کو اپنے معاملات زندگی میں سابقہ امور کے مقابلے میں اس وقت تک کوئی قابل احساس تغیر نہیں محسوس ہوا اور تفتیش کسی کو ہمارے افسران مال سے سابقہ نہیں پڑا یا وہ ہماری عدالتوں میں کبھی نہیں آیا۔ وراثت کے رواجوں میں یا اپنے خانگی معاملات میں وہ کوئی تبدیلی نہیں پاتا تھا۔ تجارت کے قواعد

معاہدات اور کاروباری معاملات کے پرانے طریقے بالکل سابقہ حالت میں تھے۔ اُس کے مذہبی اعتقاد بلکہ مذہبی تعصبات تک کا اُس وقت تک کامل احترام کیا جاتا تھا جب تک کہ اُس کے دیگر ہمعصر مذاہب کے پیرووں کے امن میں نقص واقع نہ ہو۔ لیکن اگر اُس سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو اُس کا سابقہ پہلے سے زیادہ سخت عدالتی ضوابط سے پڑتا تھا اور بجائے ہاتھ یا پیر کاٹ ڈالنے کے اُس پر جرمانہ ہوتا تھا۔ یا سزائے قید۔ جرائم پیشہ اقوام کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ برطانوی حکومت میں اُن کا وقت پہلے سے بھی زیادہ سختی سے کٹے گا۔ اور ان میں سے بکثرت لوگ با امن مشقت کے ذریعے گزر اوقات کرنے لگ گئے جس میں ان کی امداد برطانوی حکومت نے معمولی کرائے پر زمین دیکر کی۔

دیوانی عدالتوں کے ذریعے مفتوحہ ممالک کی آبادی زیادہ منصف مزاج اور راستی پسند ججوں کی موجودگی کے ساتھ ساتھ ایک ایسے قانون سے بھی فائدہ اُٹھا رہی تھی جو عموماً اُن کے اپنے قدیمی دیسی معیار نیک و بد کے مطابق انصاف کرتا تھا۔ یہ قانون اُس قانون سے قدرے زیادہ درست اور مؤثر تھا جس کے وہ عادی تھے لیکن ابتداءً یہ فرق نہایت ہی خفیف تھا۔ اُس عدالتی (جوڈیشل) قانون میں جس کے ماتحت انھوں نے نشو و نما پائی تھی اور اُس نئے قانون میں صرف اتنا فرق تھا کہ کوئی انگریز جج انصاف کرنے میں اُسی قدر دلچسپی کا اظہار کرتا تھا جس قدر کہ خود کوئی دادخواہ انصاف کا طالب ہو۔ انگریزی افسران مال کے ساتھ معاملہ پڑنے کی صورت میں زمینداروں پر سے پرانے غیر معین۔ بے قاعدہ اور وقت بے وقت محصولوں کے اجرا اور اُن کے ساتھ محصول وصول کنندوں کے لالچ یا زیادہ ستانی کے باعث محصول میں کمی یا بیشی ایک مقررہ لیکن مناسب رقم میں تبدیل ہو گئی تھی اور وہ جانتے تھے کہ یہ رقم ایک معین تاریخ پر ادا کرنی ہو گی۔

نہایت اعلیٰ پولیٹیکل نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو لارڈ ڈلہاؤزی کے انتظام میں خاص بات یہ تھی کہ یہ نئے صوبجات گورنر جنرل باجلاس کونسل کی براہ راست نگرانی میں تھے۔ کسی گورنر یا لفٹنٹ گورنر کی ماتحتی میں کوئی نیم خود مختار مقامی حکومت نہیں قائم کی گئی تھی۔ پنجاب کے معاملے میں بھی جہاں لارڈ ڈلہاؤزی نے

خاص وجوہات کے باعث ایک بورڈ مقرر کر دیا تھا ہر ایک ضروری معاملے میں حکومت ہند نے براہ راست اپنی نگرانی کو قائم رکھا تھا اور سوائے اُس خاص اور عارضی انتظام کے مقام انتظام کا صدر چیف کمشنر یا کمشنر ہوتا تھا جس کو گورنر جنرل باجلاس کونسل کی طرف سے احکام موصول ہوا کرتے تھے۔

انتظام کے عملی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو اس انتظام میں خاص بات یہ تھی کہ عدالتی اور انتظامی مالی اور پولیس کے متعلق تمام اختیارات مجموعی طور پر حاکم ضلع کے ہاتھ میں تھے۔ دیگر پرانے صوبجات کے اضلاع میں عدالتی اور انتظامی محکموں کی جداگانہ حیثیت ۱۷۹۳ء سے بھی پیشتر سے برابر چلی آتی تھی۔ ڈسٹرکٹ جج کا فرض یہ تھا کہ اپنے علاقے میں عدل و انصاف کا انتظام کرے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے فرائض کم و بیش جرائم کی تحقیق و تفتیش۔ کم درجے کے سنگین جرائم کے مقدمات کی سماعت۔ پولیس۔ مالگزاری کی وصولی اور ضلع کی حکومت اور عام انتظام کے کاموں تک محدود تھے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کے انتظام کے تحت میں تمام انتظامی فرائض جوڈیشل۔ مالگزاری اور پولیس صرف ایک افسر یعنی ڈپٹی کمشنر کے ہاتھ میں بہ حیثیت افسر ضلع کے جمع کر دیئے تھے اور اُس کے ماتحت ہاتھ بٹانے کے لئے نائب مقرر تھے۔

زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس غیر آئین انتظام کی دونوں اہم صورتوں میں تغیر ہوئے ہیں۔ ملک میں انتظام کے قیام اور امن کے استحکام کے ساتھ زیادہ واضح قوانین کی ضرورت ہونے پر صوبے کے لئے چیف کمشنر کی بجائے لفٹنٹ گورنر مع ایک وسیع الاختیار حکومت کے مقرر کیا جانے لگا۔[1] اس طرح اب پنجاب میں ایک علیحدہ لفٹنٹ گورنری قائم ہو گئی ہے۔ اودھ کو شمال مغربی اضلاع کے ساتھ شامل کر کے ایک لفٹنٹ گورنر کے ماتحت کر دیا گیا ہے اور (اپر اور لوئر) برما کے لئے ایک لفٹنٹ گورنر کا تقرر آج کل ہندوستان کی تجاویز میں شامل ہے۔ اس طرح جب لوگوں کی خوشحالی بڑھتی گئی اور صنعت و تجارت میں ترقی کے باعث

[1] "لائف آف لارڈ لارنس" مصنفۂ بوسورتھ سمتھ جلد اول صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ ۱۸۸۵ء۔

قانونی مسائل زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے تو لارڈ ڈلہاؤزی کے غیر آئین صوبجات میں ڈپٹی کمشنر کے عدالتی اور انتظامی اختیارات میں رفتہ رفتہ علیحدگی واقع ہونے لگی ۔ فرائض کی یہ تقسیم اگرچہ اب موجودہ سوسائٹی کی پیچیدہ تر حالت کے لحاظ سے ضروری اور سودمند ہوگئی ہے مگر اُس وقت تو مفتوحہ صوبجات میں منتظمین کے ہاتھ اس کی وجہ سے کمزور پڑ جاتے ۔ نصف صدی کا عرصہ ہوا کہ ستلج کے دورے کی ریاستوں کے لئے مسٹر جون لارنس کمشنر نے تحریر کیا کہ "میں یہاں کسی سشن جج کو نہیں چاہتا" ان ریاستوں میں سے بنائے ہوئے اضلاع میں اب جوڈیشل کارروائیاں سول اور سشن ججوں کے ذریعے اُسی قدر باقاعدگی اور درستی کے ساتھ انجام پاتی ہیں جس قدر کہ بنگال یا مدراس کے سب سے پرانے برطانوی صوبجات میں ۔ غیر آئین انتظام جو لارڈ ڈلہاؤزی کے اعلیٰ دماغ سے اختراع کیا تھا وہ اُن کو برطانوی حکومت کا مطیع کرنے میں نہ صرف پوری طرح موثر تھا بلکہ اُس میں یہ خصوصیت بھی ثابت ہوئی کہ برطانوی حکومت کے ماتحت خوشحالی اور آبادی میں ترقی کے باعث نئی پیدا ہونے والی ضرورتوں کے مناسب حال بھی ہوتا گیا ۔

باب ہشتم

ریلیں - تجارت - تار برقی - اُمور عامہ

اب تک میں نے لارڈ ڈلہاؤزی کے عہدِ حکومت کی ملکی اور سیاسی حالت کے لحاظ سے بحث کی ہے کیونکہ یہی وہ صورت تھی جس کو اُس کے زمانے کی پبلک کی رائے کے مطابق اور نیز موجودہ تاریخ میں اُس کے عہدِ حکومت کا نہایت نمایاں رُخ کہا گیا ہے۔ لیکن میں آغاز ہی میں اشارۃً یہ کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان میں لارڈ ڈلہاؤزی کا کام نہ صرف فتوحات حاصل کرنا بلکہ اُس کے ساتھ نظم و نسق کا استحکام بھی تھا۔ ہندوستان کے برطانوی علاقے کو اُس نے نہ صرف ایک ثلث اور نصف کے درمیان توسیع دی بلکہ اُن کو باہم دگر پیوستہ کرنے کے لئے بھی ایک ترکیب نکالی۔ اور اپنے اور پرانے صوبجات کو بذریعہ آہنی بندوں کے باہم ملا دیا۔ ہندوستان کی ریلوں اور تار برقی کے حق میں لارڈ ڈلہاؤزی کا نام اگر بطور باپ کے استعمال کیا جائے تو بالکل بجا ہے۔

جب اُس نے صاف طور پر یہ معلوم کرلیا کہ سیاسی لحاظ سے افواج کی جو اعلیٰ درجے کی اُس نے تقسیم کی ہے وہ صرف آدھورا ہی کام ہے تو اُس نے اپنے جدید ہندوستان کی مدافعت کے لئے اندرونی آمد و رفت کا ایک بالکل نیا طریقہ جاری کیا۔ ہندوستان کے لئے ریلوں کی تجویز سر میکڈونلڈ سٹیفن سن اور دیگر اشخاص نے سنہ ۱۸۴۱-۴۳ء میں کی تھی یہ امر لارڈ ڈلہاؤزی ہی کے لئے محفوظ کیا گیا تھا کہ اُن اُمور پر جو بظاہر ناقابلِ حل مشکلات معلوم ہوتے تھے غالب آئے اور کام کو جاری کرے۔ الحاق پنجاب کے دوسرے سال یعنی سنہ ۱۸۵۰ء میں ہی ابتدائی مشکلات کا حل شروع ہو گیا۔

سنہ ۱۸۵۳ء میں یعنے جس سال اُس نے بنگال کے توپخانے کے ہیڈ کوارٹرز کو

کلکتے کے نواح سے ہٹا کر ایک ہزار میل اندر کی جانب میرٹھ میں مقرر کیا تھا اُسی سال لارڈ ڈلہاؤزی نے ریلوے کے متعلق اپنی عظیم الشان یادداشت تحریر کی۔ یہ اسکیم انسانی دماغ کی تیز فہمی اور دور اندیشی کا بہترین نمونہ اور آج تک ہندوستان کی تمام ریلوے سسٹم کی بنیاد ہے۔ سترہ سال بعد جب لارڈ میو نے ریلوے لائن میں اضافہ کیا اور بیج کے سلسلے کو پورا کرنے کا ارادہ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی بخوبی جتا دیا کہ اس وقت تک بھی اس کی تجاویز اسی بنیاد پر قائم کی گئی تھیں جو اُس کے نامور پیشرو نے ڈالی تھی۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے کام کو اس قدر زور شور سے جاری کیا تھا کہ گریٹ انڈین پینن شلر ریلوے کا انتہائی حصہ ۱۸۵۳ء میں تھانے تک کھُل چکا تھا اور ۱۸۵۶ء کے اختتام سے پیشتر ہزاروں میل میں تعمیر یا پیمائش کا کام ہو رہا تھا۔ ۵۷-۱۸۵۶ء کے سرکاری سال میں ریلوے لائنوں پر تقریباً ۲۰ لاکھ مسافر سفر کر چکے تھے اور اب وہ سالانہ دس کروڑ سے زائد مسافروں کو لاتی لے جاتی ہیں۔ یہ ریلوے سلسلہ جس کی لارڈ ڈلہاؤزی نے بنیاد رکھی اور جس کو اُس کے جانشینوں نے ترقی دی تھی ۱۸۹۲ء میں ۱۷۶۸۰ میل تک پھیل چکا تھا۔ ریلوں کے اجرا کے موقع سے فائدہ اُٹھا کر لارڈ ڈلہاؤزی نے ملک کو عام اشخاص کی جد وجہد اور انگریزی سرمایہ داروں کے لیے اس درجہ عام کر دیا کہ اُس کی نظیر نہیں مل سکتی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عملی طور پر ہندوستان کی صنعت وحرفت کا ایک نیا زمانہ شروع ہو گیا۔ ریلوں کو خالص سرکاری ملکیت بنانے کی بجائے اُن کو ایک قسم کی سرکاری ضمانت پر عوام کی کمپنیوں کے حوالے کر دیا۔ ہندوستان میں اُس نے نہایت غور وفکر کے بعد محض اس مقصد کے لیے یہ کام کیا تھا کہ عوام کی اُس جد وجہد کرنے والی روح کو جس نے انگلستان میں زبردست کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں بیدار کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ اُس نے مجلس نظماء کو تحریر کیا تھا کہ "اس ملک (ہندوستان) کی خوشحالی میں ترقی کے لیے سب سے بڑا سدراہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگ ہر امر میں حکومت پر کامل انحصار رکھتے ہیں اور بلا ہر اپنے لیے خود کچھ کرنے کے ناقابل ہیں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اس ملک میں باقاعدہ

رسل و رسائل صرف گورنمنٹ کے ذریعے سے ہوتے تھے اور کوئی شخص بغیر سرکاری کام کے یا بغیر سرکاری عمال کی اجازت کے سفر نہ کر سکتا تھا۔ ابھی حال ہی کا ذکر ہے کہ بندرگاہ مولمین میں جہاں بہ کثرت یورپین لوگ آباد ہیں لائڈ کمپنی کے ایجنٹ نے اس بات کی باقاعدہ شکایت کی کہ حکومت ہند نے اُن کے لئے اُن کے جہازوں کو سمندر تک کھینچکر لے جانے کے لئے اسٹیم سے کام کرنے والی کوئی مشین نہیں رکھی ہے ہر دیگر معاملے کی صورت حال یہی ہے میرا التماس یہ ہے کہ جس قدر وقت اور روپیہ مجلس اعلیٰ ایسے (ریلوے کے) کاموں سے بچا سکے اُس کو اس زمانے میں کثیر سرمایہ اور جد و جہد کے حصول کی کوشش میں صرف کرنا بہتر ہو گا تاکہ ریلوں کی ان تجاویز کے اُن کامیاب نتائج کے ذریعے جن کی مجھ کو توقع ہے ہندوستان کی پیداوار اور تجارت کے لئے اسی طرح کے اور سرمائے اور جاں فشانیوں کے لئے انگریزوں کو ہمت دلائی جا سکے"۔

یہ تھیں لارڈ ڈلہاؤزی کی بلند خیالیاں۔ اُس کا ارادہ صرف یہی نہ تھا کہ اپنے نو مفتوحہ ہندوستانی علاقوں کو ریلوں کے ذریعے مستحکم اور سلطنت کے ہر حصے میں اپنی فوجوں کی جارحانہ قوت کو خوب اچھی طرح بڑھائے بلکہ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ ہندوستان میں برطانوی سرمائے اور پرائیوٹ (غیر سرکاری) انگریزی قوم کے لوگوں کی جانفشانیوں کو فراہم کرنے کے لئے ایسا لالچ دلائے جو کسی سابقہ گورنر جنرل کے خیال میں بھی نہ گزرا ہو۔ جس حد تک اس امر میں اُس کو کامیابی ہوئی اُسکی بابت پیشین گوئی کرنے کی خود اُس کو بھی جرأت نہ ہوتی باوجودیکہ وہ نہایت عاقبت بین تھا۔ ۱۸۷۹ء میں لارڈ ڈلہاؤزی کے تجویز کردہ اور جاری کیئے ہوئے طریقۂ ضمانت پر ۹ کروڑ ۸۰ لاکھ پونڈ سے زیادہ سرمایہ شخصی سرمایہ داروں کی کوشش و تندہی سے ہندوستانی ریلوں کی تعمیر کے لئے حکومت کی ذمہ داری کی بنا پر کھنچکر آ گیا تھا۔

ان تمام انتظامات کے وقت لارڈ ڈلہاؤزی کی تیز نگاہ شروع ہی سے اپنی ریلوے لائنوں کی تجارتی کیفیت کی طرف لگی ہوئی تھی۔ ریلوں کے متعلق اپنی مبصرانہ یادداشت میں اُس نے تحریر کیا تھا کہ "ہندوستان کو جو تجارتی اور معاشرتی فوائد اُن کے قائم ہونے سے حاصل ہوں گے مجھے کامل یقین ہے کہ وہ تمام موجودہ

توقعات سے بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔ نہایت وسیع قطعات ایسی پیداوار سے معمور ہیں جن کو وہ فروخت نہیں کر سکتے اور ایسے بھی علاقے ہیں جن کی پیداوار قلت کے ساتھ نکلتی ہے۔ تاہم جہاں اُس کی ضرورت ہے اگر وہاں پہنچانے کا انتظام ہو جائے تو وہ افراط کے ساتھ لے جائی جا سکتی ہے۔ انگلستان میں اُس روئی کے لئے چیخ پکار ہو رہی ہے جو فی الحال ہندوستان میں خاصی مقدار میں پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر دور دراز میدانوں سے چند مقررہ بندرگاہوں تک لے جانے کے لئے مناسب ذرائع فراہم ہو جائیں تو روئی کی پیداوار بلحاظ خاصیت خاصی اچھی اور بمقدار کثیر ہونے لگے گی۔ اور ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔ کہ تجارت میں آسانی پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ ہی ہندوستان کے بعید ترین مقامات میں یورپ کے مال و اسباب تجارت کی مانگ برابر بڑھتی جاتی ہے۔ اور ان اشیاء کی مقدار اور قیمت ابھی ہم کو معلوم ہونی باقی ہے جن کا تبادلہ ہماری موجودہ سرحد سے ورے رہنے والوں سے کیا جا سکتا ہے اور جو سال کے سال نہایت سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ دنیا کے ہر حصے سے جہاز اُس پیداوار کے لیئے ہمارے بندرگاہوں میں آ کر جمع ہوتے ہیں جو ہمارے پاس موجود ہو یا جو ہم اندرون ملک سے لا سکیں۔ لیکن فی الحال ہمیں اُنکو لا کر ان جہازوں کو مہیا کرنے میں فائدہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے اس حصے میں نئی منڈیاں ہمارے لیئے ایسے حالات کے تحت میں کھل رہی ہیں جن کی قدر و قیمت اور آئندہ وسعت کا اندازہ کرتے دقت نہایت دور بین عقل بھی بیکار ہوتی ہے۔" ؎

ہندوستان کی تجارت پر سابقہ رکاوٹوں اور پابندیوں کو ہٹا کر لارڈ ڈلہاؤزی نے ریلوں کے تجارتی امکانات کو اور زیادہ کر دیا تھا۔ سر ایڈون آرنلڈ نے اُن تمام کارروائیوں کو ایک پُر معنی اور مختصر حاشیئے کی صورت میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ "ہندوستان کے تمام بندرگاہ آزاد کر دیئے گئے" اگرچہ ان الفاظ کا موجودہ مفہوم پر اطلاق نہ بھی ہو سکے تب بھی اس بیان سے ہم کو یہ ضرور سمجھنا پڑیگا کہ عملی نتائج کے لحاظ سے ہندوستان کی تمام ساحلی تجارت کے حقوق آزاد ہو گئے تھے ؎

لارڈ ڈلہاؤزی نے اپنی تجارتی اصلاحات کو تمام مشرقی برطانوی ممالک تک وسعت دی تھی جن میں اسٹریٹس (آبنائے) کے پرانے تکلیف دہ قوانین محاصل کی

اصلاحات و انتظام اور عدن کے بندرگاہ کی آزادی کا اعلان بھی شامل تھا۔ اُس نے ہندوستان کے ساحلوں کو نہ صرف تمام دنیا کے لئے کھول دیا تھا بلکہ روشنی کے میناروں۔ سمندری پیمائش اور بندرگاہوں میں قیام کے بہتر مقامات تعمیر کر کے اُن ساحلوں تک آنے کے لئے آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔ ملاحوں کی حالت کی بہتری اور درستی کیلئے مرچنٹ سروس ایکٹس پاس کئے گئے تھے۔ روئی میں میل کر دینے کے پرانے عیب کو جو اس تجارت میں بالعموم مروج تھا مٹانے کی کوشش کی گئی۔ دریائے ہگلی کے مقام کے بدلے جانے کے متعلق جو اُس وقت خطرہ تھا اُس سے کلکتے کو محفوظ رکھنے کے لئے دریائے متلا کے دہانے پر ایک اور بندرگاہ کی تعمیر کی تجویز کی گئی۔ ؎

اس طرح سے لارڈ ڈلہاؤزی نے ہندوستان کی تجارت کو جس قدر زبردست تقویت دی تھی اُس کا اندازہ مندرجۂ ذیل حساب سے ہو سکتا ہے۔ اُس کی ۸ سالہ حکومت میں روئی کی برآمد دوگنی سے زیادہ یعنی ۵۰۰۰۰ ۱۵ لاکھ سے قریباً ۲۳۴۰۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ غلّے کی برآمد تگنی سے زائد یعنی ۱۸۴۸ء میں ۸۹۰۰۰ پونڈ سے ۱۸۵۶ء میں ۲۹۰۰۰۰۰ پونڈ تک جا پہنچی۔ اندرونی ذرائع آمد و رفت میں ترقی اور بندرگاہوں کے کھل جانے کے باعث نہ صرف قدیمی اشیاء کی تجارت برآمد میں بے حد ترقی ہوئی بلکہ نئی نئی تجارتی اشیاء بکثرت منڈی میں آنے لگیں ۱۸۴۸ء میں کل ایک کروڑ چونتیس لاکھ کی مالیت کی تجارتی اشیاء کی برآمد ۱۸۵۶ء میں ۲ کروڑ تیس لاکھ سے زائد ہو گئی تھی ؎

ان حسابات سے کاشتکاری میں جو وسیع پیمانے پر ترقی معلوم ہوتی ہے اُس کے باعث ہندوستانیوں کو انگلستان کی مصنوعات کو ایسی کثیر تعداد میں منگانے کا موقع ملا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ہندوستان میں سوتی کپڑے اور سوت کی درآمد جو ۱۸۴۸ء میں ۳۰ لاکھ کی تھی ۱۸۵۶ء میں ۶۳ لاکھ ۴۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ اشیاء تجارتی اور نقد زر و مال کی درآمد ۸ سال کے اندر ایک کروڑ ۵ لاکھ سے بڑھ کر دو کروڑ ۵۰ لاکھ ہو گئی ؎

لارڈ ڈلہاؤزی کی تجارتی پالیسی کے نتائج کے متعلق پارلیمنٹ کے

نقشہ جات خود اس قدر واضح ہیں کہ میرا اُن کی تشریح کرنا اُس تمام حساب کی خوبیوں میں اُلٹا نقص ڈال دیگا ۔

مگر یہ اُولو العزم نائب السلطنت (پرو کونسل) ہندوستان کی سلطنت کو صرف آہنی لائن کے ذریعے باہم پیوستہ کرنے پر قانع نہیں رہا بلکہ اُس نے ہندوستان کو مستحکم بنانے کے لیئے دو اور زبردست آلات یعنی تار برقی اور نصف پینی کی ڈاک کے سلسلے کو جاری کیا۔ ہندوستان کے لیئے ڈاکخانے کی جو عام ارزاں شرح اُس نے مقرر کی تھی اُس کا ذکر آئندہ باب میں کیا جائیگا۔ ایشیائی خیال کے مطابق تار برقی کا جاری کرنا گویا جنون کا خواب دیکھنا تھا اور اہل یورپ کے نزدیک ہندوستان میں اس کا جاری کرنا عملی طور پر تقریباً ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ اُن مشکلات کو سمجھنے کے لیئے جو لارڈ ڈلہاؤزی کو پیش آئیں یا جن کو اُس نے حل کیا ہم کو اُس زمانے کے تحریر شدہ حالات دیکھنے چاہئیں جس میں حافظے کی سطح پر اُن مشکلات کا خیال تازہ تھا ۔

لارڈ ڈلہاؤزی کے تار برقی بنانے والے مشاق انجنیر نہ تھے بلکہ وہ ایسے لوگ تھے جو اُس کے ہاتھ آسانی سے لگ سکتے تھے اور کلکتے کا ایک ڈاکٹر اُن کا افسر اعلیٰ تھا۔ ۲۵ سال کا عرصہ ہوا جب سر ایڈون آرنلڈ نے یہ تحریر کیا تھا کہ "اپنی کارگزاریوں اور تجربات کے لیئے اُس کے آگے ایک ایسا وسیع میدان تھا جس کے برقی طوفانوں اور انتشار کا یورپ میں نام و نشان نہیں ہے۔ زمین کی برقی حالت کبھی ایک حالت پر ہو جاتی تھی کبھی دوسری پر آندھیاں اس قسم کی چلتی تھیں جو برمنگھم سے لندن تک کے سلسلۂ تار برقی کو ایک ہی رات میں سرنگوں کردیں۔ لکڑی اور لوہے کی قلت تھی اور مشاق کاریگر ناپید تھے۔ ابتدائی مصالحے اور اوزار مفقود تھے۔ اور سب سے زیادہ مصیبت کی چیز دیمک تھی۔ اس اصول پر کہ دشواریوں کی اُن کے انتہائی درجے کے لحاظ سے جانچ پڑتال کرنی چاہیئے اُس نے ابتدائی تجربوں کے لیئے جس مقام کو منتخب کیا تھا وہ جون سے دسمبر تک جھیل کی حالت میں اور دسمبر سے جون تک شگافتہ مٹی کے جنگل کی صورت میں رہتا تھا۔ اُس کے کھمبے ایسے جنگل میں

گزرنے والے تھے جہاں وحشی جانور اُن کو اپنے جسم کی خارش مٹانے کا آلہ سمجھتے تھے اور جنگلی باشندے ایندھن کے کام میں لانے اور جھونپڑیوں کے لیئے کڑیاں بنانے کے لیئے اُن کو چرا لے جاتے تھے۔ اپنی محققانہ عادت سے مجبور بندر تمام محنت کو برباد کر دیتے تھے۔ کبھی وہ تار کو کھینچ کر اُس کی طرح طرح کی شکلیں بناتے تھے اور کبھی اپنی بے موقع لٹکتی ہوئی دم کو اُس تار سے اُٹھا کر اُس تار پر دے مارتے تھے کوّے، چیلیں۔ اور راہ گیر پرندے ایسی کثیر تعداد میں اکٹھے ہو ہو کر ان تاروں پر بسیرا کرتے تھے کہ وہ لٹک کر زمین سے آلگتے تھے۔ اگرچہ دو ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کسی گیلے تار پر برقی رو نے اپنا اثر کر کے اُن پردار دخل در معقولات کرنے والوں کی لاشوں کو درجنوں کی تعداد میں زمین پر پھیلا دیا۔ دیمک کھمبوں کو کھا کھا کر اُن میں مکان بناتی تھی اور خارپشت اور گھونسیں اُن کی جڑوں میں اپنے بل کھودتی تھیں"۔

ہندوستان کے طوفانوں کے باعث جو نہایت عظیم برقی خرابیاں واقع ہوئیں اُن کے باعث کچھ عرصے تک کامیابی ناممکن معلوم ہوتی رہی۔ سر ولیم اوشاگ نیسے کی تحریر ہے کہ "ہر ہر قدم پر مجھے کبھی پیچ۔ کبھی لیور (ڈھیکلی)۔ کبھی چول۔ تار کا فٹ۔ فریم ورک اور ڈائل کو نکال دینا پڑتا تھا جس کے بغیر کام چلانا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ یکے بعد دیگرے میں نے انگلستان کی ورٹیکل اسٹیٹک نیڈل (متحرک سوئی) امریکن ڈوٹر اور خود اپنے ایجاد کردہ کئی طریقوں کا تجربہ کیا اور چھوڑ دیا۔ ہر ایک طوفان اور گرج کے موقع پر ایسٹیٹک نیڈلیں بے کار ہو جاتی تھیں" اس کے بعد وہ تحریر کرتا ہے کہ آخر وہ کس طرح ان تمام مشکلات پر غالب آیا اور کس طرح ہندوستانی طوفان اور آسمانی گولہ باری کو قابو میں کیا گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ مساوی روز و شب کے ایک موسم میں ایک سخت شمال مغربی طوفان کے وقت بجلی تار پر گری اور آلۂ تاربرقی کو عبور کر کے اُس کے تاروں کو سرخ کر دیا۔ پھر ان کے سروں کو پگھلا کر گول دانوں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ دو سنٹ کے اندر اندر چارلس ٹوڈ سگنیلر نے جو اُس وقت ڈیوٹی پر تھا گیر (Gear) میں ایک اور کوائل (Coil) تار ڈالکر بذریعہ تار کلکتے کو (جو ۱۵۰ میل کے فاصلے پر تھا) اس واقعے کی اطلاع دی جو اُس کے دفتر میں پیش آیا تھا"[۳]

لارڈ ڈلہاؤزی کے اُن خود ساختہ برقی ماہرین کی قابل تعریف جانفشانیوں سے حیرت انگیز نتائج برآمد ہونے والے تھے ۱۸۵۷ء کے غدر میں ریلیں اور تار انگریزوں کو ہزاروں آدمیوں کے برابر کام دیتے تھے اور اب صرف ریلوں اور تار کے باعث ہندوستان پر انگریزوں کا سیاسی قبضہ قائم ہے۔ لارڈ کلائیڈ کی تیز رو مہمات میں ہر قدم پر تار برقی کا تار چلا جاتا تھا۔ کلکتے سے جو ہزار میل کے فاصلے پر تھا اسی تار کے ذریعے تازہ ترین خبریں اُس کے ناشتے کے خیمے میں اُس وقت تک پہنچ جاتی تھیں کہ وہ اپنی صبح کی کوچ سے فارغ ہو کر غسل کرتا تھا اور اُسی ذریعے سے دن بھر کی لڑائی یا حملے کی کیفیت گورنر جنرل کو کلکتے میں مل جاتی تھی۔ جب ایک باغی کو قتل کرنے کے لیے لیے جا رہے تھے تو اُس نے تار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہی منحوس رسی ہے جو ہم کو پھانسی دیتی ہے" ؂

ہندوستان میں تار برقی نہ صرف انگریزوں کی فوجی پالیسی کی جڑ ہے بلکہ ہندوستان کی موجودہ تجارتی سلسلے کی بنیاد بھی اسی پر قائم ہے۔ ایسے وسیع ملک میں بلاشبہ یہ سمجھنا نہایت مشکل ہے کہ تہذیب یافتہ حکومت یا ترقی یافتہ تجارت کی کارروائیوں کو اس کے بغیر کیونکر انجام تک پہنچایا جا سکتا تھا۔ ہر روز صبح کو ہندوستان کے بڑے بڑے تاجر اپنا کام اُن ہدایات کو پڑھنے کے بعد شروع کرتے ہیں جو لندن سے اُن کے اطلاع دہندے شب گزشتہ کو سائفر (تار کے پوشیدہ یا مقررہ اشارات) میں لکھ کر روانہ کر چکے ہیں۔ اگرچہ کلکتہ اور بمبئی ہندوستان کے دو مختلف ساحلوں پر اور ریل کے راستے ایک دوسرے سے ۱۴۰۹ میل کے فاصلے پر ہیں مگر بذریعۂ تار برقی کے چند منٹ میں گفتگو کر سکتے ہیں اور دن بھر اپنے کاروبار کو اسی کے ذریعے طے کرتے رہتے ہیں۔ اِس وقت تار برقی ہندوستان میں ایک لاکھ ۴۲ ہزار میل میں پھیلی ہوئی ہے اور سال بھر کے اندر اُس کے ذریعے چالیس لاکھ سے زیادہ پیغام آتے جاتے ہیں (۱۸۹۳ء) ؂

ہندوستان میں ریلوے اور تار کو جاری کرنے کی خاطر لارڈ ڈلہاؤزی کو تمام پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کو از سرِ نو ترتیب دینا پڑا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

اپنے موجودہ مفہوم کے لحاظ سے اُس کے زمانے میں کسی ایسے محکمے کا وجود بھی نہ تھا۔ سترہ سال کے عرصے سے سول اور فوجی عمارات کے تمام کاموں کے علاوہ امور عامہ کے لیئے اوسطاً ۱۹۹۰۱ پونڈ کی قلیل سالانہ رقم ایک ملٹری بورڈ کے غیر منتظم ہاتھوں میں خرچ ہوتی تھی۔ اس رقم میں سے ایک بڑا حصہ مرمت کے کاموں کے لیئے تھا اور ایک تخمینہ حساب کی روسے[1] "لارڈ ڈلہاؤزی کے زمانے سے پیشتر پبلک ورکس کا اوسط خرچ (بعد منہائی) ۹۰۰۰ پونڈ یا تمام پبلک مالگزاری کا نصف فی صدی تھا" نہایت[2] معتبر سرکاری بیان کی روسے ۱۸۵۰ء تک بھی سوائے فوجی اور سول عمارات کے ہندوستان کے تمام دیگر کاموں کے لیئے اوسطاً سالانہ خرچ بہ مشکل ۲۵۰۰۰ پونڈ سے آگے بڑھا تھا۔ پارلیمنٹ کے مسابات کی روسے لارڈ ڈلہاؤزی کے آنے سے ایک سال پیشتر ۱۸۴۷ء میں ہر قسم کے تمام اُمور عامہ کا خرچ صرف ۲۶۰۰۰ پونڈ تھا[3]۔

اپنے عہد حکومت کے ۸ سال میں لارڈ ڈلہاؤزی نے اس ناقص فوجی بورڈ کو منسوخ کر کے وسیع پیمانے پر پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ جاری کیا اور ۱۸۵۶ء میں پبلک ورکس کا خرچ ۲۵ لاکھ پونڈ تک بڑھا دیا۔ پنجاب کے لیئے اُس نے سڑکیں۔ نہریں۔ عدالتیں۔ جیلخانے۔ خزانے بلکہ مہذب حکومتوں کی ہر ایک ضرورت کو مہیا کر دیا۔ کوئی صوبہ اُس کی توجہ سے نہیں بچا۔ ہندوستان کے تمام راستے مع اپنی مضبوط ساخت کے پلوں اور پکی گولے کی سڑکوں کے اپنی حالت کی بہتری کے لحاظ سے اُس کی یادگار ہیں۔ لارڈ ڈلہاؤزی انتظامات

---

[1] کتاب موسومہ "مارکوئس اوف ڈلہاؤزی کا عہد حکومت" مصنفہ سر ایڈون آرنلڈ۔ جلد دوم صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ ۱۸۶۵ء۔

[2] کتاب موسومہ "ہندوستان کے محکمہ جات مال و اُمور عامہ" مصنفہ سر جان سٹریچے۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی و لفٹنٹ جنرل رچرڈ سٹریچے۔ آر۔ ای۔ ایف آر۔ ایس۔ صفحہ ۸ مطبوعہ ۱۸۸۲ء۔

[3] دیکھو صفحہ ۱۰۳ (انگریزی)۔

آبپاشی میں شمال میں نہر باری دوآب کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔ میرے پاس اتنا کافی وقت نہیں ہے کہ میں اُس کے کل رفاہ عام کے کاموں کی گنتی بھی گنوا سکوں۔ صرف دریائے گوداوری کے کام ہی اُس کے عہد حکومت کی شاندار یادگار کے لیے کافی ہیں ؛

ان تمام اور رفاہ عام کے دیگر بڑے بڑے کاموں کو تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے لارڈ ڈلہاؤزی نے نہ صرف حکومت کا ایک نیا محکمہ ہی قائم کیا بلکہ سرکاری ملازمت کے لیئے اُس نے ایک نئی شاخ کھول دی۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ تعمیرات کے کام کو سول انجنیر ہی خوب کر سکتے ہیں۔ اس لیئے اُس نے انگلستان کے قابل اور تربیت یافتہ انجنیروں کے لیئے ملازمت کی بنیاد ڈالی جن کی قابل قدر خدمات کا بلحاظ اپنی موجودہ ترقی کے ہندوستان کا ملک ممنون احسان ہے۔ اس کے ساتھ ہی تینوں پریسیڈنسیوں (صوبوں) میں انجنیری اسکول جاری کر کے اُس نے اس امر کی کوشش کی کہ ہندوستان کے اندر ہی اس فن کی خاص ملکی شاخ تیار ہو جائے ؛

باب یازدہم

نصف پینی کی ڈاک۔ تعلیم۔ مالیات

ڈاک کے ارزاں محصول کا بھی لارڈ ڈلہاؤزی ہی بانی ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہنے والا تھا کہ ہندوستان کے اس ترقی یافتہ ڈاکخانے کا بھی وہی موجد ہے۔ اُس کے ہمعصروں میں سے ایک شخص نے ہم کو اس کا یقین دلایا ہے کہ لارڈ ڈلہاؤزی کے ہندوستان میں وارد ہونے کے وقت بھی ڈاک کے انتظامات دو صدی پیشتر کے مسلمانوں کے عہد حکومت کے انتظامات سے بہتر نہ تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ لوگوں کو گزشتہ زمانے سے بھی زیادہ تکلیف تھی کیونکہ ہم نے نجی کے ذرائع خطوط رسانی کو قابل سزا قرار دیا تھا اور سرکاری ذرائع خطوط رسانی پر ایسی بھاری شرحیں عائد کر دی تھیں کہ دیسی آبادی کے ذرائع آمدنی ڈاکخانے کے اخراجات کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے تین قابل ملکی عہدہ داروں کی ایک کمیشن ڈاکخانے کے انتظامات کی تحقیق کے لئے مقرر کر دی۔ انھوں نے معلوم کیا کہ تمام محاصل پر ڈاکخانہ ایک بار گراں ہے عموماً مقامی ڈاکٹر یا کوئی برائے نام عہدہ دار پوسٹ ماسٹر بنا دیا جاتا تھا۔ ایک چٹھی کے ٹکٹوں کی قیمت کسی ہندوستانی دستکار کی تین یا چار دن کی مزدوری کے برابر ہوتی تھی۔ مفصلات کے ڈاکخانوں کے ماتحت عہدہ داروں کی بدکاریاں مشہور تھیں۔ چٹھیوں کو تقسیم کر دینا یا دیر لگا دینا اُن کی خوشی پر تھا۔ اور اپنی فیس وصول کئے بغیر وہ شاذونادر ہی کوئی چٹھی گنواروں میں تقسیم کرتے تھے۔

۱۸۵۳-۵۴ء میں لارڈ ڈلہاؤزی نے تمام پرانے نکمے نظام کو برطرف کر کے اُس کی بجائے ہندوستان کے ڈاکخانے کا موجودہ انتظام

قائم کیا۔ اُس نے نصف آنے کی شرح جو اب نصف پینی کے برابر ہے (اگرچہ اُس وقت تین فارذنگ کے مساوی تھی) تمام چٹھیوں کے لئے جو وزن میں نصف تولے سے زائد نہ ہوں تمام ہندوستان کے لئے عام طور پر جاری کردی۔ تمام وسیع ممالک ہند کے لئے یکساں وزن اور محصول مقرر کرنے کا خیال اس کے زمانے کا بکثرت محتاط عاملوں کی نگاہ میں سخت حماقت کا کام تھا۔ اُن کے بیان کے مطابق رولینڈہل نے انگلستان کے لئے ڈاک کی ایک پینی کے محصول کی جو شرح تجویز کی تھی اس کو اس طرح اور بھی زیادہ بدتر حد تک پہنچانا تھا۔ ان کے خیال میں اس اصلاح کو جو برطانیہ میں جاری ہو چکی تھی ہندوستان میں مروج کرنا بجائے توسیع کے ایک قسم کی احمقانہ تخفیف کرنا تھی یا اس سے زیادہ فضول خرچی یا بے انصافی کیا ہو گی کہ اُن دو چٹھیوں میں سے جن پر مساوی محصول ادا کیا گیا ہو ایک تو قریب ہی کے بازار میں تقسیم کی جائے اور دوسری ہندوستان کی دوسری طرف کی سرحد پر۔ لارڈ ڈلہاؤزی ان سب باتوں کو سنتا تھا اور اپنے کام کیئے جاتا تھا اور اُس کے کام سے مفصلۂ ذیل معقول نتائج برآمد ہوئے۔

بجائے اس کے کہ ہندوستانی خطوط پر فاصلے کے لحاظ سے مختلف محصول وصول کیئے جاتے وہ اب ہندوستان کے سارے طول و عرض میں بعض اوقات دو ہزار میل سے بھی زائد فاصلے پر نصف تولہ وزن کے لئے آدھ آنے کی یکساں شرح پر پہنچائے جاتے ہیں۔ بجائے اُس پرانے جھگڑے کے جو ادائگی محصول اور تقسیم کے وقت ہر ایک چٹھی پر ہوا کرتا تھا جس میں دیہات کا چٹھی رساں ہمیشہ کچھ نہ کچھ اپنے لئے بھی مکتوب الیہ سے جھپٹ لیا کرتا تھا۔ لارڈ ڈلہاوزی نے ڈاک کے ٹکٹوں کا نہایت سادہ طریقہ نکال دیا۔ بجائے اس کے کہ ڈاک خانہ ہمیشہ کے لئے سرکاری خزانے پر بار ہوتا لارڈ ڈلہاؤزی نے اس کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنا بوجھ آپ اُٹھا سکے اور جہاں تک اُس کا تعلق برطانوی ممالک ہند سے ہے یہ محکمہ گزشتہ چند سال سے ذریعہ آمدنی ہو گیا ہے مگر اُس کے معاشرتی نتائج

اُس کے انتظامی یا مالی نتائج سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوئے ہیں - اہلِ ہند کی پرسکون اور خاموش زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کے لیئے لارڈ ڈلہاؤزی کی نصف پینی کی ڈاک نے تو شاید اُس کی ریلوں اور تار برقیوں سے بڑھکر اور اُس کی تعلیم عامہ کی اُس عظیم الشان اسکیم کے مساوی کام کیا ہے جس کا میں آگے چلکر تذکرہ کرونگا ۔

ان نتائج سے اب ہم اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ اس بات کے سمجھنے کے لیئے کہ اُس زمانے میں وہ نتائج کس قدر محسوس ہوتے ہوں گے ہم کو اس امر کے متعلق ۷۰ سال سے پیشتر کے ہندوستان کے مقامی ادبیات کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے ۔ ۱۸۵۴ء میں کلکتہ ریویو نے تحریر کیا کہ "اگر لارڈ ڈلہاؤزی کوئی اور کام نہ کرتا تو بھی صرف ڈاک خانے کی کمیشن اُسکے نام کو ہندوستان کے انگریز فیاض مردوں (اصلاح کنندوں) کی فہرست میں کارنوالس کے نام کے ساتھ لکھوانے کے لیئے کافی ہوتی" ۔

اب ہندوستان میں باقاعدہ ڈاک ۸۰۰۰۰ میل روزانہ اور اس مسافت کے بڑے حصے میں دن بھر میں کئی بار آتی جاتی ہے ۔ ۶۳ کروڑ چٹھیاں سالانہ اس کے ذریعے تقسیم ہوتی ہیں جو ۲۳ ہزار سے زاید ڈاکخانوں اور ڈاک کے بکسوں میں سے اکھٹی کی جاتی ہیں ۔ لیکن لارڈ ڈلہاؤزی کے اس انتظام کے تحت میں ہندوستانی خط وکتابت میں افزونی کو ظاہر کرنے کے لیئے سب سے بہتر یہ ہوگا کہ صرف تین سال کے اعداد ظاہر کر دیئے جائیں ۔ اس کی نصف پینی کی ڈاک کے اجراء سے ایک سال پیشتر ۱۸۵۴ء میں صرف ایک کروڑ نوے لاکھ چٹھیاں ڈاک میں ڈالی گئی تھیں اور اُن میں سے بھی بڑا حصہ سرکاری خطوط کا تھا ۔ لارڈ ڈلہاؤزی کی ڈاکخانے کی اصلاحات کے ۶ سال بعد ۱۸۶۰ء میں یہ تعداد بڑھکر ۴ کروڑ ۷۰ لاکھ تک پہنچ گئی ۔ اب یہ تعداد ۶۳ کروڑ تک پہنچ گئی ہے جیسا کہ میں اوپر تحریر کر چکا ہوں ۔ اور یہ زیادہ تر نجی خط وکتابت کی ہے جو سرکاری خطوط سے جدا ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہلِ ہند کی خط وکتابت کو وسیع پیمانے پر پہنچانے والا لارڈ ڈلہاؤزی ہے ۔

جس سال لارڈ ڈلہاؤزی نے ارزاں محصول اور ہندوستان کے ڈاکخانے کے موجودہ قواعد جاری کیئے اُسی سال ہندوستان میں قومی طریقۂ تعلیم کی بنیاد بھی ڈالی گئی۔ اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی پانچ سال میں لارڈ ڈلہاؤزی تعلیم عامہ کے مختلف آزمائشی طریقوں کے نتائج کو نہایت غور سے دیکھتا رہا تھا۔ لوئر برما کی فتح اور ممالک ناگپور کے الحاق کی درمیانی فرصت کے زمانے یعنی ۱۸۵۳ء میں اُس نے نہایت سرگرمی کے ساتھ یہ سفارش کی کہ تمام شمال مغربی صوبجات میں اُس ورنیکلر طریقۂ تعلیم کو پھیلا دیا جائے جس کے ساتھ مسٹر ٹامسن کا ذی عزت نام بھی شامل ہے۔ دوسرے سال مجلس نظماء نے ورنیکلر (دیسی) تعلیم کی تکمیل کے متعلق اُن تجاویز کے ساتھ دیگر تجاویز متعلقۂ تعلیم ہند پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ طویل بحث کی۔

سر چارلس وُڈ کے جولائی ۱۸۵۴ء کے مراسلے کے مطابق خود لارڈ ڈلہاؤزی کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ "اگرچہ بلاشبہ یہ اختیارات یا احکام نہیں دیئے گئے تھے کہ جو کچھ ہم بالفعل کر سکتے ہیں اس سے تجاوز کر جائیں تاہم اُس میں کوئی ایسی بات باقی نہیں رکھی گئی تھی جس کی خواہش باقی رہتی۔ اُن عظیم سرکاری کاغذات نے تعلیم کے اُصول اور خاص مقصد کے متعلق ایک جانب انگریزی اور دوسری جانب ہندوستان کی قدیم زبانوں کے حامیوں کے پرانے جھگڑے کا ہمیشہ کے لیئے تصفیہ کر دیا۔ کیونکہ اُس نے ہندوستانی تعلیم کی بنیاد دونوں میں سے ایک پر بھی نہیں رکھی بلکہ اُس کو اہل ہند کی موجودہ دیسی زبانوں پر قائم کر دیا۔ اس انتظام کے تحت میں بے شمار درسگاہیں ہندوستان میں پھیل گئی ہیں۔ یہ تعلیم گاہیں ہندوؤں کے دیسی پاٹ شالاؤں اور مسلمانوں کے پرانے مسجد کے مکتبوں سے جو حکومت کی نگرانی میں ہیں شروع ہوتی ہیں نہایت باقاعدہ درجوں کی صورت میں وہ ورنیکلر اور اینگلو ورنیکلر مدرسوں ہائی اسکولوں۔ متعلقہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی جانب ترقی کرتے ہیں۔ سرکاری احکام اور نگرانی میں تعلیم عامہ کا یہ ایک نہایت مکمل سلسلہ بنجاتا ہے"۔

لارڈ ڈلہاؤزی کے عہدِ حکومت میں ہندوستان کے استحکام کے متعلق

یہ سب سے چوٹی کی کارروائی تھی اور اُس نے ایسی دماغی اور سیاسی قوتوں کو متحرک کر دیا ہے جن کی وسعت کا اندازہ ناممکن ہے مگر اب سلطنت برطانیہ کو اُن کے مقابلے کے لیئے مجبور ہونا پڑا ہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کا زبردست ہاتھ اُٹھ جانے کے بعد اُس کے استحکامیہ انتظامات ہند میں رکاوٹوں کے باوجود اتحاد و یگانگت پیدا کرنے والا یہ کارکن بلا کسی روک یا مزاحمت کے اپنے کام کو انجام دیکر قوت حاصل کرتا اور اپنے حیرت انگیز اور روز افزوں نتائج کو ظاہر کرتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ غدر بھی تعلیمی ترقیوں کو روک نہیں سکا۔ ۱۸۵۷ء کا سال جو ہم کو اپنی ہستی کی بقا کے لیئے لڑتا ہوا دیکھ رہا تھا ایسا قانون بھی اسی سال سے پاس ہوتے ہوئے دیکھا جس کی رو سے تین یونیورسٹیاں (دارالعلوم) قائم ہوئیں جو بعد ازاں پانچ ہو گئیں اور جو ہندوستان کی تعلیم عامہ میں ممتاز ترین درجہ رکھتی ہیں خواہ کسی وائسرائے کی پبلک پالیسی یا پرائیویٹ آرا کچھ ہی کیوں نہ رہی ہوں مگر اُن میں سے ہر ایک کی یہ کوشش ضرور ہوتی تھی کہ لارڈ ڈلہاؤزی کے شاندار زمانے میں سرکاری نظام تعلیم ہند کے ساتھ اپنے نام کی بھی کوئی نسبت قائم کر دے۔ اس انتظام کے ماتحت اب (سنہ ۹۴-۱۸۹۳ء) ہندوستان میں پانچ یونیورسٹیاں اور ۱۴۵۰۰ اسکول اور کالج ۴۰ لاکھ طلبا کو تعلیم دے رہے ہیں

میں نے اس امر کی احتیاط کی ہے کہ ہندوستان کے تعلیمی نظام کو خاص ڈلہاؤزی کی جانب منسوب نہیں کیا ہے بلکہ صرف یہ دکھایا ہے کہ وہ اُس کے عہد حکومت میں جاری ہوا تھا۔ سر چارلس وُڈ بعد ازاں لارڈ ہیلیفیکس کا نام ہمیشہ اس عظیم الشان کام کے ساتھ خاص طور پر لیئے جانے کے قابل ہے۔ لارڈ ڈلہاؤزی کا اُس سے قدرے کم درجے کا مگر نہایت اہم کام سر چارلس وُڈ کی رہنمائی کے لیئے اسباب پیدا کرنا اور سر چارلس وُڈ کی تجاویز کو نہایت تندہی کے ساتھ عمل میں لانا تھا۔ ساتھ ہی یہ امر بھی فراموش نہ ہونا چاہیئے کہ اگرچہ تعلیم عامہ کی اسکیم کی ابتداء سر چارلس وُڈ نے کی تھی اور ہندوستان میں اُس کی تکمیل لارڈ ڈلہاؤزی نے بالکل اُن ہی قواعد کے مطابق کی جو اس وقت بنائے گئے تھے مگر بعد کے گورنر جنرلوں نے اُس میں اس قدر توسیع کی جس کی توقع محض خیال میں

بھی لارڈ ڈلہاؤزی کو نہ ہوسکتی تھی کیونکہ سرکاری سکول اور کالجوں کے ساتھ وہ بکثرت امدادی اسکول بھی شامل ہیں جن کا معائنہ سرکاری طریقے پر کیا جاتا ہے گو اُن کے قیام وبقا کا انحصار پرائیویٹ کوششوں پر ہے۔ ریلوں۔ تار برقی۔ نصف پینی کے محصول ڈاک اور سرکاری نگرانی والے مدارس کا ہندوستان یا بالفاظ دیگر وہ ملک ہند جس کو لارڈ ڈلہاؤزی نے اس حالت تک پہنچایا تھا ہمارا موجودہ ہندوستان ہے۔ ہم کسی اور ہندوستان کو نہیں جانتے۔ لیکن اس سابقہ ہندوستان کو جن انگریزوں نے تعمیر کے دوران میں دیکھا تھا ان کے نزدیک گویا ایک بالکل نئی سلطنت کا وجود عدم سے ہستی میں لایا جارہا تھا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد حکومت کا نمایاں اور فوری کام ممالک کا باہمی اتصال تھا لیکن بغور مشاہدہ کرنے والوں پر خود لارڈ ڈلہاؤزی کی طرح یہ بات ابتدا ہی سے صاف عیاں تھی کہ ممالک ہند کا یہ باہم اتصال اس سے بھی زیادہ ایک اور شاندار گو پر خطر اتصال کے کام کا صرف پہلا زینہ تھا اور وہ ہندوستانی اقوام کا باہمدگر اتصال تھا۔ ایک مرتبہ پھر میں ایک ۲۵ سال پیشتر کے مورخ کے الفاظ نقل کرنا چاہتا ہوں جبکہ "مستحکم سلطنت کرنے کا خیال جس کی لارڈ ڈلہاؤزی کو تمنا تھی" لوگوں کے دلوں میں ابھی تازہ تھا۔ ۱۸۶۵ء میں لارڈ ڈلہاؤزی کے عہدِ حکومت کے نتائج کو تلخیص کرتے ہوئے سر ایڈون آرنلڈ نے تحریر کیا کہ "ہم ہندوستان میں ایک قوم بنا رہے ہیں یہاں اب تک ہزاروں قبائل تھے مگر کوئی واحد قوم نہ تھی"[1]

یہ بہت آسان ہے کہ اُس وقت سے اب تک جو ترقی ہوئی ہے اُس کو بہت زیادہ کرکے دکھا دیا جائے مگر جس قدر استحکام اب تک ہو چکا ہے اُس کی بابت مبالغے سے کام لینا حماقت ہے۔ جن قوتوں کے باعث اس (قومی) تحریک نے زور پکڑا ہے اُن کو احتیاط کے ساتھ ظاہر کرکے میں نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ انگریز اطمینان کے ساتھ

[1] کتاب موسومہ "مارکوئس اوف ڈیلہوزی کا عہد حکومت" جلد دوم صفحہ ۳۸۸

اس قوت کا اندازہ کرنے کے قابل ہوجائیں جو اب ہندوستان میں کام کر رہی ہے۔

اپنی فتوحات اور انتظامات کی عظیم الشان کارروائیوں کے ساتھ ساتھ لارڈ ڈلہاؤزی نے ہندوستان کے سرکاری اخراجات کو بھی اپنے قوی مگر فیاض ہاتھ کے قابو میں رکھا۔ حسابات کے طریقوں میں تبدیلیوں کے باعث لارڈ ڈلہاؤزی کے صیغۂ مال کو بغیر اُن بکثرت ادنیٰ ادنیٰ تشریحات کے صحیح طور پر دکھانا مشکل ہے جو اس کتاب کے لئے ناموزوں ہیں۔

مسٹر سٹریچے برادران[1] نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف میں اُن مشکلات پر بحث کی ہے جو ہندوستان کے گزشتہ اور موجودہ صیغۂ مال پر بحث کرتے وقت پیش آئی ہیں اس لئے میں اُن سرکاری نقشہ جات حساب میں سے صرف بڑی بڑی رقوم کو نقل کرنے پر اکتفا کرونگا جو سالانہ پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوئی تھیں[2]۔

۱۸۴۲ء سے ۱۸۶۲ء کے آخر تک ۲۱ سال کے دوران میں ہندوستان کے سرکاری خزانے میں ۱۷ سال کمی کے اور صرف ۴ سال بیشی کے تھے۔ بیشی[3] کے یہ چار سال لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد حکومت کے درمیانی سال ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۳ء کے آخر تک تھے تاہم لارڈ ڈلہاؤزی نے امور عامہ پر جس قدر فیاض دلی سے خرچ کیا تھا اس کی جرأت کسی سابقہ گورنر جنرل کو نہیں ہوئی تھی۔ حسابات میں تغیرات کے باعث اس مد کے متعلق پارلیمنٹ کے حساب مبہم ہیں۔ لیکن لارڈ ڈلہاؤزی کے پہلے مورخ نے ہم کو بتایا ہے کہ بمقابلہ سابق سترہ سال کے صرف ۱۶۹۹۰۱ پونڈ کے اوسط خرچ اُس کے زمانے کے پبلک ورکس کا خرچ ۱۸۵۴ء میں ۲۵ لاکھ ۱۸۵۵ء میں ۳۰ لاکھ ۱۸۵۶ء میں ۲۲ لاکھ ۲۵ ہزار (اور پارلیمنٹ کے کاغذات سے اقتباسات کے مطابق قریباً ۲۵ لاکھ) تھا۔

---

[1] کتاب موسومہ "ہندوستان کا صیغۂ مال و امور عامہ" مصنفہ سر جان سٹریچے۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ اور لفٹننٹ جنرل رچرڈ سٹریچے۔ آر۔ ای۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ صفحات ۲۳ تا ۲۶۔ ایڈیشن ۱۸۸۲ء۔

[2] برطانوی ممالک محروسہ ہندوستان کے حسابات کا اقتباس۔ نمبر ۲۲۔ انڈیا آفس مورخہ ۷ ستمبر ۱۸۸۸ء صفحات ۲۱۰ تا ۲۱۳۔

[3] ایضاً ۲۱۱۔

لارڈ ڈلہاؤزی نے ایک طرف تو محکموں کی حالت کو درست کیا اور دوسری طرف اگر اس میں خرچ کے بڑھانے کی ضرورت بھی ہوتی تھی تو وہ اس سے گریز نہ کرتا تھا۔ ۱۸۵۶ء میں پارلیمنٹ کے حسابات ۱۸۴۸ء کی نسبت فوج پر بقدر ½ ۱ لاکھ اور سول محکمہ جات کے اخراجات میں اس سے بھی زیادہ یعنی تقریباً ۱۳ لاکھ ۴۴ ہزار پونڈ زیادہ خرچ ہوئے۔ اخراجات کی اس زیادتی کا باعث کچھ تو ملکی توسیع۔ کچھ محکمہ جات کی تکمیل اور کچھ پبلک ورکس تھے۔ مگر خرچ میں کل بیشی کی کسر آمدنی نے بخوبی پوری کردی[۱] اسی زمانے میں (یعنی ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک) ہندوستان کی کل آمدنی دو کروڑ ۵۴ لاکھ سے ۳ کروڑ ۷ لاکھ ۵۰ ہزار یا تقریباً ۵۲ لاکھ ۵۰ ہزار پونڈ کے بڑھ گئی۔ اس کثیر زیادتی میں سے تقریباً ۲۰ لاکھ زمین کی مالگزاری کے تھے جس کو ہندوستان میں ٹیکسوں میں شمار کرنے کی بجائے ایسا ادنیٰ درجے کا کرایہ سمجھنا چاہئے جو گورنمنٹ اراضیات سے وصول کرتی ہے۔ کمسریٹ اور پبلک ورکس میں جو بورڈ قدیم سے قائم تھے اُن کے ناگوار وجود کو مٹا کر ان کے بجائے لارڈ ڈلہاؤزی نے تنہا ذمہ دار افسروں کی نگرانی میں نہایت محتاط محکمہ جات جاری کردیئے۔[۱]

---

[۱] ہندوستان کے حسابات کا اقتباس جو پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تھا صفحات ۳۱ - ۳۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۵ء

باب دوازدہم

لارڈ ڈلہاؤزی کی فوجی پالیسی

لارڈ ڈلہاؤزی نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس جدید ہندوستان کی حفاظت نہایت کٹھن ثابت ہوگی۔ اس لئے سمندر کے کنارے سے جہاں اُن کی ضرورت باقی نہ رہی تھی فوجوں کو ہٹا کر شمال مغربی ہندوستان میں جہاں اُس کو خطرہ پیدا ہوتا نظر آتا تھا اکھٹا کرکے جو کچھ اُس کے اختیار میں تھا وہ اس نے کر دیا۔ ریلوں اور تار کی تکمیل کے ذریعے خطرے کے مقامات پر اپنی مدافعانہ قوت کو بڑھانے کے لئے جو کچھ ممکن تھا اُس نے کر دکھایا۔ لیکن اُس نے صاف طور پر یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ ہندوستان کی آئندہ سلامتی کا دارومدار نہ صرف فوجوں کی تقسیم بلکہ اُن کی تعدادی قوت اور اس ملک کی انگریزی اور دیسی افواج کے مابین توازن قوت پر بھی ہے۔

اس کتاب کے سابقہ ابواب میں دکھایا گیا ہے کہ لارڈ ڈلہاؤزی نے اپنے کام کے مختلف شعبوں اور محکموں کی کس قدر تکمیل کی۔ اس باب میں زیادہ تر اُن انتظامات کا تذکرہ ہوگا جو اُس نے تجویز کئے تھے مگر جن پر ہوم گورنمنٹ (حکومت انگلستان) عملدرآمد نہ کر سکی اور جس کا ۱۸۵۷ء میں انگلستان کے لئے ناخوشگوار نتیجہ نکلا۔

اگرچہ لارڈ ڈلہاؤزی باقاعدہ دیسی افواج کی عظیم الشان سپاہیانہ صفات کو تسلیم کرتا تھا مگر پہلی جنگ افغانستان کے زمانے سے اُس کی تعداد میں زیادتی ہو جانے کے باعث ممکن الوقوع خطرات اُس پر نہایت گہرا اثر ڈال رہے تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ۱۸۳۸ء میں کل دیسی فوج کی تعداد ۱۵۴۰۰۰ سے کم تھی۔ ۱۸۴۳ء میں سکھوں کی پہلی جنگ کے چھڑنے پر وہ ۲۴۰۳۱۰۵ ہو گئی۔ اس جنگ کے

اختتام پر تخفیف ہونے کے بعد لارڈ ہارڈنگ نے لارڈ ڈلہاؤزی کے لئے ایسی فوج چھوڑی جس کی تعداد گزشتہ زمانۂ امن سے بہت زیادہ تھی۔ لارڈ ڈلہاؤزی کی پنجاب کی فتح کے باعث یہ زیادتی ہوئی کہ باقاعدہ سپاہیوں کی رجمنٹ ۸۰۰ سے ۱۰۰۰ آدمیوں کی کردی گئی۔ یہ[1] کارروائی سکھوں کی دوسری لڑائی کے بعد سرچارلس نیپئر کی نہایت سرگرم التجاؤں کے باعث عمل میں آئی تھی بعدازاں خود لارڈ ڈلہاؤزی نے باقاعدہ رجمنٹوں میں تعداد کی اس زیادتی کے خلاف مصلحت ہونے کا قائل ہو کر اُن میں تخفیف کے لئے تجویز کی تھی۔ لیکن اُس کے عہدِ حکومت کے اختتام کے قریب بھی دیسی فوج کی تعداد ۲۳۳۰۰۰ آدمیوں کی تھی ؛

ایسی بڑی باقاعدہ دیسی فوج کے ممکن خطرات کا مقابلہ کرنے کیلئے لارڈ ڈلہاؤزی نے چار قسم کی تجاویز کی تھیں۔ اول مناسب طور پر تقسیم کے ذریعے تاکہ نہ صرف ملک پر زیادہ استحکام کے ساتھ قبضہ رہے بلکہ باقاعدہ دیسی افواج منتشر بھی رہیں اُس نے یہ انتظام لارڈ ہارڈنگ کے مقرر کردہ اصول پر اور سرچارلس کی سخت مخالفت کے باوجود کیا تھا اور ۱۸۵۷ء میں ہمارے لئے یہ نہایت مفید پڑا۔ سرچارلس نے طنزاً کہا تھا کہ "میں[2] نے سنا ہے کہ لارڈ ہارڈنگ ہندوستانی افواج کے ایک جگہ جمع رکھنے پر اُس خوف سے اعتراض کرتا تھا کہ وہ سازش نہ کریں۔ اور اس کا مقر ہوں کہ اُس کی یہ رائے میرے نزدیک کچھ وزن نہیں رکھتی" ؛

لارڈ ڈلہاؤزی کا دوسرا انتظام جس سے سرچارلس نیپئر خود نہایت متفق تھا وہ گورکھا یا پہاڑی رجمنٹوں کی بھرتی کا تھا۔ یہ ایسی فوج تھی اور لارڈ ڈلہاؤزی اس کی ایسی قدر کرتا تھا کہ آخری زمانے میں جن اُمور پر اس نے زور دیا ہے اُن میں سے ایک ان کی تعداد میں زیادتی کا بھی تھا ؛

لارڈ ڈلہاؤزی کا تیسرا انتظام جو ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانے میں نہایت ہی مفید ثابت ہوا وہ پنجاب میں ایک نئی بے قاعدہ فوج کا بنانا تھا۔ اس فوج کا انتظام اور بندوبست

---

[1] کتاب موسومہ "ہندوستان بہ عہد ڈلہاؤزی و کیننگ" مصنفہ ڈیوک اوف آرگائل صفحہ ۵۶۔ ایڈیشن ۱۸۶۵ء

[2] رپورٹ مورخہ ۲۷ نومبر ۱۸۴۹ء منجانب کمانڈر انچیف ہندوستان بنام گورنر جنرل باجلاس کونسل

اُس نے بالکل علیحدہ رکھا اور بہ حیثیت کمانڈر انچیف سر چارلس نیپیر کی مخالفت کے باوجود لارڈ ڈلہاؤزی نے اُس کو ہندوستان کی عام فوج سے علیحدہ تنظیم پنجاب کے زیر حکم رکھا۔ لارڈ ڈلہاؤزی کا چوتھا انتظام جس کو انتظامات کا ایک سلسلہ کہنا چاہئے یورپین افواج کو ہندوستان سے واپس بلا لینے کی تجویز کی سخت مخالفت کرنا اور اُن کی تعداد میں مزید زیادتی کرنے کی تجویز کرنا تھا۔ انگلستان کی حکومت نے اُس کی مخالفت کی طرف سے لاپروائی کی اور اُس کی تجاویز پر کبھی عملدرآمد نہیں کیا[۱]

ہندوستان کی باقاعدہ دیسی افواج کی جانب سے خطرات کے خلاف دور اندیشانہ وسائل کی فراہمی کی تجویز کرتے ہوئے لارڈ ڈلہاؤزی نے دیسی افواج کی خوبیوں کا ایمانداری اور فراخدلی کے ساتھ اعتراف کیا تھا مگر اُس کی یہ تعریف اپنے سپاہی منش پیشرو لارڈ ہارڈنگ کی اُس تعریف سے جو اُس نے اُن سپاہیوں کے لئے کی تھی یا خود سر چارلس نیپیر کی اُس وقت کی توصیف سے نہ بڑھ سکتی تھی جب کہ یہ آتش مزاج جنگجو کسی کی تعریف کرنے پر مائل ہوا کرتا تھا[۱]

ان ناخوش گوار مباحثوں کے دوران میں جو سر چارلس نیپیر نے بعد ازیں جاری رکھے تھے سر چارلس نے اپنی وضع نہایت دور اندیش آدمی کی سی بنا کر دسمبر ۱۸۴۹ء یا جنوری ۱۸۵۰ء میں دیسی افواج پر بہ مقام وزیر آباد عام بغاوت کا الزام لگایا۔ فوجوں کے الاؤنس کے کوڈ میں زیادتی کرنے کے لئے خود اپنے اختیارات سے احکام جاری کر کے گورنر جنرل کے اختیارات کو غصب کرنے کی کارروائی کو درست اور حق بجانب بنانے کے لئے بڈھے شعلہ خو کمانڈر انچیف نے اس الزام کو پوری دیانت داری کے ساتھ یقین کر لیا تھا۔ اگر اس قسم کی کارروائیوں کی اجازت دی جاتی تو گورنر جنرل کو فوج کے لئے پارلیمنٹ نے

---

[۱] یادداشت مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۸۵۰ء رقم کردہ موسٹ نوبل دی گورنر جنرل آف انڈیا ۱۲

جو مالی اور عام اختیارات عطا کئے تھے وہ محض برائے نام رہ جاتے تھے۔

ہندوستان میں اُس کی بیقاعدگی کے اس واقعہ پر رائے زنی کرتے وقت لازم ہے کہ ہم اس بڈھے بے بس سپاہی کی پچھلی درازدستی[1] کی جو شاید ہی قابل درگزر ہو اسی زمانے کی سرکاری رپورٹ سے تصحیح کریں۔ یہ حالات بجنسہ چھپے[2] ہیں اور سرچارلس نیپیر کی ابتدائی بیقاعدگی سے شروع ہو کر اس کے مستعفی ہونے اور ڈیوک[3] اوف ولنگٹن کے اس افسر کی بابت آخری فتوے تک کے ہیں جس کی شریفانہ اور سپاہیانہ صفات کے سبب عمر بھر ہمراہ رہنے کے یہ عالی مرتبہ ڈیوک واقف اور اُن کا قدردان تھا مگر جس کی طبعی حماقتوں کا اُس کو سخت افسوس بھی تھا[4]۔ بہ حیثیت ایک سویلین کے میں ڈیوک اوف ولنگٹن کے الفاظ سے تجاوز نہیں کرنا چاہتا ہوں۔

ڈیوک اوف ولنگٹن نے[5] تحریر کیا تھا کہ "اُن کاغذات کے بغور مطالعہ سے جو خود سرچارلس نیپیر نے اُس واقعہ کے متعلق اپنی رپورٹ کے ساتھ مجھے بھیجے تھے مجھے اس امر کا یقین ہے کہ فوجوں میں بہ مقام وزیرآباد دسمبر ۱۸۴۹ء یا جنوری ۱۸۵۰ء میں کوئی غدر نہیں ہوا تھا۔ شکوے اور شکایتیں تو ضرور تھیں مگر غدر نہ تھا۔ لیکن سرچارلس نیپیر کے بیان کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں ایک عام غدر کی حالت موجود تھی جو بہ ماہ جنوری ۱۸۵۰ء پنجاب کی ۴۰ ہزار آدمیوں کی تمام فوج میں پھیل گئی تھی وہ رپورٹ کہاں ہے۔ اس بغاوت کی شہادت جو نہایت عجیب و غریب طریقے سے بلاکسی وقت یا کوشش کے فرو ہو گئی سوائے سرچارلس نیپیر کی اُس رپورٹ کے اور کہاں ہے جو ہارس گارڈز (سواروں کے محافظ دستے) اور گوبندگڑھ رجمنٹ نمبر ۶۶ کو بھیجی گئی تھی"۔

معلوم ہوتا ہے کہ بمقام گوبندگڑھ رجمنٹ نمبر ۶۶ نے بغاوت کر کے

---

[1] "گورنمنٹ ہند کی فوجی اور ملکی نقائص" مصنفہ لفٹننٹ جنرل سرسی جے نیپیر جو باہتمام لفٹننٹ جنرل سر ایف ڈبلیو پی نیپیر طبع ہوئی۔

[2] وہ مباحثے جو مارکوئس اوف ڈلہاوزی اور جنرل سرسی جے نیپیر جی سی بی کے مابین ہوئے تھے (دو ورقہ) جو ۲۱ دسمبر ۱۸۵۳ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک جنرل کورٹ (عام دربار) کے حکم سے چھاپا گیا۔

[3] و [4] و [5]۔ ڈیوک اوف ولنگٹن کی یادداشت مورخہ لندن۔ ۳۰ جولائی ۱۸۵۰ء۔ صفحات ۵۲ تا ۵۴۔

اپنے افسروں کے حکم سے قلعے میں ہتیار ڈال دیئے۔ پھر وہاں سے اُس کو باہر نکال کر اور منتشر کرکے اُسی جنوری ۱۸۵۰ئہ میں کمپنی کے صوبجات میں بھیجدیا۔ پنجاب کی تمام فوج کی بابت معلومات حاصل کرکے اور نیز یہ دریافت کرکے کہ جس باغی فوج کو سزا دیکر ہتیار رکھوائے گئے ہیں اُسکے ساتھ ایک شخص کی بھی موافقت یا امداد کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہے کمانڈر انچیف وزیر آباد کے مقام کو چھوڑکر پشاور کی طرف اپنے دورے پر روانہ ہوگیا۔ جنوری کی ۱۶ تاریخ کو اُس نے فوج کے نام ایک عام مفصلۂ ذیل حکم جاری کیا۔ دنیا کی افواج میں سے زیادہ تر میرے دیکھنے میں آئی ہیں مگر میں نے اُن میں کوئی ایسی فوج نہیں دیکھی جس کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج سے زیادہ غور پرداخت ہوتی ہو۔ اور نہ میں نے اُس فوج سے زیادہ فرمانبردار اور شریف کوئی اور فوج دیکھی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ چند کینہ توز اور بے صبر بدمعاشوں کو اُس جھنڈے یا فوج کو بدنام کرنے کا موقع دوں جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں اور اس کو جائز رکھوں کہ جو گورنمنٹ اُن کے ساتھ اس قدر حق پسندی اور فیاض دلی کو کام فرماتی ہے۔ اُسی گورنمنٹ سے وہ یہ منوانے کی گستاخانہ کوشش کریں کہ سپاہیوں کو اس قدر تنخواہ ملنی چاہئیے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہز ایکسلنسی نے نافرمانبرداری کی موجودگی کو پوشیدہ نہیں کیا اور نہ اُس کی تشریح سے اجتناب کیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُس نے غدر کی خصوصیت اور اُس کی حد وسعت کو بھی بیان کردیا تھا۔"

میں نے ڈیوک اوف ولینگٹن کی تجویز دو وجوہات سے نقل کی ہے اول اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ اُس کے الفاظ اب پہلی مرتبہ ہندوستان کی تاریخ کے دیانتدار مطالعہ کرنے والوں کی بڑی تعداد کے پڑھنے میں آئیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ غدر کی علامات کی طرف سے سات سال پیشتر لارڈ ڈلہاؤزی کی مفروضہ غفلت کی بابت ۱۸۵۷ئہ کے غدر کے بعد جو احمقانہ الزام لگائے گئے تھے اُس سے روز روشن کی طرح عیاں ہوجائینگے۔ ایسے ہیں اُن حماقت آمیز الزامات کو اس انجام کے سپرد کرتا ہوں جس کے وہ لائق ہیں

اور ممکن سے ممکن اختصار کے ساتھ اُن کارروائیوں کو بیان کرتا ہوں جو لارڈ ڈلہاؤزی نے ہندوستان کی باقاعدہ دیسی افواج اور برطانوی فوجوں کے مابین توازن قوت کو برقرار رکھنے کے لیئے اختیار کی تھیں ؟

ہندوستان میں انگریزی افواج کی قلیل تعداد کے باعث پیدا ہونیوالے خطرات کا لارڈ ڈلہاؤزی بخوبی قائل تھا۔ اُس نے نہ صرف اُن کی تخفیف پر اعتراض کیا تھا بلکہ اُن کی تعداد میں زیادتی کی ضرورت پر بھی زور دیا تھا۔ ۱۸۵۳ء کے بل (قانون) کی رو سے ہندوستان کی لوکل گورنمنٹ نے ہندوستان کی لوکل یورپین رجمنٹوں کی انتہائی تعدادی قوت کے ۱۲۰۰۰ سے ۲۰۰۰۰ آدمیوں تک بڑھانے کے لیئے پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لی تھی لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ اس اجازت سے پورا فائدہ حاصل کرنے کی بجائے ہوم گورنمنٹ (حکومت انگلستان) نے لارڈ ڈلہاؤزی کے عہد میں کمپنی کی مقامی یورپین افواج میں صرف تین رجمنٹوں کا اضافہ کیا تھا ؟

اس کے ساتھ ہی ہوم گورنمنٹ نے فوجوں کو بلانے کی وہ مہلک کارروائی شروع کی جو ۱۸۵۷ء میں اُس قدر نقصان دہ ثابت ہوئی۔ انہوں نے جنگ کریمیا کی سختی کے زمانے میں ہندوستان سے ملکۂ معظمہ کی دو رجمنٹیں واپس طلب کیں۔ لارڈ ڈلہاؤزی نے جس لہجے میں اس امر پر اعتراض کیا تھا اگر اُس کو اُس کی پیشین گوئی کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اُس نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ ہوم گورنمنٹ کو خبردار کیا تھا کہ یہ سوال ہندوستان کی صرف موجودہ احتیاج ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم اور زیادہ پائدار سوال یعنی "مشرق میں ہماری سیاسی حالت کے استحفاظ و استحکام کا ہے" ؟

۱۳ ستمبر ۱۸۵۴ء کی لارڈ ڈلہاؤزی کی یہ تحریر تھی کہ "جب تک کہ ہم قوی ہیں یا ہمارے قوی ہونے کا احتمال ہے ہم پوری طرح محفوظ ہیں۔ لیکن اگر اب ہماری فوجیں ہندوستان سے یورپ کو بلائی گئیں یا اگر اُس گمان کو جو پہلے ہی سے پھیلا ہوا ہے یقین کے درجے تک پہنچا دیا گیا کہ ہم (کریمیا میں)

ایسے دشمن سے دست و گریبان ہیں جس کی طاقت ہمیں مغلوب کرنے کے لیئے
کافی ہوگی۔ اگر ہم فوجوں کے یہاں سے اُٹھا لیئے جانے پر اپنی فوجی قوت کے
اس لازمی عنصر (انگریزی افواج متعینۂ ہند) کو کمزور کر دیں گے جس کی بابت پہلے ہی
یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ معمولی ضرورتوں سے زائد نہیں ہے یا اگر ہمیں
خلیج فارس میں فوج بھیجنے کی ایسی ضرورت لاحق ہوگئی جس کا اگرچہ فی الحال تو کوئی
وجود نہیں ہے مگر ایران کی موجودہ حالت غلامی یا بادشاہ ایران کے کمزور
اور متلون مزاج کے باعث نہ معلوم کس وقت یہ ضرورت آپڑے اُس وقت
اور اُس صورت میں نہ تو میں وہ سابقہ اطمینان محسوس کرسکونگا اور نہ اُس کا اظہار کرسکونگا
کہ مشرق میں ہماری پوزیشن کی حفاظت اور پائداری حملوں سے محفوظ رہیگی؛
"میں ملکۂ معظمہ کے وزراکی حق پرستی کی طرف قوی یقین کے ساتھ
مخاطب ہوں کہ گورنمنٹ ہند اس قدر بعید فاصلے پر ایسے لوگوں اور مذہبی فرقوں میں
گھری ہوئی ہے جو بے شمار اُمور میں متفرق اور صرف اُس ایک امر میں
یکساں حالت رکھتے ہیں کہ وہ ہماری اس قوم کی حال ہی کی مفتوحہ رعایا ہیں
جو اُن سے مذہب۔ زبان۔ رنگ۔ عادات اور تمام محسوسات اور اغراض کے
لحاظ سے اجنبی ہے۔ اور گورنمنٹ مذکور کے پاس اس امر کے اظہار کے لیئے
نہایت معقول وجوہات ہیں اور گزشتہ سالوں میں ایک سے زائد مرتبہ اس کا اظہار بھی
کیا جا چکا ہے کہ معمولی اوقات میں بھی سلطنت کو بہ حفاظت وامن برقرار رکھنے
کے لیئے اُس کے پاس معمولی تعداد سے زیادہ انگریزی فوج نہیں ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ؛"
باوجود اس حجت کے ۱۸۵۴ء میں دو برطانوی رجمنٹیں ہندوستان سے
اُٹھالی گئیں اور اُس کے تین سال بعد وہ خطرہ بھی سامنے آگیا جس کی لارڈ ڈلہاؤزی نے
اس قدر صحت کے ساتھ پیشین گوئی کی تھی۔ یورپی پیدل فوج کی اُن ۳۳ پلٹنوں میں سے
جن کو لارڈ ڈلہاؤزی ہندوستان کی سلامتی کے لیئے ادنیٰ ترین تعداد خیال کرتا تھا
دو انگلستان کو واپس بلالی گئیں اور ہوم گورنمنٹ کے وعدوں کے باوجود اُن کے
بدلے کی فوجیں کبھی نہیں بھیجی گئیں؛
برائے نام باقی ماندہ یورپین افواج میں سے ۵ یا ۶ جنگ ایران کے باعث

غیر حاضر تھیں (جس کی بابت لارڈ ڈلہاؤزی نے پیشین گوئی کردی تھی کہ شاید اُن کو جانا پڑے)۔ اس طرح زمانۂ غدر نے ہندوستان کو اُن انگریزی افواج سے خالی خالی پایا جن کی موجودگی کو لارڈ ڈلہاؤزی نے ملکۂ معظمہ کے وزرا کو ہندوستان میں انگریزوں کی ہستی کے برقرار رکھنے کیلئے لازمی بتایا تھا؛

لیکن لارڈ ڈلہاؤزی کے معروضات کی جانب سے ایک اور مہلک غفلت بھی کی گئی تھی۔ وہ خود محسوس کرتا تھا کہ اُس کے عہدِ حکومت کے الحاق وفتوحات کے باعث ہماری یوروپین افواج کی تعداد میں زیادتی اور سواروں اور پیدلوں کی باقاعدہ دیسی افواج میں تخفیف لازمی ہوگئی ہے۔ اس سوال کے متعلق اپنے اعلان کو اُس نے وہ تمام تر اہمیت دی تھی جو ہندوستان میں ایک جلیل القدر وائسرائے کے آخری سرکاری کام کو دی جاسکتی ہے ۲۸ ر فروری ۱۸۵۶ء کو اپنی کونسل کے آخری اجلاس میں اُس نے وہ یادداشتیں پیش کیں جن میں اُن فوجی تغیرات پر جو ان ممالک کی سلامتی کے لیئے لازمی ہوگئی تھیں بحث کی گئی تھی جن کو وہ ہمیشہ کے لیئے چھوڑ کر جانے والا تھا؛

اُس کی درخواست پر یہ یادداشتیں فوراً مجلس نظما کے پاس ارسال کردی گئیں تاہم سر چارلس جیکسن نے ۱۸۶۵ء میں تحریر کیا کہ "مجھے کسی طرح یہ پتہ نہیں لگتا کہ ان یادداشتوں پر انگلستان میں یا ہندوستان میں کوئی مزید توجہ کی گئی ہو۔ ۱۸۵۸ء کے زمانے تک اُن کی بابت کچھ نہیں سنا گیا تھا... اب بھی یہ ناممکن ہے کہ اُن یادداشتوں کا پورا اثر ظاہر کیا جاسکے کیونکہ اگرچہ انڈیا ہوس کے حکام اور خود مسٹر ... نے میری ہر طرح امداد کی تھی۔ مگر اُن میں سے دو کا پتہ قطعاً نہیں چلتا۔ اور میرے لیئے سوائے اس کے اور چارہ نہیں ہے کہ دوسری یادداشتوں میں جو اُن دونوں کے حوالے ہیں اُن کے ذریعے اُن دونوں کے جس قدر حصے ممکن ہوں اُن کو جمع کرلوں (لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مکمل ہیں یا نہیں)[1]"؛

تاہم اگر اُن نو یادداشتوں پر عملدرآمد ہوتا تو وہ یقیناً ۱۸۵۷ء کے غدر کی

---

[1] مجھے جگہ کی قلت اس امر پر مجبور کرتی ہے کہ اُن کے مضمون کا سرچارلس جیکسن نے جو اختصار کیا ہے اُس میں اور بھی تخفیف کروں؛

مصیبت کو روکنے کے لیئے کافی ہوتیں۔ پہلی یادداشت میں سواروں کی دو نئی یورپین رجمنٹوں کی بنگال میں کمپنی کی خدمات ادا کرنے کے لیئے تجویز کی گئی تھی۔ اسی میں سواروں کی چار باقاعدہ دیسی رجمنٹوں کو برطرف کرنے کی تجویز تھی اور یہ وہی فوج ہے جو ۱۸۵۷ء میں اس قدر غیر وفادار ثابت ہوئی۔ دوسری اور تیسری یادداشتوں کی رو سے یورپین پیدل فوج کی ۱۸۵۴ء کی تخفیف شدہ قوت کو ۳۱ سے ۳۵ پلٹنوں یا ممکن ہو تو ۳۷ پلٹنوں تک بڑھانے کی اور نئے یورپین رسالوں کیلیئے افسر حاصل کرنیکی غرض سے ۴ دیسی رجمنٹوں کو موقوف کرنے کی تجویز تھی۔ اگر پیدل فوج کی ۳۷ یورپین پلٹنوں کی بابت اُسکی درخواست منظور کر لی جاتی تو دو اور دیسی رجمنٹیں برطرف کرنی پڑتیں۔ چوتھی یادداشت میں یہ تجویز تھی کہ بیمار یورپین کمپنیوں کو جو چنار میں مقیم تھیں ایسے اہم فوجی مقام پر رکھا جائے جہاں وہ انگریزوں کی فوجی قوت کی نمائش کا کام دے سکیں۔ پانچویں یادداشت میں "توپخانے کی یورپین کمپنیوں کو بڑھانے پر زور دیا گیا تھا" ؎

چھٹی یادداشت کی تجویز یہ تھی کہ پیدل فوج کی ۴ یا ۶ باقاعدہ دیسی رجمنٹوں کو منتشر کرنے کے علاوہ جن کا دوسری یا تیسری یادداشتوں میں ذکر ہے بنگال کی دیسی پیدل فوج کی ہر ایک رجمنٹ میں سے ۲۰۰ آدمی اور گھٹا دیئے جائیں۔ اس طرح سے پیدل فوج کی ۴ یا ۶ دیسی رجمنٹوں کے برطرف ہونے کے علاوہ ۱۰۰ ۱۴۹ آدمیوں کی مزید فوجی تخفیف ہو جاتی۔ اسی میں پنجاب کے آدمیوں کے لیئے گورکھا رجمنٹوں اور بے قاعدہ دیسی فوج کی تعدادی قوت میں ۳۲۰۰ آدمیوں کے بڑھانے کی تجویز تھی۔ اور یہ دونوں وہی فوجیں ہیں جو غدر میں اس قدر مفید ثابت ہوئیں ؎

ساتویں یادداشت میں اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ بنگال کے ۴ دیسی رسالوں کی برطرفی کے علاوہ باقی ماندہ ہر ایک رجمنٹ میں ۵۰ سواروں کی تخفیف کی جائے۔ باقاعدہ دیسی رسالوں میں کل تخفیف ۲۴۰۰ سواروں کی ہوتی۔ دوسری یادداشتوں میں دیسی رجمنٹوں میں یورپین افسروں کی تعداد سے علیحدہ کر کے اسکے انتظامات میں کامل اصلاح کرنے اور عملے کے لحاظ سے اُس کا علیحدہ محکمہ قائم کرنے کی بابت تھی (جو اُس کی موجودہ حالت ہے) ؎

ابتدا سے انتہا تک لارڈ ڈلہاؤزی اسی پر اڑا رہا کہ انگریزی قوت کا لازمی عنصر یورپین افواج ہیں۔ اُس نے باقاعدہ دیسی فوج کی تعداد کو گھٹانے کی ضرورت ظاہر کی تھی جو ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی تباہی کا باعث تھیں پنجاب کی بے قاعدہ دیسی افواج اور بہادر گورکھوں کی تعداد بڑھانے کے لئے جن کی وفاداری نے اس مصیبت کو ٹالنے میں اس قدر مدد دی تھی اُس نے اسی قدر زور دیا تھا۔ مجھے ہر بار یہی محسوس ہوتا ہے کہ میرے الفاظ اُمور واقعی کی اصلیت کو گھٹا دیں گے ؛

جس وقت عوام الناس اس رائے کا اظہار کر رہے تھے کہ اُس کی فتوحات نے کمپنی کے مقبوضات میں جنگ کے امکان کا خاتمہ کر دیا ہے اور خوش آیندہ اُمور کی بابت پیشین گوئیاں کر رہے تھے اُس وقت لارڈ ڈلہاؤزی نہایت سنجیدگی سے نہ صرف حکومت انگلستان کو بلکہ ان افسروں کو بھی جنھیں وہ اپنے پیچھے ہندوستان میں چھوڑ کر جا رہا تھا خطرے کی دائمی موجودگی سے خبردار کر دیا تھا مگر وہ انگلستان اور ہندوستان کے ارکان حکومت کے دلوں پر صرف اس امر کے نقش کرنے ہی پر قانع نہ تھا۔ اُس نے نہایت صاف صاف اور ہمیشہ یاد رکھے جانے کے قابل الفاظ میں انگلو انڈین جماعت سے بھی کہہ دیا تھا۔ میں اس سنجیدہ نصیحت کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں جس کو میں نہایت زبردست پیشین گوئی کہنے والا تھا اور جو فروری ۱۸۵۶ء میں باشندگان کلکتہ کے خطبۂ تہنیت کے جواب میں ظاہر کی تھی ؛

"کوئی عاقبت اندیش جس کو مشرقی معاملات کا علم ہو ہندوستان میں طویل زمانے تک قیام امن کی پیشین گوئی کی جراءت نہیں کر سکتا۔ ایک ناگوار تجربے نے ہم کو سکھا دیا ہے کہ ایک دیسی سلطنت (سکھ) سے اختلاف جو ابتداءً بادل جیسے چھوٹے ٹکڑے کے برابر تھا جو آدمی کے کف دست سے کسی طرح بڑا نہ ہو سرعت کے ساتھ تاریک ہو کر اس قدر پھیلا کہ جنگ کا طوفان عظیم بن گیا اور پھر اُس نے اپنی تاریکی میں تمام سلطنت کو لپیٹ لیا۔ حال ہی میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ خود ہمارے درمیان ہی میں (سنتالوں میں) بغاوت کس طرح زمین کے

بخارات کی مانند کھڑی ہوگئی اور سنگ دلی اور ظلم جو جنگ کی تمام بے اعتدالیوں سے بدتر ہیں اچانک اُن لوگوں کی جانب سے ظہور میں آئے جن کو نہ صرف گورنمنٹ نے بلکہ اُن لوگوں نے بھی نہایت سیدھی سادی بے ضرر اور ڈرپوک قوم سمجھ رکھا تھا جو اُن سے خوب واقف اور اُن کے درمیان بود و باش رکھتے تھے اور سب سے پہلے وہی اُن کا شکار بھی ہوئے۔ اُن باتوں کو یاد رکھتے ہوئے کوئی عقلمند شخص اپنے آپ کو مسلسل امن کا یقین دلانے کی جراءت نہ کریگا“ ۱؎

اس مسئلے میں یا کسی اور مسئلے میں لارڈ ڈلہاؤزی سچائی کے اظہار سے کبھی نہیں چوکا۔ خواہ وہ صداقت اُس وقت کسی کو کیسی ہی ناگوار کیوں نہ ہوتی۔ روزمرہ کے اُن بے شمار سوالات پر جو اُس کے پاس فیصلے کے لیئے آتے تھے اُس کے اُن نہایت مختصر ”آفس نوٹوں“ میں بھی جو ایک لمحے بھر میں لکھے جاتے تھے اُس کی روحانی بلند پائگی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ ایک ایسے معاملے کے متعلق جس میں اُس نے نہایت کامیابی کے ساتھ اس پر زور دیا تھا کہ شورش کے اندیشے کی پرواہ نہ کرکے انصاف کیا جائے اُس نے جلدی میں تحریر کیا کہ ”میں اُن کاغذات کو اس لیئے مشتہر کرتا ہوں کہ وہ اس اُصول کے لیئے مثال کے طور پر سمجھے جائیں کہ نتائج کا خوف کیئے بغیر ہم کو وہی کام کرنا چاہیئے جو راستی پر مبنی ہو۔ خدا کے سوا اور کسی سے نہ ڈرنا ایک مذہبی اُصول ہے لیکن سیاسیات میں بھی اس اُصول کی صداقت اور دانائی روز بروز پایۂ ثبوت کو پہنچ رہی ہے“ ۲؎

اب میں نے لارڈ ڈلہاؤزی کی کارروائیوں کی سرگزشت بیان کردی ہے مجھے اس کا افسوس کے ساتھ اعتراف ہے کہ اُس کے بہ کثرت کام اور اُس کی محیط کارروائیوں کے پورے پورے محکمے ایسے ہیں جن کو جگہ کی قلت کی وجہ سے میں اس تذکرے میں نہ لانے پر مجبور ہوا ہوں۔ لیکن اگر میں نے ایک فقرہ بھی ایسا تحریر کیا ہو جس کی صحت اُس زمانے کے سرکاری رکارڈ سے نہ کی گئی ہو

۱؎ ”دی فرینڈ اوف انڈیا“ سرام پور۔ ۳۱ جنوری ۱۸۶۱ء ؁

۲؎ اُن الفاظ میں سے سر چارلس برنارڈ کو جو کچھ زبانی یاد تھے وہ میں یہاں نقل کر رہا ہوں ؁

تو میرے لکھنے کی تمام محنت فضول سمجھنی چاہیئے کیونکہ مجھے اس امر کا احساس ہے کہ وہ ایسا عظیم الشان شخص تھا۔ اُس کی پالیسی ایسی سچی اور اُس کا کام اس قدر پائیدار تھا کہ اسباب لغے یا غلط بیانی کا ایک لفظ بھی اُس کے مرتے دم کی خواہش کی نافرمانی اور اُس کی یاد کے ساتھ بے وفائی کے برابر ہوگا ؀

تمت

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
فہرست مضامین	۳	۱ تا ۱۱	۱ تا ۷
"	۴	۱۲ تا ۳۹	۸ تا ۳۹
۲	۵	کئے	گئے
۷	۱۱	نیپیر	نیپیر
۱۱	۱۲	ڈنفرلین	ڈنفرم لین
"	۲۴	کرنا	کرتا
۱۳	۵	پریس بی ٹیڑی	پریس بی ٹیری
۱۷	۱	وہکٹ	وگ
۲۱	۲	بخش	بخش
۲۴	۲۲	۳۲۱	۳۱۱
۲۷	۱۲	اذبت ہو	اذیت دہ ہوں
"	۱۹	کنارے	کنارے کنارے
۲۸	۷	حدود یرابر	حدود کے برابر برابر
۲۸	۱۸	پَہ	پُر
۳۲	۱۵	الفاظ	جوابی الفاظ
"	"	نے	سے
۳۳	۶	کرتا	کرتا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۴	۱۸	ہوا	ہوں
۳۶	۱۰	اندکتھ	ایڈکٹ
۳۷	۱۴	لیا	کیا
۳۷	۱۵	ضروری	ضرورت
۴۲	۱۸	ستعد	مستعد
۴۳	۱۸	تقریب	تقریباً
۴۴	۲۳	ذریعہ	ذریعہ
۴۵	۶	پتجاب	پنجاب
″	۷	لی	کی
۴۶	۷	باعت	باعث
″	۲۲	آرننڈ	آرنلڈ
۴۷	۱۱	سسہور	مشہور
″	۱۶	ترنیح	ترجیح
″	۱۹	گورز	گورنر
″	۲۳	جھیٹ	جھپٹ
″	۲۵	مکر	مگر
۵۰	۱۰	نے	کے
″	۱۶	از	اتر
۵۲	۲۰	۵،۴۰	۵
۵۳	۶	سالے	رسالے
″	۱۱	۲-	۲۷
۵۵	۱۵	نہ قرین	نہ صرف قرین
۵۷	۵	حسکا	جسکا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۷	۱۰	اور دیانت	اور اس دیانت
۵۸	۷	ملک ایزاد	ملک کی ایزاد
۶۱	۲	ذکرتے	ذکر کرتے
۶۵	۹	غور کرنے کے	غور و تفکر کرنے کے
"	۱۵	ایک عہد سے	ایک اور عہد سے
۶۶	۲۲	لارڈ ڈلہوزی تمام	لارڈ ڈلہوزی کا تمام
۶۷	۲۵	قطاریں گئی	قطار بن گئی
۷۰	۲۴	جنگی	جنگی
۷۲	۵	کے	نے
۷۵	۱	دلی خیات	دلی خیالات
"	۱۷	اور پر	طور پر
۷۸	۲۳	احازت	اجازت
۸۲	۱۸	بڑی	بری
۸۳	۱	جس	جن
۹۲	۶	در	اور
۹۳	۱۸	آرکائل	آرگائل
۹۴	۳	ہی	بھی
"	۱۵	ق	حق
۹۵	۱۵	درسانی	درمیانی
۹۷	۲۴	میتر	بنیتر
۱۰۶	۲	تنبیت	تہنیت
۱۱۷	۷	جاتی	جاتی ہے
۱۴۱	۱۱	مطبع	مطیع

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۴۲	۱۰	اپنے اور	اپنے نئے اور
۱۴۴	۱۰	تجارتا	تجارت
۱۴۶	۱۲	بپر آمد	برآمد
۱۵۴	۲۳	اور یہ زیادہ تر	اور بہ زیادتی زیادہ تر
۱۶۱	۱۷	نیپیئر	نیپیئر
۱۶۴	۲۲	نپیئر	نیپیئر
۱۶۸	۴	فیر	غیر

تبصرہ بر ملک کرناٹک

ریاست اسلامی ملک کرناٹک کی ضبطی پر مختصر تبصرہ

سلسلۂ نصاب تعلیم جامعۂ عثمانیہ میں کتاب "رولرز اوف انڈیا۔ مارکوئیس اوف ڈلہوزی اور حکومت کمپنی کا انتہائی نشو ونما" مصنفۂ سر ولیم ہنٹر کا ترجمہ مولوی سید محمد احمد صاحب دہلوی نے کیا ہے اور دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی میں وہ طبع ہوا ہے

جو کتابیں جامعۂ عثمانیہ سے شایع ہوتی ہیں اشاعت سے پہلے مذہبی نقطۂ نظر سے انکی تنقید کیجاتی ہے اس ترجمے میں مذہبی نقطۂ نظر سے کوئی بات قابل ذکر نہیں ہے صفحہ ۱۷۱ میں دو جگہ بعوض معاہدہ ۱۸۰۱ء معاہدہ ۱۸۵۱ء سہو کتابت ہے اور صفحہ ۱۹۱ میں بعوض عظیم جاہ کے اعظم جاہ غلط لکھا گیا ہے لیکن ایک اسلامی حکومت کے نواب پر، ان کے خاندان پر، ان کے اہل دربار پر الزامات لگائے گئے ہیں چنانچہ صفحات ۱۷۱ و ۱۸۹ میں یہ الفاظ ہیں "سر ایڈون آرنلڈ کے الفاظ کے مطابق یہ تیسرا نواب نہایت شرمناک زندگی کے بعد طوائف اور بیکاری کے ہاتھوں لاولد مر گیا "یہ دربار خود ذلیل ترین حرکات کا منبع بنا ہوا ہے" "اس نے اور اس کے خاندان نے اپنے ذاتی وقار پر بدنامیوں کے داغ لگائے۔ اور خزانہ عامرہ سے جو رقم ان کو ملتی تھی اس کو بدکاریوں میں صرف کرتے رہے"۔ یہ وہ الفاظ ہیں جس کے پڑھنے سے بہت سے مسلمانوں کے دل دردمند ہونگے اس لیے بطور تبصرہ کے یہ یادداشت لکھی گئی۔

جنوبی ہند جس میں ملک کرناٹک واقع ہے یہاں مسلمان مبلغین اسلام اوایل زمانہ آغاز اسلام میں وارد ہوئے اور تاجرانہ حیثیت سے مدت سے موجود ہیں۔

شمالی ہند کے سلاطین اسلام، دکن کے بہمنیہ، قطب شاہیہ، عادل شاہیہ اسلامی سلاطین ملک کرناٹک پر فاتحانہ حملے کرتے اور ایک حد تک کامیاب ہوتے رہے۔

۱۱۰۳ھ ہجری میں اورنگ زیب بادشاہ ہند نے اسلامی فوج عظیم بھیجی۔ ذو الفقار خاں نصرت جنگ نے ۱۱۰۹ھ ہجری مطابق ۱۶۹۸ء میں قلعہ جنجی کو فتح کرلیا۔ کل ملک کرناٹک معہ بنادر

جس پر اہل یورپ کا قبضہ تھا ہند کی اسلامی سلطنت میں شامل ہو گئے۔
۱۲۱۴ھ ہجری مطابق ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان فرمانروائی سرینگ پٹن کی شہادت ہوئی۔ اور خطۂ کرناٹک میں ملک میسور سے اسلامی حکومت مٹ گئی۔

۱۲۱۶ھ ہجری مطابق ۱۸۰۱ء میں نواب عمدۃ الامراء صوبہ دار ملک کرناٹک کا انتقال ہوا۔ انگریزی گورنمنٹ نے ان کے بھتیجے نواب عظیم الدولہ کو بقائے حقوق ملک کے ساتھ پنجم حصہ آمدنی ملک کے نام سے سالانہ بارہ ہزار پگوڈا جس کے تقریباً بارہ لک روپیہ کلدار ہوتے ہیں دینا شروع کیا اور سارا ملک کرناٹک اپنے قبضے میں لے لیا۔ کرناٹک کی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں مٹ گئیں لیکن ہندو رجواڑے علی حالہم قائم رہے۔

نواب عظیم الدولہ کا ماہ شوال ۱۲۳۴ھ ہجری مطابق اگست ۱۸۱۹ء میں انتقال ہوا اور ان کے فرزند کلاں نواب اعظم جاہ ان کے قائم مقام ہوئے۔ ربیع الآخر ۱۲۴۱ھ مطابق نومبر ۱۸۲۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے فرزند نواب محمد غوث خاں جن کی عمر پندرہ مہینے کی تھی۔ بولایت اپنے چچا نواب عظیم جاہ کے جانشین ہوئے اور ۱۲۵۸ھ ہجری میں خود مختار کر دئے گئے۔ محرم ۱۲۷۲ھ ہجری مطابق اکتوبر ۱۸۵۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔ مدت عمر ۳۲ سال اور مدت حکومت تقریباً ۱۴ سال تھی۔ ان کے انتقال کے بعد انگریزی گورنمنٹ نے خطاب، استحقاق حکومت مستثنیات خاندان سب ختم کر دئے ۲۷؍ اکتوبر ۱۸۵۶ء کو نواب کرناٹک کی فوج اور عہدہ داران فوج بخشی الملک، سالار الملک، ندیم الدولہ اور مدار المہام ریاست، مدار الامراء، دار الامارۂ چیپاک کے احاطے میں جمع ہوئے۔ کرنل ایڈورڈ بالفور نے گوروں اور دیسی سپاہیوں کے ایک ایک دستے کے ساتھ انگریز گورنمنٹ کے احکام سنائے اور نواب کی فوج سے ہتیار لے لئے۔ اس روز مدراس کے مسلمانوں میں سخت بیچینی تھی جسکی کیفیت لوکل اخبارات صبح صادق، امیر الاخبار میں بتفصیل مندرج ہے یہ کل کارروائی مارکوئیس آوف ڈلہوزی کے زمانۂ حکومت میں ہوئی۔

تاریخ ہند اور عہدنامجات گورنمنٹ انگریزی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کا نشو و نما تمام تر مدراس میں ہوا۔ اسی ملک سے وہ سلطنت ہند کے مالک ہو گئے۔ احاطۂ مدراس کے مسلمان ہمیشہ انگریزوں کے معاون رہے بنگال کے ۱۷۵۷ء کے ہنگامے میں اور ہندوستان کے ۱۸۵۷ء کے بلوے میں انھوں نے گورنمنٹ کی

مدد کی۔ بادشاہان انگلینڈ اور انگریزی مدبّرین ہند ٹیپو سلطان کے واقعۂ شہادت تک
نواب محمد علی خاں والاجاہ پدر نواب عمدۃ الامرا صوبہ دار کرناٹک کی دوستی کی قدر کرتے
رہے۔ اسوقت تک دخانی اسٹیمر، تار برقی، ریلوے کا ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اور فرانسیسیوں
کی رقابت کی وجہ سے انگریزوں کو روساء ہند کی امداد کی ضرورت تھی۔

نواب محمد علیخاں والاجاہ اور ان کے چار جانشینوں کے زمانے میں بڑے نامور
علما شیوخ طریقت حاذقِ اطبّا مدراس میں جمع تھے۔ ان کے مصنفہ کتب عربی، فارسی
اردو موجود ہیں بعض کتب ایسے اعلیٰ مضامین کے تصنیف ہوئے جس پر تمام دنیا کے
مسلمان بجا فخر کر سکتے ہیں جنکے پڑھنے کے بعد اعتراف کرنا پڑے گا کہ جو اہل علم
مدراس میں تھے ان کے بعد ان کے امثال ابتک زمانے میں پیدا نہیں ہوئے۔

اس عہد حکومت میں بہ کثرت مساجد اور خانقاہ بنائے گئے خانۂ کعبہ معظمہ میں داخل
ہونے کے لئے بصرف زر کثیر سلم بھیجی گئی جو ابتک کام دے رہی ہے۔ حرمین شریفین
میں رباطیں تیار ہوئیں حج و زیارت کے لیئے امداد کیجاتی تھی۔ فنِ باغبانی میں ترقی
ہوئی۔ آم کے درخت کو پیوند لگا کر جلد اس کے ثمر سے متمتع ہونے کا طریقہ انھیں کے زمانے
میں ایجاد ہوا۔ ارکاٹ ساتھ گڑھ وغیرہ مقامات میں عمدہ عمدہ میوے کے باغات لگائے
گئے۔ ترچناپلی میں عمدہ ریشمی کپڑوں اور بعض دوسرے مصنوعات کی ایجاد ہوی۔

تمام اہلِ خاندان اور درباریوں کو تنخواہوں کے علاوہ تقاریب خوشی وغم میں
انعامات ملا کرتے تھے جوڑے بنائے جاتے تھے جشن میلاد شریف اور دوسرے
تقاریب میں پر تکلف دعوتیں دیجاتی تھیں شادیوں اور دوسرے رسموں میں بڑی
دھوم دھام ہوتی تھی۔ نواب عظیم الدولہ بہادر نے اپنے دو فرزند نواب اعظم جاہ بہادر
اور نواب عظیم جاہ بہادر کی شادیاں حیدرآباد کی دو امیرزادیوں سے کیں ان امرا
کے مدراس آنے میں اور شادیوں میں بیدریغ رقم صرف ہوئی اسی طرح نواب
محمد غوث خاں بہادر کی شادی بھی یہیں کی امیرزادی سے ہوی۔ اسوقت حیدرآباد
سے مدراس کو پورے ایک ہینے میں قافلہ پہونچا کرتا تھا شادی کی تقریب میں
حیدرآباد اور بنارس سے رقص و سرود کے لئے طائفے بلوائے گئے نواب اعظم جاہ بہادر
نے معہ اپنے زنانہ مدراس سے ناگور کا سفر بغرض زیارت حضرت قادر ولی

کیا تھا اور سفر کی حیثیت اس قسم کی تھی گویا فرمانروائے ملک اپنے ملک کا دورہ کرتا ہے۔ عہدہ داران مقامی کو انعام و اکرام دیا جاتا تھا۔ خاص اس سفر کے اخراجات کے لئے گورنمنٹ مدراس نے نواب صاحب کو پانچ لاکھ روپیہ مبادلہ دیا تھا نواب محمد غوث خاں چونکہ زمانۂ طفلی میں مسند نشین ہوے بمقتضائے اس کے ان کو مختلف زمانوں میں مختلف باتوں کا خیال پیدا ہوا۔

پتنگ بازی میں انھوں نے بہت سا روپیہ صرف کر دیا۔

آتشبازی میں مختلف رنگ پیدا کرنا اس زمانے میں مروج نہیں تھا انھوں نے اس کے ایجاد کرنے میں بہت سا روپیہ خرچ کیا۔

عمدہ کھانے، آچار، مربہ، مٹھائیاں بنانے کے لیئے نئے آلات اور ظروف بنائے اور اس میں بھی کثیر رقم صرف کی۔

کپڑوں کو رنگ دینے میں نئے ایجادات کئے اور رقم صرف کی۔

اپنے جلوس کے لئے چاندی کا نفیس تخت بنوایا۔

یوروپین تجار مدراس میں عمدہ کوٹھیاں بنواتے اور یہاں سے جاتے وقت فروخت کر دیتے تھے۔ نواب صاحب نے اس قسم کی کئی کوٹھیاں خرید لیں۔

یوروپین سوداگروں کے ذریعے سے ولایتی سامان مختلف اقسام کا خریدا جاتا تھا

عمدہ عمدہ گاڑیاں بنائی گئیں جس میں بارہ گھوڑے جوتے جاتے تھے۔

سب سے اخیر سرکس بنایا اس میں ورزش کرنے والے بچوں کے لئے بنارسی کمخواب کا زریں اور نیز ریشمی لباس بنایا گیا۔ ان فضولیوں کی وجہ سے وہ قرضدار ہو گئے اور تنخواہ داروں کی تنخواہ رک گئی قرضدار سود کو اضعاف متضاعف کر کے اور اہل فوج تنخواہ کے نہ ملنے سے شکایت کرنے لگے اہل دربار کے نصائح پر ان کو غصہ آجاتا تھا۔ ایسے نصائح آمیز خطوط اب تک موجود ہیں۔ بالآخر گورنمنٹ مدراس نے ان کو اس سے روکا۔ کرنل ایڈورڈ بالفور گورنمنٹ ایجنٹ کی ترغیب پر انھوں نے مدرسۂ اعظم اور کتب خانۂ عام قائم کیا۔ ایک مطبع مقرر کیا جس میں مفید کتابیں طبع ہوئیں گورنمنٹ سے التجا کی کہ قرضہ ادا کرنے کے لیئے ان کو رقم قرض دیجائے اور جو رقم ان کو دیجاتی ہے اس سے قرضہ باقساط وصول کر لیا جائے۔ اسی حالت میں ان کا

انتقال ہوا۔ قرض خواہوں کی کاوش گورنمنٹ کی تہدید سے ان کو اختلاج قلب کا مرض پیدا ہو گیا تھا۔ طوائف کا ناچ گانا سننا بلاشبہ امر خلاف شرع ہے باایں ہمہ مسلمان امرا وسلاطین میں اس کا عام رواج ہو گیا ہے۔ اس سے قطع نظر نواب نہایت راسخ الاعتقاد بڑے فیاض اور پاکیزہ صفت مسلمان کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے اہل خاندان اور اہل دربار اور وہ خود بذات خویش کسی قسم کے مسکرات کے استعمال سے بالکل بری تھے وہ عربی، فارسی، انگریزی پڑھے ہوئے تھے۔ فارسی زبان میں اشعار لکھتے تھے تذکرہ صبح وطن اعظم، تذکرہ گلزار اعظم انکی تصنیف ہے۔

١١٠٨ھ میں ملک کرناٹک پر مسلمانوں کا فاتحانہ قبضہ ہوا تھا۔ ١٢١٦ھ تک یعنے کامل ایک صدی انھوں نے وہاں حکومت کی پھر ١٢٧٢ھ یعنے نصف صدی تک انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کے نام سے حکومت کی۔

یہ امر ظاہر ہے کہ جو قوم ملک میں ہر قسم کی ترقی کرے دخانی جہاز تار برقی ریلوے مسلح فوج اس کے پاس ہو وہ دوسری قوم کے نام سے جس کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں کیونکر حکومت قائم رکھ سکتی ہے۔ اور مسرفانہ اخراجات کے لئے کب تک رقم دے سکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نواب اور ان کے خاندان اور ان کے اہل دربار کے افعال کی ذمہ داری کیا تمام مسلمان قوم پر عائد ہو سکتی تھی۔ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ جس حصے کے دینے کا وعدہ نقدی میں کیا گیا تھا اس مقدار کا ملک معین کر دیا جاتا اور مثل دوسری ریاستہائے ہند کے کرناٹک میں بھی مسلمانوں کی ایک ریاست قائم رکھی جاتی۔ ملک کرناٹک میں مسلمان قاضی مفتی وغیرہ عدالتوں میں مامور کئے جاتے تھے۔ اجرائے قانون انگریزی کے بعد ان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ علماء اسلام جو اپنے گھروں میں اعلی تعلیم دیا کرتے تھے بیکار ہو گئے اکثر مسلمانوں نے انگریزی گورنمنٹ کی ملازمت کو ناجائز قرار دیا اور انگریزی تعلیم سے وہ مدت تک متنفر رہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسوقت جسقدر مفلسانہ اور دردمندانہ حالت مدراس کے مسلمانوں کی ہے اسکی نظیر ہند کے دوسرے ملکوں میں شاید بہت کم ملیگی۔

گورنمنٹ نے درحقیقت یہ احسان کیا کہ حقوق ملک ضبط کر لینے کے بعد نواب کرناٹک محمد غوث خاں مرحوم کے چچا نواب عظیم جاہ بہادر اور خود نواب صاحب مرحوم کی دو بی بیوں اور تمام

اہل خاندان کیلئے وظائف مقرر کئے۔ نواب عظیم جاہ بہادر کو پرنس آف ارکاٹ کا لقب دیا۔ انکے انتقال کے بعد انکے دو فرزند نواب ظہیر الدولہ، نواب انتظام الملک پر بہ ترتیب پرنس آف ارکاٹ کا لقب معین ہوا انکے بعد نواب منور خاں بہادر ہوتے اور اب ان کے بعد انکے فرزند عالیجناب نواب سر محمد علی خاں بہادر بالقابہ پرنس مقرر ہیں اور دارالامارۃ امیر محل میں جو گورنمنٹ کی ملک ہے سکونت فرما ہیں۔

ریاست کے اعلیٰ عہدہ داروں کے نام جو تنخواہ نواب محمد غوث خاں کی حیات میں ملتی تھی بحال رہی ان کے بعد اُن اعلیٰ عہدہ داروں کے صرف ان فرزندوں کے جو نواب صاحب کے دربار میں مامور تھے وظائف مقرر ہوے۔ ان کے بعد بعض وظیفہ یابوں کی بیواؤں یا دختروں کو جس کو گورنمنٹ نے مناسب سمجھا کچھ کچھ وظیفہ مقرر کیا۔ اب بھی ایسے وظیفہ یاب کچھ باقی ہیں اور ادنیٰ ملازمین میں بعض کو انعام بعض کو وظائف بلحاظ ان کی مدت ملازمت کے دیئے گئے ان ادنیٰ ملازمین میں غالباً اب ایسا کوئی وظیفہ یاب باقی نہ ہوگا۔

اس خاندان اور دربار کے بعض اہل علم سرکار عالی میں اعلیٰ و ادنیٰ خدمات پر مامور ہوے اور اب بھی ان کی اولاد و احفاد داخل ملازمت ہیں اور بعضوں کو وظائف مقرر ہیں غلام غوث خاں بہادر کو سرکار عالی نے نواب غوث یار جنگ بہادر کا خطاب بھی مرحمت فرمایا ہے نواب محمد غوث خاں مرحوم کی والدہ اور ان کی بی بی یہیں کے امرائے عالی مرتبہ کی صاحبزادیاں تھیں جن سے عالیجناب نواب حسام الملک خانخاناں بہادر اور عالیجناب نواب فخر الملک بہادر کے خاندان کو تعلق ہے ملک سرکار عالی میں دو سادات خاندان کے نام ٹھمن پورہ کی جاگیر تھی جو نواب محمد غوث خاں مرحوم کے انتقال کے بعد شریک خالصہ ہوگئی لیکن صیغہ امور مذہبی سے اخراجات مقبرۂ نواب انور الدین خاں مرحوم اور انکی مسجد کے نام سے اب تک کچھ اخراجات جاری ہیں اور اس کا نام سررشتۂ والاجاہی ہے۔

اب بھی مدراس گورنمنٹ میں اہل دربار نواب کرناٹک کے اولاد و احفاد اعلیٰ ترین و ادنیٰ خدمات پر مامور ہیں۔

اخیر میں مجھے صرف یہ دکھلانا منظور ہے کہ جو نقائص نواب محمد غوث خاں مرحوم اخیر نواب کرناٹک پر انگریزی کتابوں اور ان کے اردو تراجم میں لگائے گئے ہیں بلا شبہ از روئے شریعت اسلام وہ قابل اعتراض ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسے مورخوں یا مصنفوں کے منہ سے یہ اعتراضات درست نہیں معلوم ہوتے جنکو بظاہر دنیاوی امور کے سوا اور کسی بات سے

تعلق نہیں ہوتا جس لہو لعب کو وہ ایک شکل میں قابل مذمت ٹھیراتے ہیں بالکل ممکن ہے کہ دوسری شکل میں وہ اسکو شان حکومت قرار دیں۔ ہمارے لئے خدائے تعالی کا ارشاد ہے۔ لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتاب من یعمل سوءً یجزبہ۔ پس اگر ہمارے اعمال کی جزا میں ہمکو دنیا میں ذلت کی سزا ملی تو اسکی شکایت نہیں کیجاسکتی۔ جو بڑا الزام نواب صاحب پر عائد ہوتا ہے وہ فضول خرچی اور اسراف ہے۔ اخیر زمانے میں گورنمنٹ نے ان چیزوں کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ کاش آغاز ریاست میں ایسا ہوتا تو یہ الزام کبھی عائد نہ ہونے پاتے۔

صفی الدین

ناظر مذہبی کتب درسیہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

یہاں اسقدر بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حاشیۂ ہذا کے مولف جناب مولوی صفی الدین صاحب کے تعلقات نوابان کرناٹک سے نہایت قدیم ہیں جس قدر باتیں انھوں نے اس حاشیے میں بیان فرمائی ہیں وہ نہایت تحقیق کے بعد تحریر میں آئی ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کے بزرگان خاندان شروع میں مبلغین اسلام کی حیثیت سے جنوبی ہند میں وارد ہوے تھے اور احاطہ مدراس میں اس وقت سے موجود ہیں جبکہ شہنشاہ اورنگ زیب نے ملک کرناٹک فتح کیا۔ مولوی صاحب ممدوح کے نانا مدار الامرا اور نانا کے بھائی امام العلماء قاضی الملک اور انکے والد شرف الملک اور مولوی صاحب ممدوح کے والد ماجد سالار الملک اور بہت سے بزرگان خاندان ۱۲۱۳ھ ہجری سے ۱۲۷۰ھ تک انھیں نوابان کرناٹک کے دربار کے معزز عہدہ دار تھے اس لئے پاس نمکخواری اور پاس اسلام نے مولوی صاحب موصوف کو اس یادداشت کے لکھنے پر مجبور کیا جسکی یہ شعبۂ تالیف و ترجمہ دل سے قدر کرتا ہے۔

محمد عنایت اللہ

ناظم شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی